



بی۔ ایڈ۔ سال اول
(B.Ed. 1st Year)

تعلیم کی فلسفیانہ بنیاد

Philosophical Foundations of Education

کورس کوڈ (BEDD102CCT)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،

گچی باؤلی۔ حیدرآباد۔ 500 032

تعلیم کی فلسفیانہ بنیاد

(Philosophical Foundations of Education)

BBED 102 CCT

بی۔ ایڈ۔ سال اول (B.Ed. 1st Year)

ایڈیٹر

پروفیسر صدیقی محمد محمود

شعبہ تعلیم و تربیت

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مؤلفین

اکائی-۱ فلسفہ اور تعلیم کا تعارف

ڈاکٹر نہال احمد

اسٹنٹ پروفیسر (کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، بھوپال)

اکائی-۲ ہندوستان میں تعلیم: تاریخی تناظر

ڈاکٹر محمد اطہر حسین (2.1 , 2.3.1)

اسٹنٹ پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

ڈاکٹر ریاض احمد (2.2 , 2.3.2)

اسٹنٹ پروفیسر (کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، آسنسول)

ڈاکٹر طیبہ نازلی (2.4)

اسٹنٹ پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

اکائی-۳ مشرقی نظام اور مغربی فلسفہ مکاتب

ڈاکٹر بدرالاسلام (3.1.1, 3.1.2, 3.1.3, 3.2.3, 3.2.4)

اسٹنٹ پروفیسر (کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، اورنگ آباد)

ڈاکٹر تحیل احمد (3.1.4)

اسٹنٹ پروفیسر (کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، سرینگر)

ڈاکٹر شاکرہ پروین (2.3.1)

اسٹنٹ پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

پروفیسر صدیقی محمد محمود (2.3.2)
پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

اکائی-۴ اقدار کی تعلیم

ڈاکٹر شاکرہ پروین

اسٹنٹ پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

اکائی-۵ تدریس بہ حیثیت پیشہ

پروفیسر صدیقی محمد محمود

پروفیسر (شعبہ تعلیم و تربیت، حیدرآباد)

اکائی-1 فلسفہ اور تعلیم کا تعارف

Introduction to Philosophy and Education

Structure	ساخت
Introduction	تمہید
Objectives	مقاصد
Concept and Scope of Philosophy	فلسفہ کا تصور اور وسعت 1.1
Concept and Scope of Education	تعلیم کا تصور اور وسعت 1.2
Relationship between Philosophy and Education	فلسفہ اور تعلیم کا تعلق 1.3
Philosophy and Aims of Education	فلسفہ اور تعلیم کے مقاصد 1.4
Philosophy of Education and Educational Philosophy	فلسفہ تعلیم اور تعلیمی فلسفہ 1.5
Glossary	فرہنگ
Let Us Sum Up/ Points to Remember	خلاصہ / یاد رکھنے کے نکات
Unit End Activities	اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں
Answers to Check Your Progress	اپنی معلومات کی جانچ
(Suggested Books)	سفارش کردہ کتابیں

فلسفہ اور تعلیم کا تعارف

تعارف (Introduction):

عظیم فلسفی وہی ہو سکتا ہے جس کے پاس علم ہو۔ علم ہی دانشمندی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس طرح فلسفہ اور تعلیم کے بیچ گہرا تعلق ہے۔ بلکہ فلسفہ اور تعلیم ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔ کچھ دانشوروں نے زندگی کو تعلیم اور تعلیم کو زندگی مانا ہے۔ انسان زندگی میں اخلاق و اقدار فلسفے سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ فلسفے میں زندگی کے مسائل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ فلسفہ اور زندگی ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ ان میں روح و جسم کا رشتہ ہے۔ جس طرح جسم کا وجود روح کے بغیر بے معنی ہے اور روح کا وجود جسم کے بغیر بے مقصد ہے اسی طرح فلسفہ کے بغیر تعلیم کا وجود بے معنی ہے اور تعلیم کے بغیر ہم فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سبق میں ہم فلسفہ اور تعلیم کے متعلق مختلف پہلوؤں پر غور کریں گے اور ان کے مفہوم و دائرہ کار کو جانیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیم کے مقاصد اور تعلیمی فلسفے کے بارے میں بھی پڑھیں گے۔

مقاصد (Objectives):

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:-

- ☆ فلسفہ کے مفہوم اور دائرہ کار کو بیان کر سکیں گے۔
- ☆ تعلیم کے مفہوم اور دائرہ کار کو بیان کر سکیں گے۔
- ☆ فلسفہ اور تعلیم کے باہمی تعلق کی وضاحت کر سکیں گے۔
- ☆ فلسفہ اور تعلیم کے مقاصد بیان کر سکیں گے۔
- ☆ فلسفہ اور تعلیم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر پائیں گے۔

1.1 فلسفہ کا تصور اور وسعت (Concept and Scope of Philosophy)

1.1.1 فلسفہ کا تصور (Concept of Philosophy):

لفظ فلسفہ، انگریزی لفظ Philosophy کے مترادف ہے۔ لفظ Philosophy یونانی لفظ Philosophie سے نکلا ہے جو Phileo اور Sophie دونوں کے ملنے سے بنا ہے۔ Phileo کا مطلب محبت اور Sophie کا معنی دانشمندی ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ فلسفہ دانشمندی سے محبت کو کہا جاتا ہے۔ Plato نے اپنی کتاب ریپبلک میں لکھا ہے کہ "جو انسان علم کو حاصل کرنے اور نئی نئی باتوں کو جاننے کے لیے دلچسپی دکھاتا ہے اور کبھی مطمئن نہیں ہوتا اسے فلسفی کہا جاتا ہے"۔

" The who has the taste for every sort of knowledge and who is curious to learn and is never satisfied may be justly terme a Philosopher" - (Plato)

مختلف دانشوروں نے اسے مختلف طریقے سے بیان کرنے کوشش کی چند فلسفیوں کے نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

"فلسفہ ایک ایسا علم ہے جو مافوق الفطرت چیزوں کی صحیح نوعیت کی کھوج کرتا ہے"۔ (ارسطو)

"Philosophy is a science which discovers the real nature of supernatural elements" - Aristotle

"فلسفہ حقیقت کی صحیح نوعیت کی منطقی کھوج ہے"۔ (رادھا کرشنن)

" Philosophy is the logical inquiry into the nature of reality" - Radha Krishnan

"فلسفہ علم کا سائنس اور تنقید ہے"۔ (Kant)

"Philosophy is a science and criticism of cognition" - Kant

"فلسفہ علم کی سائنس ہے"۔ (Fichte)

"Philosophy is the science of Knowledge"- Fichte

فلسفہ سچائی کی کھوج کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ یہ وہ علم ہے جو حتمی سچائی اور فطرت کے اصولوں اور ان کی وجوہات کا تجزیہ کرتا ہے۔ یہ سچائی کو پرکھنے کا ایک نظریہ ہے۔ فلسفہ، زندگی کی سچائیوں کی کھوج کر انہیں ایک سمت عطا کرتا ہے۔ ہندوستانی فلسفہ کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے لیکن صحیح معنی میں لفظ فلسفہ کا پہلا استعمال فیثا غورث (Pythagorus) نے کیا تھا اور اسے ایک مضمون کے طور پر ارسطو نے فروغ دیا۔ انسانی زندگی کے شروعاتی لمحوں میں جب انسان کو قدرت کے طریقوں کو دیکھ کر تعجب ہوا جب زندگی کی پیچیدگیاں اور جدوجہد میں، اس نے متضاد حالات دیکھے تو اس کے ذہن میں عدم اطمینان پیدا ہوا۔ اور اسی عدم اطمینان نے فلسفہ کو جنم دیا۔ دور قدیم میں ویدوں کا فلسفہ، بدھ کا فلسفہ اور مغرب میں یونانی فلسفہ تعجب (wonder) سے شروع ہوا مگر موجودہ مشرقی فلسفہ کی بنیاد شک (doubt) ہے جیسا کہ پیٹرک نے لکھا ہے

”چونکہ قدیم لوگوں میں فلسفہ تعجب سے شروع ہوا۔ موجودہ دور میں وہ زیادہ تر شک سے پیدا ہوتا ہے“
اس تعجب اور شک نے مختلف طرح کے مسائل کھڑے کئے۔ ان مسائل میں بنیادی بات یہ تھی کہ یہ خصوصی سوالوں کے نہیں بلکہ عمومی اور عالمگیر سوالوں سے متعلق تھے۔ اس معنی میں فلسفہ کے مسائل سائنس کے مسائل سے مختلف ہوتے ہیں جو کہ خصوصی سوالوں کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔

دنیا میں عام نقطہ نظر کو وسیع کرنے اور بنیادی قوانین کی حقیقت کے بارے میں منطقی سوچ اور سنجیدہ اصول تیار کرنے کی ضرورت نے فلسفہ کو ایک مضمون کے طور پر پیدا کیا۔ فلسفہ کے ذریعہ قدرت اور مکمل زندگی کے راز کا پردہ فاش کیا جاتا ہے۔ انسان کیا ہے؟ اس کا وجود کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ اس دنیا کی فطرت و مقصد کیا ہے؟ قدرت کا نظام کیا ہے؟ اس دنیا کو کون بنایا؟ انسان اس دنیا میں کیوں آیا؟ موت کیا ہے؟ کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ چاند و سورج کیا ہے؟ مرتخ کیا ہے؟ انہیں کس نے بنایا؟ ان سب سوالوں کی کھوج کر اس پر منطقی نظریہ قائم کرنا سچا فلسفہ کا کام ہے۔ حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرانا، فلسفہ کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر کہیں تو ان سارے سوالوں کا مطالعہ ہی فلسفہ ہے۔ چونکہ یہ ساری باتیں بہت ہی باریک ہیں اس لیے ان پر غور و فکر کرنا۔ حقیقت کو سمجھنا ایک عام انسان کی ذہنی صلاحیتوں سے باہر ہے۔ اس لیے ہنڈرسن (Henderson) نے کہا کہ

”فلسفہ سب سے پیچیدہ مسائل کا مشکل اور احتیاط کے ساتھ کیا ہوا تجربہ ہے جسے انسان نے کبھی محسوس کیا ہو۔“

"Philosophy is a rigorous, disciplined, guarded analysis some of the most difficult problems which man has ever faced." - Henderson

فلسفہ کو وسیع نظریہ سے دیکھا جائے تو وہ ہر انسان فلسفی ہے جو صداقت کی کھوج کسی نہ کسی طرح کرتے رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہر انسان پیدائش سے موت تک ہر روز کچھ نئے نئے تجربے کا سامنا کرتا ہے اور ان تجربوں سے وہ نئی نئی باتیں سیکھتا ہے۔ جس سے نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور اس کے ذہن میں نئے نئے سوال بھی آتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ صحیح کیا ہے؟ غلط کیا ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یعنی وہ ہمیشہ ایک نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہے اور سچائی جاننے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے اور چونکہ سچ کی کھوج ہی فلسفہ ہے اس لحاظ سے اکثر دیکھا جائے تو ہر انسان فلسفی ہے۔ اس لیے ہکسلے (Huxley) کہتا ہے

”انسان اپنی زندگی فلسفہ اور دنیا کے بارے میں اپنے نظریہ کے مطابق بسر کرتا ہے۔ بغیر فلسفہ کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔“

"Men live in accordance with their philosophy of life, their conception of the world" - Huxley

فلسفہ کی تعریف میں کچھ فلسفی نفسیاتی پہلو پر زور دیتے ہیں تو کچھ دوسرے اقدار کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

John Dewey لکھتا ہے ”جب بھی فلسفہ پر سنجیدگی سے غور کیا گیا تو ہمیشہ یہ مان لیا گیا کہ وہ علم حاصل کرنے کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو کہ زندگی کے طرز عمل کو متاثر کرے گا۔“

فلسفہ کی خصوصیات (Characteristics of Philosophy):

فلسفہ کے معنی کو سمجھنے کے بعد ہم فلسفہ کی خصوصیات کے بارے میں پڑھیں گئے۔

فلسفہ کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- ☆ فلسفہ کی پیدائش تجربہ اور حالات کے مطابق ہوتی ہے۔
- ☆ فلسفہ، مسلسل طور پر حقیقت کی کھوج میں مسلسل لگا رہتا ہے۔
- ☆ فلسفہ انسانی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔
- ☆ فلسفہ سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی۔
- ☆ فلسفہ منطقی سوچ پیدا کرتا ہے۔
- ☆ فلسفہ قدرت کے اصولوں کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔
- ☆ فلسفہ زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کراتا ہے۔
- ☆ فلسفہ زندگی کے لیے اصول و اقدار کو متعین کرتا ہے۔
- ☆ فلسفہ دانشمندی سے محبت ہے۔
- ☆ فلسفہ مقامی اور عالمی دونوں ہے۔ فلسفہ، حقیقت کی دانشمندانہ کھوج ہے۔

اب آپ جان گئے ہونگے کہ

- ☆ فلسفہ کسے کہتے ہیں؟
- ☆ فلسفہ کس لفظ سے نکلا ہے؟
- ☆ فلسفہ کے معنی کیا ہیں؟
- ☆ فلسفہ کا تعارف کیا ہے؟
- ☆ فلسفہ کی خصوصیات کون کون سی ہیں؟

اب آپ ان سوالوں کے جواب دیں:

۱۔ فلسفہ کس لفظ سے نکلا ہے؟

۲۔ فلسفہ کسے کہتے ہیں؟

۳۔ فلسفہ کے متعلق مختلف فلسفیوں کی تعریفات بیان کیجئے۔

۴۔ فلسفہ کی خصوصیات کو بیان کریں؟

1.1.2 فلسفہ کی وسعت (Scope of Philosophy):

فلسفہ سارے علوم کی ماں ہے اور اس کا دائرہ کار کافی وسیع ہے۔ اسے مندرجہ ذیل طریقے سے ہم سمجھ سکتے ہیں مثلاً

☆ علمیات (Epistemology)

☆ مابعد الطبیعیات (Metaphysics)

☆ علم الاقدار (Axiology)

☆ فلسفہ سائنس (Philosophy of Science)

☆ فلسفہ سماجی علوم (Philosophy of Social Science)

☆ فلسفہ زبان (Semantic)

علمیات (Epistemology):

علمیات فلسفہ کی وہ شاخ ہے جس میں علم سے متعلق مسائل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ علم کیا ہے؟ علم کی کیا حد ہے؟ علم کا ذریعہ کیا ہے؟ ہمارے پاس جو علم ہے کیا وہ حقیقی علم ہے؟ سچ کیا ہے، جھوٹ کیا ہے؟ دونوں کے بیچ فرق کیسے کیا جاسکتا ہے؟ تعلیم یافتہ ہونے کی سند کیا ہے؟ علم کی کون کون سی قسمیں ہیں؟ ان سارے سوالوں کا جواب اس شاخ میں معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس کا فلسفیانہ تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اس میں استقرائی (Inductive)، استخراجی (Deductive) طریقے، ترکیب (Synthesis) اور تجزیہ (Analysis) طریقہ کار کا استعمال ان سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا

ہے۔

اس میں بنیادی طور پر ہم علم اور علم حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں۔

ما بعد الطبیعیات Metaphysics:

اس میں خالق، مخلوق، کائنات کی ابتداء و اختتام۔ انسانی وجود، حیات و موت وغیرہ کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ اس میں اس بات پر بھی بحث ہوتی ہے کہ سچ کیا ہے؟ اس کی کون کون سی شکلیں ہیں؟ وجود کی فطرت کیا ہے۔ کیا دنیا صرف ایک ہے یا اور بھی دنیا ہیں۔ حقائق کیا ہے؟ مقاصد کیا ہے؟ بدلاؤ کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ میرا وجود کیا ہے؟ خدا کیا ہے؟ یہ دنیا کیا ہے؟ جنت کیا ہے؟ آخرت کیا ہے؟ ان تمام سوالوں سے تعلیم کے مقاصد اور مثالی اصول قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ہم انسان کو کیا بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے اخلاق و اقدار کو کس طرح فروغ دیا جاسکتا ہے۔ ان سارے سوالوں کا جواب اس میں تلاش کیا جاتا ہے۔ اور تعلیم ان سوالوں کے جواب تلاش کرنے میں مدد کرتی ہے۔

علم القدر Axiology:

اس میں تین شاخیں ہیں۔ اخلاقیات Ethics، جمالیات Aesthetics اور منطقی Logic

اخلاقیات Ethics: انگریزی لفظ Ethics، Ethos سے بنا ہے جس کے معنی کردار ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں کردار، عادات اور برتاؤ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل انسانی برتاؤ کی سائنس ہے۔ اسے اخلاقی فلسفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں انسانی کردار اور عادتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

جمالیات Aesthetics: یہ خوبصورتی یا جمالیات کی سائنس ہے۔ تعلیم کا مقصد طلباء کا مجموعی فروغ کرتا ہے۔ جس میں جمالیات کا فروغ بھی شامل ہے۔ یہ ادب اور فن کو فلسفیانہ انداز ادا کرتا ہے۔ اسی سے پورے ادب کا تنقیدی تجزیہ ہوتا ہے۔

منطقی Logic: لفظ منطق logic کا اردو ترجمہ ہے۔ جو لاطینی لفظ Logos سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی بحث و مباحثہ

سے منطقی پہلو سے ہے۔ John Dewey کے مطابق منطق ایک علمی فکر ہے۔ اس میں Inductive اور Deductive طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سائنسوں کی سائنس کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں غور و فکر اور دانشمندی کے ساتھ سبھی بنیادی ثبوتوں کے تجزیہ کی بنیاد پر مسائل کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کا آخری مقصد کیا ہے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کون کون سے اقدار، روایات ضروری ہیں ان کا کیا معیار ہونا چاہیے۔ اس میں اس بات پر بھی بحث ہوتی ہے کہ اقدار کی افادیت کسی مخصوص زمانے تک محدود رہتی ہے یا ہر دور میں پائی جاتی ہے اور کیا اس میں کسی طرح کا بدلاؤ بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

فلسفہ سائنس Philosophy of Science : اس میں سائنس سے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے اور تحقیقی کام کو انجام دیا

جاتا ہے۔ اس میں سائنسی نظریہ سے کائنات کے وجود کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فلسفہ دنیا کے سائنسی پہلوؤں کو آشنا کرتا ہے۔

فلسفہ سماجی علوم Philosophy of Social Science : اس میں سماجی پہلوؤں اور اس سے جڑے تمام موضوعات پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ اس میں تاریخ، سیاسیات، جغرافیہ، سماجیات اور معاشیات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

فلسفہ زبان Semantic : اس میں زبان کے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ زبان کا آغاز و ارتقاء کیسے ہوا؟ بولی کیا ہے؟ بولی کتنے طرح کی ہوتی ہے؟ ادب کیا ہے؟ ان سارے موضوعات کا مطالعہ اس فلسفہ زبان میں کیا جاتا ہے یہ زبان کا لسانی مطالعہ پیش کرتا ہے۔

1.2 تعلیم کا تصور اور وسعت (Concept and Scope of Education)

تعارف:

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو نہ وہ اس وقت چل سکتا ہے نہ بول سکتا ہے اور نہ ہی خود کھانا کھا سکتا ہے۔ یعنی وہ ہر کام کے لیے دوسرے پر منحصر رہتا ہے۔ مگر یہی بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو کوئی حکمراں بنتا ہے تو کوئی سائنس داں بنتا ہے کوئی فلسفی تو کوئی ماہر تعلیم۔ انسان کبھی جنگلوں میں رہتا تھا۔ خانہ بدوش زندگی گزارتا تھا لیکن آج انسان اتنا ترقی کر گیا ہے کہ وہ چاند اور مریخ پر جا رہا ہے۔ ذرا سوچئے یہ ساری چیزیں کیسے ممکن ہوئیں۔ تو جواب ملے گا تعلیم کی بنیاد پر۔ یعنی تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جسے حاصل کر کے انسان نے دنیا میں دوسری جاندار چیزوں پر برتری حاصل کیا ہے اور دنیا کی ساری چیزوں پر حکومت کر رہا ہے۔ تعلیم ہی انسان ہی دیگر جانوروں سے الگ پہچان قائم کراتی ہے۔ تعلیم کے ذریعہ ہی انسان کے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی کے ذریعہ ہی انسان اپنی تہذیب و ثقافت کی ترسیل کرتا ہے۔ تعلیم انسان کے طرز عمل میں بدلاؤ لاتا ہے۔ اور جسمانی، ذہنی، دماغی، روحانی، طاقتوں کو فروغ دیتی ہے۔ تعلیم انسان کے اندر اقدار پیدا کرتی ہے۔ اور اس کی کردار سازی کرتا ہے۔ اس میں خود اعتمادی پیدا کرتی ہے اور اسے سماجی وجود بناتی ہے۔ مختصراً کہا جائے تو تعلیم ہی انسان کو وجود بخشی ہے۔

1.2.1 تعلیم کا تصور:

فلسفی جان لاک کے مطابق ”بچہ کا دماغ ایک کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے، جس پر کچھ بھی لکھا جاسکتا ہے۔“

تعلیم کا مطلب معلم کے ذریعہ طلباء کو نیا علم فراہم کرنا ہے۔ تعلیم کا یہ تعارف قدیم اور عہدِ وسطیٰ میں خاص طور پر رائج تھا مگر زیادہ تر ماہرین تعلیم نے تعلیم کو اس نظریہ سے نہیں دیکھا۔ تعلیم انگریزی لفظ Education کا مترادف ہے۔ Education لاطینی لفظ Educo سے بنا ہے۔ ان میں دو الفاظ شامل ہیں۔ 'E' اور 'Duca' - E کا مطلب ہے "اندر سے باہر کی طرف اور Duco کا مطلب ہے "آگے بڑھنا"۔ اس طرح Education کا لغوی معنی "اندر سے باہر کی طرف بڑھنا" یعنی تعلیم کا مطلب انسان کی اندرونی صلاحیتوں کو باہر نکالنا۔ یعنی تعلیم انسان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو باہر نکالنے کا ایک آلہ ہے۔

Education کا Educare, Educatum اور Educere سے بھی متعلق کر کے دیکھا جاتا ہے۔

Educatum - to Train, act of teaching or training تربیت دینا، سکھانا

Educare - to bring up, to educate, to raise اٹھانا، سیکھانا

Educere- to lead out or to draw out نکالنا

Educare کا مطلب ہوتا ہے "اندر سے باہر کی طرف گامزن ہونا اور Educare کا معنی بھی آگے بڑھنا یا باہر نکالنا ہوتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تعلیم کے مندرجہ ذیل معنی نکلتا ہے۔

تعلیم کے لیے Pedagogy، شکشا اور وید یہ لفظ بھی ہندوستان میں رائج ہے۔ Pedagogy کا مطلب شاگرد کارہبری کرنا، شکشا، سنسکرت لفظ شاس سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں بڑھانا۔ قابو میں کرنا۔ حکم دینا وغیرہ۔ وید یہ لفظ وید سے نکلا ہے جس کا معنی ہیں جاننا۔

ان ساری باتوں پر غور کریں تو یہ معنی اخذ کے ہیں کہ تعلیم ایک ترقی و فروغ سے متعلق ایک عمل ہے۔ انسان کی ترقی اور فروغ کے لیے علم کا ہونا نہایت ضروری ہے اور تعلیم انسان یا فرد کے طرز عمل میں بدلاؤ لاتا ہے۔
تعلیم کا محدود تصور

عام طور پر تعلیم کا استعمال دو معنی میں کیا جاتا ہے۔ ایک محدود معنی میں اور دوسرا وسیع معنی میں،۔ محدود معنی میں تعلیم کا مطلب تعلیمی اداروں میں ہونے والی درس و تدریس ہے۔ اس میں کسی طے شدہ مقام پر طے شدہ افراد کے ذریعہ طے شدہ نصاب کو ایک طے شدہ ذریعہ سے تدریس کی جاتی ہے۔ اس میں حقیقی زندگی کی تعلیم نہ دے کر صرف ذہنی فروغ کے لیے کتابی تعلیم دی جاتی ہے۔ زندگی میں اس کے علاوہ بھی انسان کو بہت کچھ جاننے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حقیقی زندگی میں انسان کو بہت کچھ سیکھنا ہوتا ہے لیکن رسمی تعلیم میں طلباء کو صرف ذہنی فروغ ہوتا ہے اس میں تعلیم طالب علم کو نہ ہو کر معلم مرکوز ہوتی ہے۔ جس میں معلم اہم ہو جاتا ہے۔ معلم طلباء کو صرف کتابی اور ذہنی علم دیتا ہے۔ اس طرح کی تعلیم میں طلباء صرف رٹنے والا طوطا بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی مجموعی ترقی نہیں ہو پاتی۔ اس طرح تعلیم (Formal Education) رسمی تعلیم بن کر رہ جاتی ہے۔ جو ایک منصوبہ بند طریقے سے چلتی رہتی ہے۔ اس میں تعلیم اپنے اندر ان اثرات کو شامل نہیں کر پاتی جو کرنا چاہیے۔ مختلف دانشوروں نے اس کی تعریفات اپنی زبان میں بیان کی ہیں۔

”اپنے محدود مفہوم میں تعلیم کا مطلب انسان پر ماحول کے اس اثر سے ہے جو کہ اس کے کردار، عادت، رویہ اور سوچ کے طریقے میں تبدیلی لانے کے لیے دیا جاتا ہے“۔ (Thompson)

"The influence of the environment on the individual with a view to producing a permanent change in his habits, behaviour of thought and of attitude."

”اپنے محدود مفہوم میں تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس میں اور جس کے ذریعہ نوجوانوں کے علم، کردار اور طرز عمل کی آرائش کی جاتی ہے اور انہیں ایک شکل دی جاتی ہے“۔ (Dewey)

"Education is a process in which and by which the knowledge , character of the young are shaped , moulded"- Dewey

”اپنے محدود مفہوم میں تعلیم کا مطلب اس تہذیب سے ہے جو کہ ایک نسل اپنی آنے والی نسلوں کو اس امید پر دیتی ہے کہ یا تو وہ اس کا معیار ایسے ہی رکھیں گے یا اس میں اور اضافہ کریں گے“۔ (J.S.Mill)

اس سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

- (1) تعلیم کا مفہوم ہدایت دینا ہے۔
- (2) تعلیم منصوبہ بند طریقے سے معلم کے ذریعہ دیا گیا علم ہے۔
- (3) اس کا استعمال عمل تدریس کے لئے کیا جاتا ہے۔

تعلیم کا وسیع تصور

وسیع معنی میں تعلیم کا مطلب ان سبھی چیزوں سے ہے جن کا اثر طالب علم یا فرد پر پیدائش سے لے کر موت تک پڑتا ہے۔ یعنی طالب علم یا فرد اپنے ماحول میں رہ کر آزادانہ طور پر مختلف طرح کے علم کو فروغ دیتا ہے اور اپنی نشوونما کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہے تو تعلیم تا عمر چلنے والا عمل ہے جو کسی مخصوص جگہ، وقت اور ماحول کا محتاج نہیں رہتی۔ انسان اپنے زندگی کے ہر لمحے اور عمل سے سیکھتا رہتا ہے۔ اس میں وہ ہر انسان، استاد ہوتا ہے جس سے ہم اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ

- ☆ تعلیم زندگی بھر چلنے والا عمل ہے۔
- ☆ یہ کسی جگہ ماحول یا فرد کا محتاج نہیں ہوتا۔
- ☆ اس میں رسمی اور غیر رسمی دونوں تعلیم شامل ہے۔
- ☆ انسان زندگی کا ہر تجربہ حاصل کرتا ہے۔
- ☆ انسان کے کردار اور طرز عمل میں بدلاؤ آتا ہے۔
- ☆ سماج میں بدلاؤ آتا ہے۔

تعلیم کے اقسام

(1) رسمی تعلیم (Formal Education)

(2) بے رسمی تعلیم (Informal Education)

(3) غیر رسمی تعلیم (Non Formal Education)

(1) رسمی تعلیم (Formal Education): جو تعلیم، تعلیمی اداروں میں دی جاتی ہے اسے رسمی تعلیم کہا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ بند طریقے سے دی جاتی ہے اس میں تعلیم کا مقام، نصاب اور معلم سبھی پہلے سے طے ہوتے ہیں۔ اس میں مخصوص کورس

کی تعلیم دیا جاتا ہے جس میں کتابی تعلیم شامل رہتی ہے۔ جسے اسکول و مدرسہ کی تعلیم کالج اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔ یہاں ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔

(2) بے رسمی تعلیم (Informal Education): جو تعلیم گھر یا سماج سے حاصل کی جاتی ہے اسے بے رسمی تعلیم کہا جاتا ہے۔ اس میں تعلیم کے مقاصد، نصاب، مقام اور معلم کچھ بھی طے شدہ نہیں ہوتا اور یہ گود سے گورتک چلتی رہتی ہے۔ انسان ہر لمحے کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے اور اپنے طرز عمل میں بدلاؤ لاتے رہتا ہے۔ بے رسمی تعلیم انسان کی شخصیت کے نشوونما میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

(3) غیر رسمی تعلیم (Non Formal Education): اس تعلیم کو رسمی اور بے رسمی کے بیچ میں رکھا جاتا ہے۔ رسمی میں سب کچھ طے شدہ ہوتا ہے جبکہ غیر رسمی میں کچھ بھی طے نہیں ہوتا مگر غیر رسمی میں کچھ چیزیں طے شدہ ہوتی ہیں اور کچھ میں لچک ہوتی ہے۔ داخلہ امتحان، نصاب، مقاصد طے شدہ ہوتے ہیں مگر پڑھنے کے طریقہ کار وقت وغیرہ سیکھنے والے پر منحصر کرتا ہے جیسے فصلاتی تعلیم۔

1.2.2 تعلیم کی وسعت (Scope of Education)

تعلیم کے دائرہ کار کو ہم مندرجہ ذیل طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

☆ فلسفہ کی تعلیم:

انسانی زندگی راز دار ہے۔ جب تک ہم انسانی زندگی کے راز کو نہ سمجھ سکتے تب تک انسانی زندگی کے مقاصد کو طے کر پانا مشکل ہے اور جب تک مقاصد طے نہیں ہو جاتے تب تک یہ طے کرنا مشکل ہے کہ کیا پڑھنا ہے اور کیا پڑھانا ہے۔ یہ فلسفہ ہی ہے جس نے انسان اور اس کے عمل کا مکمل تفسیر بیان کرتا ہے اور اس کے مقصد کو طے کرتا ہے۔ تعلیم کے فلسفہ کی مدد سے ہم تعلیم کے فطرت، ضرورت اور مقصد کو سمجھ سکتے ہیں اور اسی کے مطابق تعلیمی نصاب تیار کر سکتے ہیں۔

☆ سماجی تعلیم:

انسان ایک سماجی مخلوق ہے وہ سماج میں رہتا ہے اور سماج میں رہنے والے لوگوں سے سماج کے رسم و رواج کو سیکھتا ہے۔ اس کے نظریہ و سوچ پر سماج اور سماجی اداروں کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تعلیم سماج اور سماجی اداروں، سماجی گروپوں اور سماجی سرگرمیوں میں آپسی تعلق قائم کرتی ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم سماجی ترقی کی بنیاد ہے۔ تعلیم سماجی تغیر اور تبدیلی کا ذریعہ ہے۔

☆ نفسیاتی تعلیم:

موجودہ دور میں طالب علم مرکز تعلیم رائج ہے۔ اس میں طلباء کی دلچسپی، یادداشت، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت،

نظریات، رجحان اور سیکھنے کی صلاحیتوں پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔ اس کے سیکھنے، پڑھنے کے حالات و ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسی کے مطابق نصاب کی تشکیل دی جاتی ہے۔ اس میں طالب علم کو اہمیت دی جاتی ہے اور اسی کو مرکز مان کر تعلیمی نظام قائم کیا جاتا ہے۔

☆ تعلیم کی تاریخ:

اس میں تعلیم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مختلف ادوار میں تعلیم کا کس طرح فروغ ہوا، سماجی ضرورت کے مطابق تعلیم میں کس طرح کی تبدیلیاں آئے اور اس نے سماجی ضرورتوں کو کس طرح پورا کیا۔ ان ساری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆ تقابلی تعلیم:

تقابلی تعلیم کے ذریعہ مختلف ملکوں کے تعلیمی نظام کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مختلف ممالک میں تعلیم کے مقاصد کیا ہیں؟ اس کے مضامین کیا ہیں۔ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کس طرح نصاب و نظام بنایا گیا ہے ان چیزوں کو سمجھ کر ہم اپنے تعلیمی نظام میں مناسب تبدیلی کر سکتے ہیں تاکہ ہمارا معیار تعلیم بلند ہو۔

☆ تعلیمی انتظامیہ اور نظام

تعلیمی انتظامیہ میں تعلیمی اداروں کے انتظام کے بارے میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت تعلیمی اداروں کے نظام کو کس طرح منظم کرے گی، نصاب کیا ہوگا۔ بنیادی سہولتیں کون کون سی ہوں گی انہیں کس طرح مہیا کرایا جائے۔ امتحان کا کیا طریقہ ہوگا وغیرہ ان ساری باتوں کا اس میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔

☆ تعلیمی ٹکنالوجی:

تعلیم کے دائرہ کار میں ٹکنیکی تعلیم کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ پڑھنا اور سیکھنا دونوں درس و تدریس کا عمل ہے۔ سیکھنا کیا ہے؟ سیکھنے کا موثر طریقہ کیا ہونا چاہیے۔ درس و تدریس کو موثر بنانے کے لیے کون کون سی ٹکنیک استعمال ہونی چاہیے۔ ان ساری باتوں کا مطالعہ ہم تعلیمی ٹکنالوجی میں کرتے ہیں۔ نئے ایجاد کردہ ٹکنالوجی کا استعمال درس و تدریس میں کس طرح کیا جائے۔ طلباء اپنے علمی و ذہنی فروغ میں ٹکنالوجی کا استعمال کیسے اور کس طرح کر سکتے ہیں۔ ان کی رسائی آسانی سے ٹکنالوجی تک کیسے ہو، ان سارے پہلوؤں پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔

☆ تعلیم کے دیگر دائرے:

تعلیم کے میدان میں روز بروز نئے نئے مضمون فروغ پا رہے ہیں اور سماج کی ضرورتوں کے مطابق ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ جیسے تعلیم اطفال، تعلیم نسواں، بنیادی تعلیم، تعلیم اساتذہ، ماحولیاتی تعلیم، شمولی تعلیم، اقلیتی تعلیم وغیرہ۔

- اب آپ جان گئے ہونگے کہ:
- ☆ تعلیم کسے کہتے ہیں؟
 - ☆ تعلیم کے محدود اور وسیع معنی کیا ہیں؟
 - ☆ تعلیم کے اقسام (دائرے) کون کون سے ہیں؟
 - ☆ تعلیم کا دائرہ کار کیا ہے؟
- اب مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔
- ۱۔ تعلیم کے مفہوم کو واضح کریں؟
 - ۲۔ تعلیم کے محدود اور وسیع معنی کو لکھیں؟
 - ۳۔ تعلیم کے کون کون سے اقسام ہیں۔ بتائیں؟
 - ۴۔ تعلیم کے دائرہ کار کو لکھیں؟

1.3 فلسفہ اور تعلیم کا تعلق (Relationship between Education and Philosophy)

فلسفہ اور تعلیم میں بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ بلکہ یہ ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ فلسفہ جہاں انسان کے وجود کو قائم کرتا ہے وہیں تعلیم ان کے باریک پہلوؤں اور ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور سمجھنے میں مدد کرتی ہے۔ فلسفہ انسانی زندگی کے مقاصد کو طے کرتا ہے جبکہ تعلیم ان مقاصد کو حاصل کرنے کا وسیلہ بنتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں کا مقصد انسان کو سچائی سے آشنا کرانا اور اس کی زندگی کو ترقی و فروغ دینا ہے۔ ایسے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فلسفہ اور تعلیم باہمی طور پر مربوط ہیں۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل نکات سے کی جاسکتی ہے۔

- ☆ فلسفہ اور تعلیم میں باہمی تعلق ہے۔
- ☆ فلسفہ تعلیم پر منحصر ہے اور
- ☆ تعلیم فلسفہ پر منحصر ہے۔
- ☆ تعلیم فلسفہ کے مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔
- ☆ تعلیم فلسفہ کا متحرک پہلو ہے۔
- ☆ فلسفہ کے بغیر تعلیم پر غور نہیں کیا جاسکتا۔
- ☆ فلسفہ تعلیم کی حقیقی منزل طے کرتی ہے۔

فلسفہ اور تعلیم میں باہمی تعلق ہے:

فلسفہ اصول ہے اور تعلیم اس کا عملی شکل۔ اصول عمل کی طرف زور دیتا ہے اور عمل اصول میں ترمیم کرتا ہے۔ فلسفہ نظریہ پیش کرتا ہے اور تعلیم اس کا استعمال کرتی ہے۔ فلسفہ تعلیم کا اصول ہے اور تعلیم عملی فلسفہ ہے۔ فلسفہ درس و تدریس کے شکل میں آتا ہے اور درس و تدریس کا بنیاد فلسفہ پر ہوتا ہے۔ تعلیم پودا ہے اور فلسفہ اس کا پھول۔ فلسفہ کے بغیر درس و تدریس کے معنی بیکار ہیں۔ فلسفہ کے بغیر تعلیم کا تصور ممکن نہیں اور فلسفہ کو تعلیم کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ اس طرح ہم غور کریں تو فلسفہ کے بغیر تعلیم کا کوئی وجود نہیں اور تعلیم کے بغیر فلسفہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ اس طرح دونوں کے درمیان ایک گہرا تعلق دکھائی دیتا ہے۔

راس (Ross) کے مطابق۔ ”فلسفہ اور تعلیم ایک ہی سکہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہی چیز کے مختلف تناظر کو پیش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تقویت بخشتے ہیں۔ پہلا فکری پہلو ہے اور دوسرا سرگرم و فعال پہلو ہے۔“

"Philosophy and Education are like two sides of the same coin, presents different views of same thing"- J.S. Ross

جان ڈیوی (John Dewey) راس کے خیالوں کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”اپنی عمومی حالات میں فلسفہ تعلیم کا اصول ہے“

(Philosophy is the theory of education in its most general phases)

جان ایڈم (John Adam) کا ماننا ہے کہ ”تعلیم فلسفہ کا متحرک پہلو ہے۔“

(Education is the dynamic side of Philosophy)

فلسفہ تعلیم پر منحصر ہے:

فلسفہ تعلیم کی پیروی کرتا ہے۔ اس نظریے سے فلسفہ تعلیم پر منحصر ہے۔ ہر فلسفی اپنے فلسفہ کو تعلیم کے ذریعہ پیش کرتا ہے اس لیے تعلیم فلسفہ کی پیدائش کی بنیاد رکھتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ انسان ہی منظم طریقے سے غور و فکر کر سکتا ہے اور اپنی باتوں کو منطقی انداز میں رکھ سکتا ہے۔ تعلیم فلسفہ کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ درسی کتاب۔ جرنلس۔ میگزین۔ معلم وغیرہ فلسفہ کی اشاعت و تبلیغ کے اہم وسائل ہیں۔ تعلیم کے ذریعہ ہی فلسفہ میں آنے والے چیلنج و مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔ فلسفہ کے نئے نئے موضوعات پر تحقیق تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس طرح تعلیم کے بغیر فلسفہ کا فروغ و ترقی ناممکن ہے۔

تعلیم فلسفہ پر منحصر ہے:

Fichte نے کہا کہ ”تعلیم کا فن فلسفہ کے بغیر کبھی مکمل وضاحت حاصل نہیں کر سکتا“۔

(The art of education will never attain complete clearness in itself without philosophy)

Spencer نے کہا کہ ”سچی تعلیم کو صرف سچا فلسفہ ہی عملی شکل دے سکتا ہے“۔

"True Education is practicable only to true philosophies"- Spencer

Ross کا خیال ہے کہ ”تعلیم کے متعلق سبھی سوال آخر کار فلسفہ کے ہی سوال ہوتے ہیں“۔

"All Educational questions are ultimately the questions of philosophy

Gentile کہتا ہے کہ فلسفہ کے بغیر تعلیم کی حقیقی فطرت کا فہم نہیں ہو سکتا“۔

"Education without philosophy would mean a failure to understand the precise nature of Education"- Gentile

ان سبھی خیالات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیم فلسفہ پر منحصر ہے۔ بغیر فلسفہ کے تعلیم کے مقاصد کو طے کر پانا مشکل ہے۔ فلسفہ ہی تعلیم کو سمت عطا کرتا ہے۔ فلسفہ ہی تعلیم کو وجودیت بخشتا ہے۔ اگر فلسفہ نہ ہو تو تعلیم کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا ہے۔ تعلیم کے لیے مضمون، اس کی فطرت، مواد، مقاصد، یہ سبھی فلسفہ کے ذریعہ طے ہوتے ہیں۔ تعلیم فلسفہ کے مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ فلسفہ مقاصد ہے اور تعلیم اس کو حاصل کرنے کا ذریعہ۔ فلسفہ اقدار، اصول اور نظریات پیش کرتا ہے اور تعلیم انہیں عملی شکل دیتا ہے۔

Herbert کے مطابق۔ ”تعلیم تب تک آرام نہیں کر سکتی جب تک فلسفیانہ سوال مکمل طور پر حل نہیں ہو جائے“۔

کبھی کبھی ماہر تعلیم فلسفیوں کے سامنے ایسے سوال کھڑا کرتے ہیں جن کا پہلے سے طے حل بیکار ثابت ہوتا ہے اور یہی

حالات نئی سوچ نئے نئے نظریہ پیدا کرتے ہیں اور فلسفہ کے نئے دروازے کھولتے ہیں۔

تعلیم فلسفہ کا متحرک پہلو ہے:

سماج میں دو پہلو دیکھے جاتے ہیں پہلا اصولی دوسرا عملی۔ فلسفہ اصولی پہلو ہے اور تعلیم عملی پہلو۔ فلسفہ، انسانی زندگی کے

مقاصد کو طے کرتا ہے اور ان کو حاصل کرنے کے اصول بناتا ہے۔ تعلیم ان اصولوں کو عملی جامہ پہناتی ہے اور انسان کے طرز عمل میں تبدیلی پیدا کرتی ہے تب جا کر سماج اپنے مقاصد کو حاصل کر پاتا ہے۔ Adam نے ٹھیک ہی کہا ہے۔
 ”تعلیم فلسفہ کا متحرک پہلو ہے“۔

فلسفہ کے بغیر تعلیم پر غور نہیں کیا جاسکتا:

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ فلسفہ اصول ہے اور تعلیم عملی پہلو۔ اصول بغیر عمل کے بھی رہ سکتا ہے۔ مگر عمل بغیر اصول کے ناممکن ہے۔ اس لیے فلسفہ کی حیثیت آزاد ہے جبکہ تعلیم کی نہیں۔ فلسفہ معلم کو علم و نظریہ عطا کرتا ہے جس سے وہ سبھی مشکلوں کا حل نکالنے میں مدد حاصل کرتا ہے۔ فلسفہ تعلیم کو قوت عطا کرتا ہے۔ جس سے وہ آگے بڑھ کر سماج کو روشنی دے سکے۔ اگر فلسفہ جسم ہے تو تعلیم اس کی روح ہے۔ یعنی تعلیم کے سبھی پہلوؤں پر فلسفہ کا قبضہ ہے۔
 فلسفہ تعلیم کی حقیقی منزل طے کرتا ہے:

تعلیم کو فلسفہ کے ذریعہ طے کردہ منزل کی طرف جانا ہوتا ہے۔ Rusk نے ٹھیک کہا ہے کہ ”فلسفہ زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کا مشورہ پیش کرتا ہے“۔ فلسفہ نظریہ کو پیش کرتا ہے اور تعلیم اس نظریہ کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتی ہے۔ اس کے لیے درس و تدریس کو ذریعہ بناتی ہے۔

"Philosophy formulates what it conceives to be the end of life"- Rusk

تعلیم فلسفہ کو زندہ رکھتی ہے:

فلسفہ میں جتنے بھی اصول بنائے جاتے ہیں اور جتنے بھی نظریات پیش کئے جاتے ہیں ان سب کا تحفظ تعلیم کرتی ہے اور سارے اصولوں و نظریات کو ایک دوسرے تک منتقل کرتی ہے جس سے وہ زندہ رہتی ہے۔ اگر آج ہم فلسفہ کے جو نظریاتی اصولوں کو جان اور سمجھ پارہے ہیں تو وہ تعلیم سے ہی ممکن ہو پایا ہے۔

تعلیم فلسفہ کو نئے نئے موضوعات سے آشنا کراتی ہے۔ فلسفے میں پیش کردہ اصول و نظریات پر بحث و مباحثہ تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہوتا ہے اور پھر ان پر بحث و مباحثہ سے نئے نئے موضوع ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ جس سے نئے نئے علم کے دروازے کھلتے ہیں۔

فلسفی تعلیم داں بھی ہوتے ہیں:

زمانہ قدیم سے حال تک کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی عظیم فلسفی ہوئے ہیں وہ بہترین معلم بھی تھے۔ جیسے۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، فروبل، گاندھی، ٹیگور وغیرہ۔ ان کے ذریعہ پیش کردہ فلسفہ اور لکھی گئی کتابیں ہر

زمانے میں لوگوں کی تعلیمی رہنمائی کرتی ہے۔ اور روشنی بخشی ہے۔ ہر دور میں لوگ ان کی باتوں سے استفادہ حاصل کرتے آئے ہیں۔

1.4 فلسفہ اور تعلیم کے مقاصد (Philosophy and Aims of Education)

ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ اس طرح تعلیم کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ تعلیم کا ہر مقصد زندگی کے مقاصد پر منحصر ہوتا ہے اور زندگی کا مقصد اپنے وقت کے فلسفہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے تعلیم کے مقصد کی تشکیل، زندگی کے مقصد کے مطابق کی جاتی ہے۔ چونکہ زندگی کے مقصد اپنے وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اس لیے تعلیم کے مقاصد بھی بدلتے رہتے ہیں کیونکہ زندگی کا جو مقصد ہوتا ہے وہی تعلیم کا مقصد ہوتا ہے۔ چونکہ زندگی کے مقاصد کا متعین فلسفی کرتے ہیں اس لیے مختلف فلسفوں کے نظریات، زندگی کے مقاصد کو متعین کرتے ہیں۔ اور زندگی کے مقاصد تعلیم کے مقاصد کو متعین کرتے ہیں۔ اس لیے جیسے جیسے زندگی میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اس طرح تعلیم کے مقاصد میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے جب جب دنیا میں تبدیلی آئی لوگوں کی زندگی میں بھی تبدیلی آئی اور اس سے متاثر ہو کر تعلیم کے مقاصد بھی زمانے کے ساتھ بدلتے رہے۔

تعلیم کے مقاصد کو ہم مندرجہ ذیل طریقوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

عہد قدیم

جب قدیم اسپارٹا، روم اور ہندوستان کے تعلیم کے مقاصد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہر ملک نے اپنی ضرورت کے مطابق علم کے مقاصد طے کئے۔ اسپارٹا میں لوگوں کو ملک سے محبت، ہمت اور حکم کی تعمیل جیسے جذبات کو فروغ دینا تھا تو وہاں دوڑنے، کھیلنے، لڑنے کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ اسی طرح روم کی جبکہ ہم بات کرتے ہیں تو وہاں کے شہری اپنی زندگی میں حقوق و فرائض پر زیادہ زور دیتے تھے اس لیے نہیں اس طرح کی تعلیم دی جاتی تھی جہاں تک ہندوستان کا سوال ہے قدیم ہندوستان میں مذہب کا بول بالا تھا۔ زندگی کا مقصد خدا کو پہچاننا۔ کردار سازی۔ اقدار کا فروغ۔ سماجی ذمہ داریوں کا احساس وغیرہ دلانا تھا۔ اس لیے تعلیم کا نظام بھی اسی مطابق طے کیا گیا تھا۔ لوگوں کو مذہبی تعلیم زیادہ دی جاتی تھی اس لیے تعلیمی نظام بھی اسی کے مطابق تشکیل دیئے گئے تھے۔ گروکل اور بودھ و بہار میں مذہبی، اخلاقی اور اقداری تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔

عہد وسطیٰ:

عہد وسطیٰ آتے آتے زمانے میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ اس زمانے میں زندگی کے مقاصد بدل چکے تھے۔ اس لحاظ سے زندگی کے فلسفے میں بہت تبدیلی نظر آتی ہے۔ اس لیے تعلیم کے مقاصد میں بھی نمایاں تبدیلی دیکھائی دیتی ہے۔ اس وقت دنیا میں عیسائی مذہب کا بول بالا تھا۔ تعلیم میں مذہب کی شمولیت دیکھائی دیتی ہے۔ لہذا اس زمانے میں تعلیم کا مقصد مذہبی زیادہ دکھائی

دیتا ہے۔ جہاں تک ہندوستان کی بات ہے۔ یہاں یہ دور مسلم حکمرانوں کا دور تھا۔ اس لیے اسے مسلم دور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ قدیم ہند کی طرح یہاں بھی مذہبی فلسفہ تعلیم کا اہم مقصد تھا۔ تعلیم کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ، کردار سازی، اقدار کا فروغ وغیرہ اہم مقاصد رہے۔ مکتب و مدرسوں میں مذہبی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ طلباء کی کردار سازی اور اقدار کا فروغ تعلیم کا اہم مقصد تھا۔

عہد جدید:

اس عہد میں کافی تغیر دکھائی دیتا ہے۔ لوگوں کے رہن سہن کے طریقے، سوچنے سمجھنے کا نظریہ وغیرہ میں کافی تبدیلی نظر آتی ہے۔ لہذا تعلیم کے میدان میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔ چونکہ زندگی کے فلسفہ میں کافی تبدیلی آئی ہے اس لیے تعلیم میں بھی کافی تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لوک (Locke) اور روسو (Rousseau) جیسے فلسفیوں نے قدیم نظریات کی مخالفت کی اور پرانے روایتی تعلیمی نظام پر سخت تنقید کی۔ اس بات پر زور دیا کہ بچوں کی بنیادی صلاحیتوں کو آزادانہ طور پر فروغ پانے دیا جائے۔ اسی سے تعلیمی نفسیات کا جنم ہوا۔ جیسے جیسے تعلیم میں نفسیات کا رول بڑھتا گیا تعلیم طالب علم مرکوز ہوتی گئی۔ آگے چل کر پٹالوزی (Pestalozzi) نے تعلیم کا مقصد بچوں کی شخصیت کا فروغ بتایا اور ہر بارٹ (Herbert Spencer) نے تعلیم کا مقصد طلباء کی کردار سازی بتایا۔

پہلی اور دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا میں سیاسی، معاشی و سماجی طور پر کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ مختلف ممالک خاص طور پر ترقی یافتہ ملکوں نے الگ الگ نظریہ کو اپنایا۔ امریکہ نے جہاں جمہوریت کو فروغ دیا، وہیں روس اور چین نے مارکسزم کو فروغ دیا۔ اس طرح مختلف ملکوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مختلف فلسفیانہ نظریات اپنائے اور اس کے پیش نظر تعلیم کے مقاصد کا تعین کیا تاکہ وہ اپنے اپنے نظریات کو فروغ دے سکیں۔ ہندوستان 1947ء میں انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد یہاں سماج وادی اور جمہوری نظریہ کو اپنایا گیا جس کا مقصد ایک اچھا شہری بنانا اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔

1.4.1 فلسفہ اور نصاب:

نصاب کا متعین کرنا اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ نصاب بنانے والے کس نظریہ یا فلسفہ کے ماننے والے یا پیروکار ہیں۔ کسی بھی ملک کے نصاب پر اس ملک میں رہنے والے لوگوں اور حکومت کے نظریات ان کے مقاصد اور روایت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ کیوں کہ ملک کی ضرورت اور ترقی کے مطابق ہی کوئی بھی ملک نصاب تیار کرتا ہے۔ نصاب لوگوں کے نظریہ میں وسعت اور تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ کسی بھی ملک کے نصاب میں وہاں رائج نظریے کے مطابق ہی مضمون ہوتے ہیں۔

1.4.2 فلسفہ اور طریقہ تدریس:

فلسفہ اور طریقہ تدریس کے بیچ بہت ہی گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت بوقت بدلتے ہوئے فلسفی نظریے کے مطابق طریقے تدریس میں بھی تبدیلی ہوتے رہتی ہے۔ کوئی ملک یا سماج اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو بھی طریقہ تدریس عمل میں لاتا ہے اس پر فلسفہ کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے۔ جس طرح فلسفیانہ ماحول میں درس و تدریس کا کام انجام دیا جاتا ہے اس فلسفیانہ نظریہ کا اثر طریقہ تدریس پر پڑتا ہے۔ اگر فلسفہ فطرت کے تحت درس و تدریس پر غور کیا جائے تو یہاں نصاب سے زیادہ طالب علم پر زور دیا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں طلباء مرکوز طریقہ تدریس کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس طرح دیگر فلسفوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس فلسفہ میں جس نظریے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے طریقہ تدریس پر اسی فکے مطابق اثر دکھائی دیتا ہے۔

1.4.3 فلسفہ اور نظم و ضبط:

نظم و ضبط پر فلسفہ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ تعلیمی ماحول میں نظم و ضبط سخت ہونا چاہیے یا لچکدار یا پھر آزادانہ ماحول میں تعلیمی خدمات انجام دینا چاہیے یہ اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ ہم کس فلسفیانہ نظریہ کے تحت تعلیمی خدمات کو انجام دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر فلسفہ تصوریت، نظم و ضبط پر زیادہ زور دیتا ہے وہیں فلسفہ فطرت نظم و ضبط سے آزادی کی بات کرتا ہے۔

Adams نے اپنی کتاب Modern Development in Educational Practice میں نظم و

ضبط کی تین شکلیں بتائی ہے۔

(1) تکراری نظم و ضبط Repressionistic Discipline

(2) تاثری نظم و ضبط Impressionistic Discipline

(3) آزادی نظم و ضبط Emancipationistic Discipline

(1) تکراری نظم و ضبط Repressionistic Discipline: اس نظریہ کے تحت آزادی پر سخت پابندی کی بات کہی گئی ہے۔ اس میں طلباء کو کسی طرح کی آزادی نہیں دی جاتی بلکہ ان کو طاقت کے ساتھ سختی سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ اس میں طلباء کے اندر ڈر اور خوف پیدا کیا جاتا ہے۔ انہیں مارا جاتا ہے۔ جسمانی تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ ان پر ہمیشہ کڑی نگرانی رکھی جاتی یعنی ہر طرح کی آزادی سے وہ محروم رہتے ہیں۔

(2) تاثری نظم و ضبط Impressionistic Discipline: یہ تصوریت سے متاثر ہے اس کے ماننے والوں کا اعتماد ہے کہ طلباء پر معلم کی شخصیت کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے یہ مثالی معلم کی وکالت کرتا ہے تاکہ معلم کی مثالی زندگی اور شخصیت کے زیر

اثر طلباء میں کردار سازی اور نظم و ضبط کا بہترین فروغ ہو سکے۔ ڈریا خوف کا ماحول نہ ہو بلکہ معلم اپنے کردار و شخصیت سے طلباء کے کردار کو متاثر کرے۔

(3) آزادی نظم و ضبط Emancipationistic Discipline: اس پر فطرت کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ یہ طلباء کے مکمل آزادی کی بات کرتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر طلباء کو آزادانہ ماحول فراہم کیا جائے اس سے ان کی شخصیت کا فروغ آزادانہ اور فطرت کے طریقے سے ہوگا۔ ڈریا خوف سے طلباء کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس سے ان کی شخصیت کا فروغ فطری طور سے نہیں ہو پاتا اس لیے انہیں آزادانہ ماحول دیا جائے تاکہ فطری ماحول میں اپنی شخصیت کو فروغ کر پائے۔

1.4.4 فلسفہ اور درسی کتاب

تعلیم کے مقاصد کو حاصل کرنے میں درسی کتابیں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ کسی بھی ملک میں درسی کتاب میں ایسے مضامین کو شامل کیا جاتا ہے جو اس ملک و سماج کے مقاصد کو حاصل کرنے میں مددگار ہوں۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی ملک کے مقاصد و نظریہ کو فلسفہ متاثر کرتا ہے۔ اس لیے فلسفہ کا اثر درسی کتاب پر بھی پڑتا ہے۔

1.4.5 فلسفہ اور معلم:

فلسفہ اور معلم کے بیچ رشتہ بہت ہی گہرا ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر معلم فلسفی ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر معلم کا اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ اس کے اپنے اصول ہوتے ہیں جس پر وہ اپنی زندگی گزارتا ہے اور اسی نظریہ اور عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے درس و تدریس کا کام کرتا ہے۔ کمرہ جماعت میں درس و تدریس کے درمیان انہی اصولوں اور نظریوں پر وہ روشنی ڈالتا ہے جس سے وہ متاثر ہوتا ہے۔ اس کے طریقہ تدریس پر اس کی فلسفیانہ سوچ صاف نظر آتی ہے اور وہ طلباء میں اپنی فلسفیانہ نظریے کی چھاپ چھوڑتا ہے۔ چونکہ تعلیم کے میدان میں معلم کا رول اہم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے فلسفیانہ نظریات کا اثر پورے تعلیمی نظام پر پڑتا ہے۔ معلم کا رول سماج میں بھی اہم ہے۔ وہ آنے والی نسلوں کو تعلیم و تربیت دیتا ہے۔ اس لیے سماج میں وہی فلسفہ رائج ہوتا ہے یا یوں کہہ کے سماج کے فلسفیانہ نظریات اسی طرح کے ہوتے جس طرح کے معلم کے نظریات ہوتے ہیں۔ فلسفیانہ نظریات کی تبدیلی میں بھی معلم کا رول اہم ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ Kant، روسو، ٹیگور اور علامہ اقبال جو عظیم فلسفی و معلم تھے اور ان سب نے اپنی فلسفیانہ نظریہ و سوچ سے سماج میں انقلاب برپا کیا۔

1.5 فلسفہ تعلیم اور تعلیمی فلسفہ

1.5.1 فلسفہ تعلیم :

دنیا کے مختلف فلسفیوں نے کائنات کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں اور انہیں نظریات پر انسانی زندگی کے مقاصد کا تعین کیا ہے۔ فلسفہ انہیں نظریات کی وضاحت کرنے اور تعلیم انہیں عملی شکل دینے میں مدد کرتی ہے۔ دنیا کے مختلف

فلسفیوں نے اپنے اپنے فلسفیانہ نظریات کے مطابق انسانی زندگی کے مقاصد کو طے کیا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں تعلیم زندگی کے مقاصد کی حصولیابی کرتی ہے۔ جب فلسفیانہ نظریات کی بنیاد پر مقاصد الگ الگ ہوں گے تو ظاہری بات ہے ان مقاصد کی حصولیابی کے لیے تعلیمی نظام بھی الگ الگ ہوں گے۔ یہی تعلیمی نظام فلسفہ تعلیم کو وجود بخشتا ہے اور اسے ایک الگ شاخ کے طور پر عمل میں لاتا ہے۔ جب جب ماہرین تعلیم، تعلیم کے مسائل میں الجھ کر اس کا حل تلاش کرتے ہیں تو فلسفہ تعلیم انہیں مدد کرتا ہے اور راہ دکھاتے۔ جس کے نتیجے میں فلسفہ تعلیم کا فروغ اور نشوونما ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ فلسفہ تعلیم ایک ایسا شعبہ یا شاخ ہے جہاں فلسفی اور ماہر تعلیم مل کر کام کرتے ہیں اور اسے فروغ بخشتے ہیں۔ فلسفہ تعلیم میں تعلیم کے متعلق مسائل کو فلسفیانہ نظریہ اور فلسفیانہ طریقہ کار سے حل کرنے کا عمل شامل ہے۔ تعلیم کے متعلق کئی مسائل ہو سکتے ہیں جیسے تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ تعلیم اور سماج میں کیا رشتہ ہے؟ تعلیمی عمل میں اسکول کا کیا مقام ہے؟ تعلیمی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کون کون سے طریقے اپنائے جاتیں وغیرہ۔ ان سوالوں کے جواب کے لیے فلسفہ تعلیم میں فلسفیانہ طریقے اپنائے جاتے ہیں اور ان کا حل نکالا جاتا ہے اور ان مسائل کے حل کے لیے تجزیاتی (Analysis) اور ترکیبی (Synthesis) نظریہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی استقرائی (Inductive) و استخراجی (Deductive) طریقوں کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر فلسفہ تعلیم کا اخذ کردہ نتیجہ حرف آخر ہو یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہر ایک ملک میں موجودہ حالات اور وقت کی نزاکت کی روشنی میں فلسفی تعلیمی مسائل پر غور و خوض کرتے ہیں اور مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ بدلتے زمانے کے حالات و ضرورت کے مطابق ان میں تبدیلی بھی پیدا ہوتی رہتی ہے۔

1.5.2 تعلیمی فلسفہ :

L.K.Joad نے تعلیمی فلسفہ کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ تعلیمی فلسفہ تعلیم کے ”کیا“ اور ”کیوں“ پہلوؤں کا تعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو تعلیمی فلسفہ، تعلیم کی شکل میں ایک ایسے عمل کا تعارف کرتا ہے جس کی پیروی کی جانی چاہیے۔ تعلیم کو سمجھنے کے لیے تعلیمی فلسفہ میں دو طرح کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) تعلیم کے عمومی نظریہ:

اس میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ تعلیم کو کیا کرنا چاہیے۔ سماج میں اس کا کیا رول ہے؟ سماجی مسائل کو حل کرنے میں تعلیم کا کیا رول ہونا چاہیے؟

(2) خصوصی نظریہ:

اس میں اس بات پر بحث کی جاتی ہے کہ تعلیم کے مقاصد کو حاصل کرنے میں تعلیمی عمل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔

تعلیمی فلسفہ میں طلباء:

اس میں تعلیم کس کو دی جانی چاہیے؟ کیا تعلیم سب کے لیے ہونی چاہیے؟ اگر ہاں تو کیوں؟ کیا تعلیم انہیں افراد کو دی جانی چاہیے جنہیں سماج اس کے لائق سمجھتا ہے؟ تعلیمی فلسفہ ان سوالوں کا جواب دیتا ہے اور فلسفی ان سوالوں کا تجزیہ کر کے اپنے خیالات کو پیش کرتا ہے اور ان ہی بنیادوں پر طلباء کے تصور کو قائم کیا جاتا ہے۔

تعلیمی فلسفہ میں معلم:

تعلیمی فلسفہ میں مثالی معلم کی بات کی جاتی ہے۔ یعنی معلم کے اندر، صلاحیت، مہارت، اخلاقی اقدار وغیرہ کا ہونا لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ معلم اور طلباء کے آپسی تعلقات۔ معلم کی ذمہ داریوں اور ان کے پورا کرنے کے طریقوں کو بتایا جاتا ہے۔

تعلیمی فلسفہ میں مواد:

تعلیمی فلسفہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ کسی طرح کا مضمون پڑھایا جانا چاہیے اس کا مواد کیا ہونا چاہیے تاکہ بچوں کی صلاحیتوں، مہارتوں اور اقداروں کا فروغ مل سکے۔

تعلیمی فلسفہ میں درس و تدریس:

یہ درس و تدریس کے طریقہ کا تعین کرتا ہے تاکہ طلباء کو صحیح طور پر علم فراہم کیا جاسکے۔ اس میں تدریسی طریقہ اور تدریسی تکنیک کا مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ بچوں میں صلاحیتوں، مہارتوں اور اقداروں کا فروغ صحیح طور پر ہو جائے۔

تعلیمی فلسفہ میں نظم و ضبط:

اس میں نظم و ضبط پر بات کی جاتی ہے کہ کسی طرح طلباء میں نظم و ضبط قائم کیا جاسکتا ہے اس کے طریقے کون کون سے ہو سکتے ہیں اس کی وضاحت بھی کی جاسکتی ہے۔

اداروں کی منصوبہ بندی :

تعلیمی فلسفہ، اداروں کی منصوبہ بندی اس کے دائرہ کار، اس کی نوعیت وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ اس بات پر بھی غور کرتا ہے کہ اداروں کی منصوبہ بندی تعلیم کے مقاصد کو کسی حد تک پورا کرنے میں مدد کر سکتی ہے۔

تعلیمی فلسفہ میں انعام و سزا:

تعلیم میں انعام و سزا کیا ہے۔ اس کو کس حد تک استعمال کیا جانا چاہیے اور اس کے استعمال سے کیا کیا فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے اس کا تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

تعلیم میں آزادی:

تعلیم میں آزادی کا مطلب کیا ہے یہ اس تصور آزادی کو تعلیم میں کس طرح رویہ عمل لایا جانا چاہئے۔ اس کی نوعیت کیا

ہونی چاہیے وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے۔

تعلیمی فلسفہ مختلف تعلیمی نظریوں کے ذریعہ ان سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ تعلیم کے مختلف مسائل کا تجزیاتی نظریہ کا استعمال کر کے تعلیم کے اصول کی تشکیل کرتا ہے جو تعلیمی عمل کو سمت عطا کرتا ہے۔
تعلیمی فلسفہ کی نوعیت:

تعلیمی فلسفہ اور فلسفہ تعلیم میں پہلا سائنسی اور دوسرا فلسفیانہ ہے۔ بہت سے فلسفی اس فرق کو بھول کر فلسفہ تعلیم کو تعلیمی فلسفہ کے اصول مان لیتے ہیں۔ فلسفہ تعلیم کی نوعیت، فلسفیانہ ہے اس فلسفیانہ نوعیت کو سمجھنے کے لیے، فلسفیانہ مسائل، فلسفیانہ نظریہ اور فلسفیانہ طریقہ کو جاننا ضروری ہے۔ Brubacher نے تعلیمی فلسفہ کے تین افعال بتایا۔

تخمینی نوعیت (Speculative Nature):

فلسفہ تعلیم، عالمی فلسفہ میں انسان کا مقام تعین کرتا ہے۔ تعلیم کے دائرے میں مختلف علوم کے مسائل و نتائج کو منظم کر کے اس طرح پیش کرتا ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟

معیاری نوعیت (Normative Nature): تعلیمی عمل کے مقاصد، معیارات کو متعین کرتے ہیں۔ فلسفہ میں حقائق اور اقدار کا میل کیا جاتا ہے۔ جہاں حقائق کا علم مختلف سائنسوں سے ملتا ہے۔ وہاں اقدار فلسفہ کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس طرح تعلیم میں کون کون سے اقدار کو حاصل کیا جائے گا اس کا جواب فلسفہ تعلیم دیتا ہے۔ Normative کے طور پر مختلف نظریات رائج ہیں۔

(i) تعلیمی فلسفہ، تعلیمی مشق کی پیروی کرتا ہے۔ بچے کو تعلیم دینے کے عمل میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کا اصولی بنیاد تعلیمی فلسفہ دیتا ہے۔ اور اس کا ضرورت کو بتاتا ہے۔

(ii) تعلیمی فلسفہ، تعلیمی عمل کو سمت دیتا ہے۔ درس و تدریس کے درمیان معلم کے سامنے کئی طرح کے موضوعات سامنے آتے ہیں اور یہی موضوعات تعلیمی عمل کو سمت عطا کرتے ہیں۔

(iii) تعلیمی فلسفہ کے دوسرے دائرے: اس میں تاریخ، ادب و ثقافت وغیرہ آتے ہیں۔ چونکہ فلسفہ سماج کے مقاصد اور اقدار کو متعین کرتا ہے۔ اس لیے دوسرے علاقوں یا صوبوں سے بھی حقائق کو اخذ کرتا ہے اور پھر اس کا تنقیدی تجزیہ کر کے اقدار و مقاصد کو طے کرتا ہے۔

(iv) تنقیدی عمل۔ تعلیمی فلسفہ کے تنقیدی عمل میں تعلیم کے سبھی حصے، مضمون، نصاب، طریقہ تدریس، تعلیمی نظام وغیرہ کا سختی کے ساتھ تنقیدی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تعلیم سے متعلق نظریوں اور اصولوں کا بھی تنقیدی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے سائنسوں کی سائنس کہا جاتا ہے۔ یہ سبھی کا تجزیہ کرنا رائج اخذ کرتا ہے۔ اس میں تصور اور حاکمیت کے تجربوں کا تفصیل سے بیان کیا جاتا

ہے۔ یہ مستقل مزاجی کو قائم کرتا ہے اور نظریات کی پیچہتی کو پیش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ ہی منطقی سوچ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

فرہنگ (Glossary)

دانشور	علم جاننے والا، عقلمند
وسیع	پھیلا ہوا
سمت	راستہ، رخ
روشناس کرانا	رو برو کرانا
صداقت	سچائی
طرز عمل	برتاؤ
اخلاقیات	اخلاق کا علم
استقرائی	مثال سے اصول کی طرف جانا
استخراجی	اصول سے مثال کے طرف جانا
جمالیات	جمال کی جمع، خوبصورتی
گور	قبر

خلاصہ / یاد رکھنے کے نکات (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

فلسفہ ایک وسیع مضمون ہے۔ جس کے بغیر دنیا اور زندگی کے حقائق کی معلومات حاصل کرنا مشکل ہے۔ یہ زندگی کو مقاصد فراہم کرتا ہے۔ اور کائنات اور زندگی کے وجود کا تجزیہ پیش کرتا ہے انہیں حقائق اور مقاصد کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا شعور عطا کرتا ہے۔ فلسفہ کے بغیر زندگی کا کوئی وجود نہیں اور اس وجود کو سمجھنے میں تعلیم ہماری مدد کرتی ہے۔ ایک معلم کو فلسفہ کا علم ہونا ضروری ہے تبھی وہ کائنات اور زندگی کے مقاصد کو طلباء کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ طلباء کو زندگی کے اصول اور سلیقہ سکھا سکتا ہے۔ زندگی میں اخلاقیات و اقدار کا فروغ بغیر فلسفہ کے ممکن نہیں، اور ان سب کی بنیاد فلسفہ ہے۔ تعلیم ہمیں اپنی اخلاقیات و اقدار کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتی ہے اور ان کے اصول تشکیل دیتی ہے۔ فلسفہ و تعلیم کا انسانی زندگی میں کافی اہم رول ہے۔ اس لئے فلسفہ اور تعلیم کے بیچ ایک تعلق ہے بلکہ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔

اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں: (Unit End Activities)

- ☆ فلسفہ کیا ہے؟ اور اس کا دائرہ کار کیا ہے۔ تفصیل سے لکھیں؟
- ☆ ایک معلم کو فلسفہ کیوں جاننا چاہئے۔ سمجھائیں؟
- ☆ تعلیم کے مفہوم اور دائرہ کار کو بیان کریں؟
- ☆ تعلیم کے مقاصد کو لکھیں؟
- ☆ "تعلیم اور فلسفہ ایک ہی سکہ کے دو پہلو ہیں" بحث کریں؟
- ☆ فلسفہ تعلیم اور تعلیمی فلسفہ پر روشنی ڈالیں؟

معروضی سوالات:

- ۱۔ فلسفہ کے معنی، دانشمندی سے _____ ہے۔
- ۲۔ Fichte نے فلسفے کو _____ کی سائنس کہا ہے۔
- ۳۔ فلسفہ سائنس بھی ہے اور _____ بھی۔
- ۴۔ فلسفے کی جس شاخ میں علم سے متعلق مسائل کا تجزیہ کیا جاتا ہے اسے _____ کہتے ہیں۔
- ۵۔ Semantic میں _____ سے متعلق مسائل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- ۶۔ مختلف ادوار میں تعلیم کے فروغ کا مطالعہ _____ کہلاتا ہے۔
- ۷۔ "فلسفہ اور تعلیم ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں" _____ نے کہا۔

جوابات:

- ۱۔ محبت
- ۲۔ علم
- ۳۔ آرٹ / فن
- ۴۔ علمیات
- ۵۔ زبان
- ۶۔ تاریخی تعلیم
- ۷۔ Ross

سفارش کردہ کتابیں: (Suggested Books)

- ۱۔ سکشا اور شن۔ رام ناتھ شرما، راجندر کمار شرما۔
- ۲۔ ابھرتے ہوئے ہندوستانی سماج میں تعلیم۔ ساجد جمال، عبدالرحیم۔
- ۳۔ سکشا کے دارشنگ ایوم سماج شاستریہ سدھانت۔ این آرسوروپ سکسینہ۔
- ۴۔ اودیاماں بھارتیہ سماج میں سکشا۔ ڈاکٹر جے۔ ایس۔ والیہ، جو دھپور
- ۵۔ سکشا کی دارشنگ پر شٹھ بھومی۔ ڈاکٹر لکشمی لال کے۔ اور، جے پور

اکائی-۲۔ ہندوستان میں تعلیم: تاریخی تناظر**(Indian Education: Historical Prospective)**

اکائی کی ساخت (Structure)

تعارف (Introduction)

مقاصد (Objectives)

2.1 دورِ قدیم میں تعلیم (ویدک اور بڈھسٹ تعلیم)

Education During Ancient Period (Vedic & Buddhist Education)

2.2 عہدِ وسطیٰ میں تعلیم (بشمول اسلامی تعلیم)

Education during Medieval (Including Islamic Education)

2.3 دورِ جدید میں تعلیم (قبل آزادی اور آزادی کے بعد)

Education during Modern Period (Pre-Independent & Post- Independent Era)

2.4 مفکرین تعلیم (Educational Thinkers)

2.4.1 رابندر ناتھ ٹیگور (Rabindra Nath Tagore)

2.4.2 سری ارو بندو گھوش (Sri Arobindo Ghosh)

2.4.3 موہن داس کرچند گاندھی (Mohandas Karamchand Gandhi)

2.4.4 علامہ اقبال (Allama Iqbal)

2.4.5 سر سید احمد خان (Sir Sayyed Ahmad Khan)

2.4.6 مولانا ابولکلام آزاد (Maulana Abul kalam Azad)

فرہنگ Glossary

خلاصہ / یاد رکھنے کے نکات Let Us Sum Up/ Points to Remember

اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں Unit End Activities

اپنی معلومات کی جانچ Answers to Check Your Progress

سفارش کردہ کتابیں (Suggested Books)

تعارف:

دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہندوستانی تہذیب کا اپنا ایک سفر و مقام ہے۔ زمانہ قدیم سے ہندوستانی نظام تعلیم ساری دنیا کی توجہ کا مرکز کر رہا ہے۔ یہاں کی قدیم درس گاہیں اور جامعات اپنے آلہ معیار اور تہذیب کی بنیاد ہر اعلیٰ معیارات پر اترتی تھی۔

اس اکائی میں ہم دیکھیں گے کی کس طرح ہمارا تعلیمی نظام عہد بہ عہد مختلف تبدیلیوں سے گزر رہا ہے۔ بلآخر دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے مستحکم تعلیمی نظام کی شکل اختیار کرتا گیا۔ عہد قدیم سے جدید کے عہد اور بدھ عہد کے تعلیمی نظام کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس اکائی میں آپ عہد وسطا کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے دور جدید میں ماقبل آزادی اور بعد آزادی غرض ہر دور میں تعلیم کا مطالعہ کریں گے۔ اور پائیں گے کہ ہر دور کے تعلیم نظام کی اپنی نمایاں خصوصیات ہیں اور زمانہ ماضی میں مذہبی تعلیم پر زور دینے کے باوجود اس وقت کے عصری تقاضوں کو کبھی بھی مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ یہی صورت حال عہد وسطا میں بھی جاری رہی۔ البتہ برطانوی دور میں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کا جہان سامنے آیا اور آزادی کے بعد بھی سیکولیرزم کے نام پر یہ جاری ہے۔

بہر حال ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ کسی بھیہو تعلیمی نظام کے ارتقاء میں بعض افراد کا نمایاں کردار ہوتا ہے۔ اور ان کے افکار و خدمات کا مطالعہ کے بغیر تعلیمی نظام کو اسکے صحیح تناظر میں سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے اس اکائی میں چند منتخب مفکرین تعلیم کے افکار و خدمات کی جامع تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی۔

مقاصد:-

- ☆ یہاں کی مختلف سطح کے تعلیمی اداروں اور ان کے تعلیمی معیار کا تعین کر سکیں۔
- ☆ برہمنی عہد اور بڈھسٹ عہد کے تعلیمی نظام کا جائزہ لے سکیں۔
- ☆ اس زمانے کے تعلیمی انتظام، تعلیمی ادارے، اساتذہ اور طلباء اور ان کی درسیات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- ☆ عہد وسطیٰ اور اس سے قبل اور بعد کے تاریخی حالات کا جائزہ لے سکیں۔
- عہد وسطیٰ میں اسلامی تعلیم کی خصوصیات، تعلیمی نصابات اور ذریعہ تعلیم پر مباحثہ کر سکیں گے۔
- ☆ ہندوستان میں تعلیمی تبدیلی کا انداز لگا سکیں۔
- ☆ انگریزوں کے زیر اثر تعلیمی پالیسیوں کا جائزہ لے سکیں گے۔
- ☆ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد تعلیم کے میدان میں ہوئی ترقیوں اور تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں۔
- ☆ تعلیمی ترقی میں حاصل روکاؤں کو دور کرنے کی تجاویز پیش کر سکیں۔

☆ مستقبل میں تعلیمی ترقی کا منصوبہ تیار کر سکیں۔

(5) چندہ مفکرین کے اصولوں کے مطابق طریقہ، تدریسی، نظم و ضبط، معلم کے کردار، نصاب پر طلباء بحث کر سکیں گے اور اس کا اطلاق کرنے کے اہل ہوں گے۔

2.1 دورِ قدیم میں تعلیم (ویدک اور بڈھسٹ تعلیم)

Education During Ancient Period (Vedic & Buddhist Education)

ہندوستان کی تاریخ تقریباً 5000 سال کے عہد پر محیط ہے۔ اس کی قدامت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ویدوں کے عہد سے شروع ہو کر اب تک ارتقاء پذیر ہے۔ قدیم ہندوستان میں تاریخ کو تمدن سے الگ کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ اس لیے عہدِ قدیم کے تعلیمی نظام کو تمدن سے الگ نہیں کر سکتے۔ وید ہندوستان کی قدیم ترین اور مقدس کتاب ہے جس سے اس زمانے کی معاشی، معاشرتی، مذہبی اور روحانی زندگی کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے تعلیمی نظام کا بھی پتہ چلتا ہے۔ دور

حاضر کی طرح دور قدیم میں بھی خاندان ایک سماجی اکائی تھا جس سے فرد کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوتا تھا اور بچہ شعوری اور لاشعوری طور پر تمدنی زندگی کے تجربات حاصل کرتا تھا۔ وہاں بے زبان، عادات و اطوار اور آداب و اخلاق سب سیکھتا تھا۔ ویدوں میں تعلیم کو سمجھانے کے لیے علم (Knowledge) آگہی، انکساری اور پاکیزگی جیسی اصطلاحوں کا خاص طور سے استعمال ہوتا تھا۔ تعلیم کو روشنی (پرکاش) یا ”نور“ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ویدوں میں بے علم انسان کو جانوروں سے تعبیر کیا جاتا تھا جو اس کی رہنمائی زندگی کے ہر مرحلے میں کرتی تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ تعلیم سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ ”وید“ اصل میں وید (Vid) سے ماخوذ ہے جس کا معنی علم ہوتا ہے۔ گویا علما کا ماننا تھا کہ وید اصل میں معبود حقیقی کی تلاش کا ذریعہ ہے اور علم برائی سے نجات کا راستہ بھی۔ ویدوں میں رگ وید، یجور وید، اتھر وید اور شام وید خاص ہیں۔ ان کے علاوہ مشروتی اور سمیرتی بھی علم و نظر میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ اس دور کے تعلیم کی اصل راج اور خاصیت علم اور تجربے پر زور خواہشات پر قابو، روحانیت کا فروغ، کردار سازی، فرائض کی انجام دہی، تمدن کی حفاظت وغیرہ خاص ہیں۔ مقاصد تعلیم میں خدا کی عبادت، مذہب کا احساس، نیک کردار، سماجی ذمہ داری، قومی ذمہ داری اور اخلاقی قدروں کا فروغ تھا۔ اس زمانے میں اجاریہ یعنی استاد، مذہب اور طالب علم تینوں مل کر ایک سماجی تسلیس کی تعمیر کرتے تھے۔ برہمی یا ویدک دور کی تعلیم کے اہم نکات میں تعلیم کے اہداف (مقاصد)، تعلیمی نصاب، عورتوں کی تعلیم، طریقہ تدریس، معلم و متعلم کا ربط اور تعلیم گاہوں میں نظم و ضبط اس اکائی میں خاص طور سے آپ پڑھیں گے۔

تعلیمی اہداف :-

ہر عہد میں تعلیم کا سب سے اہم مقصد بہتر انسان پیدا کرنا ہے تاکہ وہ اپنے معاشرے کے ساتھ ساتھ خدا کی بتائی ہوئی ہر چیز کا بہتر استعمال اور تحفظ کرے۔ ویدک دور میں بھی تعلیم کا یہی اہم مقصد رہا تھا۔ جہاں تعلیم کے ذریعے انسان کو شعوری اور لاشعوری طور پر نیک عادات اور اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا جاتا تھا۔ خدا کی پہچان اس تک پہنچنے کے ذرائع، نیکی یعنی (پورن) کو تصور کیا جاتا تھا اور اس کے لیے علم اور تجربے کے ذریعے روحانیت کا فروغ انسانی خواہشات پر کنٹرول اور اعلیٰ کردار کی ترویج تھی۔ اس زمانے میں سماج کے ذریعے اور مذہب کے ذریعے طے کیے گئے فرائض کی انجام دہی بھی تعلیم حاصل کرنے کے اہم مقاصد تصور کیے جاتے تھے۔ یہی نہیں اپنے سماج اور رسم و رواج و تمدن کا تحفظ بھی تعلیم حاصل کرنے کا ایک مقصد تصور کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب ہم ویدوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان سے مذکورہ خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں۔

نصاب تعلیم :-

ویدک دور میں تعلیم دو سطحوں پر فراہم کی جاتی تھی۔ ابتدائی سطح اور اعلیٰ سطح، ابتدائی سطح پر زبان و اس کا قواعد، عام ریاضی، سوشل Behavior اور مذہبی امور کی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کا ایک بڑا ذریعہ اخلاقی و روحانی کہنیاں ہوتی تھیں۔ عام طور سے سنسکرت زبان کو ذریعہ تعلیم کا مہور مانا جاتا تھا۔ جن طلباء کو اساتذہ یعنی گرو (اچاریہ) اس لائق سمجھ لیتا کہ اس نے ابتدائی تعلیم کی درسیات مکمل کر لیے ہیں تو انہیں اعلیٰ تعلیم میں داخل کرنے کی سفارش کر دیتا۔ اعلیٰ تعلیم میں کچھ خصوصی تعلیمی مقاصد کی تکمیل کی جاتی تھی۔ ان مقاصد کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا سنسکرت زبان و ادب کی تعلیم اور اس کے قواعد جو مذہبی تعلیم اور اقداری تعلیم کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے علوم میں ویدک لٹریچر، علوم نجوم، علم فلکیات، آوریوید، ریاضی، فوجی تربیت سے متعلق علوم، مویشی پروری نے زراعت، آرٹ اینڈ کرافٹ اور جسمانی صحت سے متعلق نصاب شامل ہوتے تھے۔ ابتدائی اور اعلیٰ دونوں سطحوں کے نصاب میں انتشار و مفصل طور سے ویدوں کی تاریخ گزشتہ تاریخی واقعات، اکابرین مذاہب کی تواریخ، ہرانوں پر مباحث، اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں شامل ہوتے تھے۔ ویدک عہد میں من جملہ جن مضامین کو نصاب میں شامل کیا انہیں تکمیل کرنے کی مدت عام طور پر 24 سال کی عمر تک ہوتی تھی۔ 24 سال، 36 سال اور 48 سال تک کی عمر تک تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو واسو (Vasu)، رودرا (Rudra) اور آدتیہ (Adithya) کہا جاتا تھا۔

تعلیم نسواں (Women Education) :-

پورے ویدک عہد میں لڑکیوں کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے لیکن لڑکیوں/عورتوں کو گوروکل میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی تعلیم کا انتظام گھر پر کیا جاتا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت امور خانہ داری اور گھریلو انتظام کے علاوہ بچوں کی پرورش و پرداخت کے متعلق ہوتا تھا۔ لیکن ویدک ادب میں چند ایسی خواتین کا نام لیا جاتا ہے جنہوں نے ویدوں پر تبصرے کیے ہیں ان میں Mudra، Lopa، Romza، Ghosa، Lipala، Zoha اور Saraswat کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے زمرہ میں Koshthki، Maitree کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

طریقہ تدریس :-

آپ جان چکے ہیں کہ ویدک دور کی تعلیم کا اہم مقصد مذاہب کے امور کی تکمیل اور روحانیت کا فروغ تھا۔ طریقہ تعلیم میں اسی نقطہ نظر سے اساتذہ طلباء کو تعلیم و تربیت فراہم کرتے تھے۔ یہ بھی جان چکے ہیں کہ تعلیمی نظام اس پورے دور میں تقریباً ”گوروکل“ کا تھا جہاں والدین اپنے بچوں کو ایک مخصوص عمر کے بعد ”گرو“ کے پاس ”ویدیا گروہیں“ کرنے کے لیے چھوڑ آتے

تھے۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ گروکولوں میں اپنا اور گرو کا غذا کی مراسمی اور روزانہ کے اخراجات کے لیے ”شیشہ“ کو بھکشا کے لیے گروکول کے باہر اپنے معاشرے میں جانا پڑتا تھا۔ طلباء دوران تعلیم بیشتر عمر اپنے ہم جماعت اور گروؤں کے ساتھ رہتا تھا۔ خاندان سے اس کا رشتہ اس پورے عمر میں کم ہی ہوتا تھا۔ اس کا پورا وقت تعلیم و تربیت میں گزرتا تھا۔ ویدک نظام تعلیم میں معلم مرکوز (Teacher Centred) ایجوکیشن کی اہمیت مسلم تھی۔ چنانچہ نصاب کا تعین، درجہ کا تعین، نظام الاوقات کا تعین اور طالب علم کے آرام کے وقفے کا تعین کرنا، گرو کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ طالب علم کی ایام کار اور کام کے اوقات نصابات کی شروعات ہی طے کر لی جاتی تھی۔ جس میں بھیکشا گرو ہن کرنے کا وقت بھی شامل ہوتا تھا۔ معلم کو سماج میں روحانی پیشوا کا مقام حاصل تھا۔ اس لیے سماجی و مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے جب گرو کہیں جاتا تھا تو اپنے ساتھ اپنے طلباء کو بھی لے جاتا تھا تاکہ ان امور کی تربیت کی جاسکے۔ معلم اپنے طلباء کی شخصیت کے فروغ کے لیے کئی مہارتوں کی تربیت کرتا تھا۔ مثلاً جیوش ویدیا، بودھ، یوگ، آیوروید ویدیا (علاج و معالجہ) سے متعلق تربیت وغیرہ کی تربیت ان کے طریقے تدریس میں شامل ہوتا تھا۔

آپ یہ جان چکے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی دو سطحیں ابتدائی اور اعلیٰ ہوتی تھی۔ ابتدائی تعلیم میں زبان اور مذہبی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ زبان کے معاملہ میں منفرد طریقہ تدریس خاص طور سے سنسکرت زبان کی مختلف مہارتوں کے فروغ کے لیے دیگر طریقوں کے علاوہ یادداشت کا طریقہ، اسٹوری ٹیلنگ کا طریقہ اور نقل نویسی کا طریقہ زیادہ تر اپنایا جاتا تھا۔ جبکہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زبان کی اعلیٰ مہارتوں، مذہبی امور، جیوش ویدیا، پھر انوں کا مطالعہ، تاریخ کے علاوہ زراعت، سپہ گیری، آیوروید، ہست ریکھا وید اور فلسفہ و اقدار کی تعلیم، نصابات میں شامل تھے۔ کئی بڑے گروکولوں میں راجنی تی شاشتر، ارتھ شاشتر اور اوج آیوروید کی تعلیم و تربیت بھی شامل تھی۔

متعلم و معلم ربط (Pupil Teacher Relationship)

ویدک عہد میں برہمن، چھتر یہ اور ویشہ طبقے کے بچے آٹھ، گیارہ اور بارہ سال کی عمر میں گروکول میں داخل کیے جاتے تھے۔ داخلے کے بعد ٹیچران کے ہمہ جہت ترقی کی سروگانگ وکاس کے لیے وہ سارے اقدامات کرتا تھا جو طالب علم کی مستقبل کو روشن کرے۔ اس عہد میں تعلیم کی ابتداء ادھین سے ہوتی تھی جس کا مطلب ہے قریب آنا، نزدیک آنا یعنی شیشہ گرو کا قرب حاصل

کرنا اس نظام تعلیم اور متعلم اور معلم ربط کی سب سے اہم بات تھی۔ استاد کی خدمات کرنا تعلیم کا اہم حصہ سمجھا جاتا تھا۔ گرو کی ذاتی ضرورتوں کا خیال رکھنا طالب علم کی ذمہ داری تھی۔ جیسے اس کے لیے پانی کا انتظام، مسواک کا انتظام، نہانے کا انتظام اور کپڑے دھونے کا انتظام کے ساتھ ساتھ کھانا تیار کرنے کا کام بھی اکثر طلباء کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ اس زمانے میں استاد

کی نافرمانی کو گناہ تصور کیا جاتا تھا اور اس کے لیے طالب علم کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

تعطیلات میں مذکورہ ذمہ داریاں تو نہیں ہوتی لیکن گھر سے آتے وقت شیشیہ گرو کے لیے تحفہ تحائف اور دیکشہ وغیرہ لانے، طلبا کے تعلیم کے اوقات الصبح شروع ہوتا جو مذہبی رسومات سے آغاز کیا جاتا اور شام کو ختم ہوتا جو ہوں کے رسم سے پورا ہوتا۔ اس پورے اوقات میں استاد طالب علموں کی پوری دیکھ بھال کرتا۔ بھیک مانگنا اپنی تعلیمی ضرورت اور اساتذہ کی ضرورت کے لیے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ معاشرے میں ان کی دل کھول کر مدد کی جاتی تھی۔ کیونکہ سماج میں اس کو قبولیت حاصل تھی اور یہ تصور کیا جاتا تھا کہ دروازے دروازے بھیک مانگنے سے بچوں میں انکساری اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ طلبا یہ سمجھتے کہ اس میں امیر و غریب طلبا کا کوئی امتیاز نہیں۔ اساتذہ تعلیم کی تکمیل تک طلبا کے ہر طرح کی دیکھ بھال اور علاج و معالجہ خیال رکھتے تھے اگر وہ بیمار ہو جائے، طلبا کے اخلاق و عادات کو سنوارنا، سماجی ذمہ داریوں کا احساس دلانا اور گرو کو دل میں سب کے ساتھ انسانی و ہمدردی کا برتاؤ کرنا سیکھایا جاتا تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد گرو اپنے شیشیہ کو گھر ہست آشرم شروع کرنے سے قبل ازدواجی زندگی، خاندانی روابط، سماجی فرائض وغیرہ کی تربیت اور تمہید کرتا تھا۔ طلبا کو اپنے اساتذہ کی رائے اور حکم فرماں کے مانند ہوتا تھا۔ اس کی حکم ادولی برداشت نہیں کی جاتی تھی۔ گرو کے سونے سے پہلے طلبا اس کے پاؤں دبانے، سردبانے اور پیر چھو کر آشرم والے لے کر تب سونے جاتے۔

نظم و ضبط (Discipline)

پورے ویدک/ برہمنی دور میں مذہبی تعلیم کا غلبہ تھا۔ مذہبی سرگرمیاں تعلیم کا اٹوٹ حصہ تھیں جس پر عمل کرنا فرض تصور کیا جاتا تھا اور ان پر برہمن چاری سختی سے عمل کرتے تھے۔ غیر اخلاقیات سرگرمیوں پر سزائیں دی جاتی تھیں۔ گرو کو دل کے ضابطوں پر عمل کرنا نہایت ضروری ہوتا تھا۔ استاد کا حکم بجالانا قانونی سمجھا جاتا تھا۔ گرو کو دل کے طلبا یعنی برہمن چاریوں کو جسمانی تعلقات کے افعال سے دور رہنے کے لیے ہدایتیں دی جاتی تھیں بلکہ سخت ہدایت تھی اور ان پر عمل درآمد کرایا جاتا تھا تاکہ ان میں مذہبی اقداری اور اخلاقی Values اور Identify پیدا ہو اور عالم انسانیت و قدرتی توازن اور قدرتی ماحول کی قدر دانی اور حفاظت سیکھائی جاتی تھی۔ جسمانی سزا سے بہت حد تک اجتناب کیا جاتا تھا تاہم ویدک دور کے کچھ زمانوں میں جسمانی سزائیں دینے کے حوا

لے ملتے ہیں۔ پورے برہمنی تعلیمی نظام مذہبی رسم و رواج کے زیر اثر تھا۔ چنانچہ حکومتیں بدلنے کے بعد بھی اور سیاسی تبدیلیوں کے بعد بھی ان رسم و رواج میں کوئی زیادہ تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور ان رسم و رواج کی پابندی کرنا طلبا کے لیے بے حد ضروری ہوتا تھا۔ نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لیے اپنن کی رسم سے لے کر تعلیم کی فراغت تک — گرو کو دل کے نظم و ضبط اور

قوانین کا احترام کرنا اور اس پر عمل درآمد کرنا نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔

تعلیمی اداروں کے اقسام (Types of Educational Institutions)

ابتدائی ویدک دور میں زیادہ تر تعلیمی ادارے آبادی سے دور قدرتی ماحول میں قائم کیے گئے۔ تاہم وسطی ویدک دور سے تعلیمی ادارے بڑے بڑے گاؤں کے کنارے، قصبوں کے کنارے یا پھر مذہبی مقامات سے متصل تعلیمی ادارے قائم کیے جانے لگے۔ آپ جان چکے ہیں کہ ویدک دور میں تعلیمی اداروں کی دو سطحیں ہوتی تھیں۔ ابتدائی تعلیم عام طور سے گھروں میں یا برہمنوں کے گھر پر جا کر حاصل کی جاتی تھی یا چھوٹے مٹھوں سے متصل شالاؤں میں حاصل کی جاتی تھی جبکہ اعلیٰ تعلیمی ادارے یعنی گروکول اعلیٰ تعلیم کی ذمہ داری نبھاتی تھی۔ یہ گروکول عام طور سے رہائشی ہوتے تھے اور طلباء کے رہنے، کھانے اور درس و تدریس کا انتظام ایک ہی چہار دیواری کے ہوتا تھا۔ ان گروکولوں میں Language & Literature، زبان و ادب، مذہبیات، فلسفہ، اقداری تعلیم دیا جاتا تھا جس کا نام کھٹیکا (Khatika) کہا جاتا تھا جبکہ کچھ مخصوص تعلیمی مضامین اس کے بعد فراہم کی جاتی تھی جسے چرنا (Charna) کہا جاتا تھا اور جب طالب علم فلسفہ، پوران، ویاکرن، اور علم سیاسیات کی تعلیم حاصل کر لیتا تھا تو اسے چتوسپتھی (Chatuspathi) کہتے تھے۔ تعلیم کے آغاز میں سبھی ورگ کے طلباء کو اپنہین، سنسکار کی سطح سے آغاز کرایا جاتا تھا۔ ویدک دور میں تعلیمی اداروں میں تعلیم کی سطحیں مختلف تھیں۔ اس کے لیے کوئی تحریری سند تو نہیں عطا کی جاتی بلکہ طلباء کی قابلیت ہی ان کی اسناد ہوتی تھی۔ 12 سالہ تعلیمی نصاب کے تکمیل کے بعد اسنا تک (Graduation)، 24 سالہ تعلیمی نصاب کے تکمیل کے بعد واسو (Vasu)، 36 سالہ تعلیمی نصاب کے تکمیل کے بعد رودرا (Rudra) اور تعلیم کے آخری مرحلے میں 48 سالہ تعلیمی نصاب کے تکمیل کے بعد طلباء کو آدتیہ (Aditya) کی اوپادھیاں پردان کی جاتی تھی۔ ویدک دور میں گروکولوں کے علاوہ کچھ تعلیمی ادارے رشی آشرم (Rishi Ashrams)، پریشدس (Parishads)، سمیلن (Sammelan) اور پر بھاجاریہ (Pravacharya) کے ذریعے بھی تعلیم و تربیت فراہم کی جاتی تھی۔

بدھسٹ نظام تعلیم کی خصوصیات:- اہداف تعلیم، نصاب تعلیم، تعلیم نسواں، طریقہ تدریس، معلم و معلم روابط اور نظم و ضبط

کے خصوصی حوالے سے

ویدک و برہمنی دور سے بدھ کا دور کا تعلیمی نظام یکسر مختلف تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ بدھ مذہب کی ابتدا ہی برہمن وادی کے

(Brahmanism) کے خلاف تھا۔ برہمنی دور میں چھوٹا چھوٹا، سماجی بھید بھاؤ، اعلیٰ ادنیٰ کی امتیازی سلوک، رسوم قیود اور تنگ

نظری کے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار سال تک پرانے سماجی نظام کی مخالفت، بدھ نظریہ میں کی گئی تھی۔ یہاں غریب، امیر، کالا، گورا، ادنیٰ و اعلیٰ بغیر کسی ذات پات کے تمیز کے سب یکساں تھے۔ بدھ کے مذہبی نظریے کے فروغ کے فوراً بعد ان کے تعلیمی نظریے کے فروغ کا سلسلہ شروع ہوا۔ بعض مورخین اور علماء اس بات سے بھی متفق ہیں کہ بدھ مذہب اور ان کا تعلیمی نظام شانہ بشانہ شروع ہوا۔ بدھ نظام تعلیم پانچویں صدی قبل مسیح میں آغاز ہوا۔ یہاں کا نظام تعلیم سماجی اور مذہبی دونوں لحاظ سے وہاں یا مٹھوں کے ارد گرد گھومتا ہے۔ بدھ نظام تعلیم کی ساری سرگرمیاں بدھ مذہب کی مرہون منت تھیں۔ گو کہ ان کی تعلیم کا ایک بڑا مقصد فرد کی شخصی و سماجی نشوونما بھی تھی۔ لیکن یہ نظریہ حیات بھی مذہب سے الگ نہیں تھا۔ یہاں بھی سنگھ یا اجتماعیت کی اپنی اہمیت تھی۔ فرد کو یہیں بدھ نظام تعلیم میں ابتدائی زانہ صرف بدھوں کے لیے مخصوص تھا۔ تاہم زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے نظام میں آفاقت پیدا ہوئی اور بلا تمیز مذہب و ملت سب کو ان کے تعلیمی اداروں میں داخلہ ملنے لگا اور رفتہ رفتہ سماج کے ہر طبقے کو تعلیم کے مواقع حاصل ہو گئے جو برہمنی دور میں ورنہ سسٹم کے قید میں تھے اب بدھ نظام تعلیم کا تعلق دنیاوی مقاصد اور دینی مقاصد دونوں کے لیے یکساں تھا۔ ہاں مگر تعلیم کا سارا انتظام بدھ بچپوں کے سپرد تھا۔

بدھ نظام تعلیم دو سطحوں پر مشتمل تھا۔ ابتدائی سطح اور اعلیٰ سطح۔ بدھوں کی نظام تعلیم میں سنگھ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ تعلیم کے انفرادی نظام کا تصور نہیں تھا۔ تعلیمی اداروں کے اخراجات راجاؤں اور امرا کے طرف سے برداشت کیے جاتے تھے اور اپنے علاقے کے مٹھوں اور وہاروں کے Patronage ہوتے تھے۔ ابتدائی تعلیم مفت تھا اور چھ (6) سے بارہ (12) سال کی عمر میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔ 12 سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے امتحان لیا جاتا تھا۔ اور پھر کامیاب طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے لیے نامزد کیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کا Duration (مدت)، 12 سے 20 سال یا 25 سال کا ہوتا تھا۔ اس تعلیم کے بعد وہ طلبا مذہبی تقاریر اور تبلیغ کا کام کرتے اور ایک Vikshu کے طور پر اپنے آپ کو متعارف کرائے جنہیں Lipsampada Sanskara کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ تعلیم 8 سال کی مدت پر مشتمل تھی۔ بدھوں کے یہاں تعلیم کا مطلب علم کا حصول تھا علم کی ضد نہیں۔ وہ علم کا حصول عام آدمی کی بھلائی کے لیے کرتے تھے جو ویدک ایجوکیشن سسٹم سے قدر مختلف تھا کیونکہ ان کے تعلیم کا مقصد صرف مخصوص طبقات کی بھلائی کا تھا۔ سماجی، ثقافتی اور تاریخی، تجدید ان کے حصول تعلیم کا مقصد ہوتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے 12 سالہ مدت میں زبان و قواعد، مذہبیات، علم نجوم، آیور وید فلسفہ کی تعلیم طلبا کو بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اس کے بعد کی مدت میں چند خصوصی تعلیم کے مضامین شامل کیے جاتے تھے۔ جس میں مختلف زبانوں پالی، ہراکرت اور سنسکرت زبان اس سے متعلق قواعد اور ادبیات شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فلکیات Cosmology قانونی معلومات اور چند مہارتیں جس میں Dyeing، Weaving، Spinning وغیرہ کے علاوہ چند پیشہ وارانہ کورسز مثلاً زراعت، گلہ بانی اور Agriculture، آیور وید، تجارت کے امور شامل ہوتے تھے۔

بدھوں کے نظام تعلیم میں بین مذاہب مطالعہ بھی شامل تھا۔ ان کا مذاہب سے متعلق نظریہ ویدک اور برہمنی دور کے نظریے

سے قطعی مختلف تھا۔ بین مذاہب مطالعہ میں ویدک مذہبی امور، مذہبی معاملات، منطق، فلسفہ اور علم نجوم، ایڈوانس آئیور وید، بدھ دور نے ہندوستان میں اس زمانے کے لحاظ سے ایک اعلیٰ نظام کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی۔ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے کئی ایسے مراکز تھے جہاں بیرونی ممالک سے طلباء اور محققین تعلیم و تحقیق کی غرض سے آتے تھے۔ چین، جاپان، کوریا، تبت، جوا، بلیشیا، انڈونیشیا اور بھوٹان وغیرہ ممالک کے طلباء اور ریسرچر خاص طور سے یہاں حصول تعلیم کے لیے آتے تھے۔ تعلیم کے میدان میں ٹیکسیلا، نالندہ، لہھی، وکرم شیلا، جیدنرا، چینیا پتی، جالندھر، متی پور، بجنور، بھدرا، ہریتا اور امراتتی وغیرہ ان کے اعلیٰ تعلیم کے معروف درسگاہیں تھیں۔

1.5.1 اہداف:-

بدھ نظام تعلیم کا اصل مقصد عام آدمی تک علم اور مذہبی معلومات بہم پہنچانا تھا۔ یہاں تعلیم شخصی اور محدود نہیں بلکہ سماجی اور لامحدود تھی۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ کسی ذات، خطہ، مذہب اور رنگ و نسل کا ہو ان کے نظام تعلیم میں تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ تعلیم جسمانی نشوونما و قومی نشوونما اور نفسی حرکی نشوونما کے علاوہ بقا، ہم اور انسانی تمدن کے ترویج کے لیے تھا۔ ان کے تعلیم کے اہداف میں شخصیت کی تشکیل پیشہ وارانہ مہارت کا فروغ، بدھ مذہب کی ترویج و تبلیغ وغیرہ خاص طور سے شامل تھے۔

1.5.2 نصاب تعلیم:-

آپ جان چکے ہیں کہ بدھی (بودھک) نظام تعلیم میں مرکزی حیثیت بدھ مذہب کی مذہبی تعلیم تھی۔ لیکن آگے چل کر اس کا دائرہ کار عوامی اور بین مذہبی ہو گیا۔ اس کا نصاب تعلیم دو سطحوں پر مشتمل تھا۔ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم۔ آپ جان چکے ہیں کہ تعلیم میں 6 سال کی عمر پر بچوں کو پہلے پہل داخلہ دیا جاتا تھا اور ان کے نصاب میں پڑھنا، سکھانا، لکھنا سکھانا کے علاوہ (پانچ) مختلف لسانی مہارتیں جو زبان و ادب سے متعلق تھی کہ علاوہ علم الدہیا، منطق، روحانیت وغیرہ کی تعلیم نصاب میں شامل تھی۔ ان جنرل، عمومی مضامین کے علاوہ بدھ مذہب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابتدائی سطح پر سماجی افادیت کے چند پیشہ وارانہ، اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں زبان و ادب (پالی)، سنسکرت، پراکرت اور اس کے گرامر، علم ال ادویا، علم حیوانیات و نباتات، زراعت، تجارتی علوم، زراعتی علوم، سیاسی علوم اور فائن آرٹس کے چند مضامین مثلاً بت تراشی، سنگ تراشی، مجسمہ سازی اور نکاشی و مصوری شامل تھے۔ اعلیٰ تعلیم کی سطح پر بدھ مذہب کے مخصوص تعلیم دی جاتی تھی۔ بین مذہبیات کے پس منظر میں ان کا موازنہ و مقابلہ کرنے کے غرض سے ہوتا تھا۔

تعلیم نسواں :-

ویدک و برہمنی نظام تعلیم کے پس منظر میں ابتدائی بدھ دور میں مٹھوں میں جانے اور سنگھ میں شامل ہونے پر عورتوں پر پابندی تھی۔ لیکن مہا پر جاتی جو مہا تما بدھ کے رشتہ کی ماں تھی اور نظم و ضبط کے ذمہ دار اند کے گزارش پر عورتوں کو سنگھ میں شامل ہونے اور مٹھوں میں جانے کی اجازت مل گئی اور مردوں کی طرح ہی ان پر بھی سنگھ کے رول ریگولیشن (ضابطہ اخلاق) کا نفاذ ہو گیا۔ وہاں اور مٹھوں میں خواتین کے لیے الگ سے تعلیمی اور مذہبی پروگراموں کے انتظامات کیے جانے لگے۔ بعد ازاں کچھ وہاں اور مٹھوں کی تعمیر و تشکیل صرف تعلیم نسواں کے لیے ہی کی گئی۔ بدھ دور میں لڑکیوں اور عورتوں کے لیے سنگھ کے قوانین کی پابندی کرنا دشواریوں بھرا تھا۔ تاہم پورے دور میں خواتین کی عمومی تعلیم نہ ہو سکی ہو لیکن بہت ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے باضابطہ تعلیم حاصل کی اور مردوں کے شانہ بشانہ تعلیم کے پھیلاؤ کا کام بھی کیا ان میں Vijayanaka، Sheelbhatta، Rani Pravavti Gupta، Rani Nayanika، Prabhudevi اور سنت مترا جو اشوک اعظم کی بہن تھی کے نام بطور خاص لیے جاسکتے ہیں۔ ویدک دور کے مقابلے میں محدود پیمانے پر ہی صحیح عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کے حقوق اور سہولیتیں حاصل تھی۔

طریقہ تدریس :-

ویدک دور کے مقابلے اور موازنے میں بدھ عہد کا طریقہ تعلیم، طرز تعلیم دونوں قدر مختلف اور زیادہ منظم نظر آتا ہے۔ ویدک دور میں زبانی تعلیم کا زیادہ چلن تھا۔ لکھنے پڑھنے کی کم گنجائش تھی۔ حالانکہ اخیر ویدک دور میں لکھنے کی روایت نے زور پکڑا اور رسم الخط میں کافی ترقی ہوئی۔ اس کے برعکس بدھ دور میں خانقاہوں، مٹھوں اور وہاں میں اساتذہ کے ارد گرد سینکڑوں کی تعداد میں طالب علم کا ہجوم لگتا رہتا تھا جو دور و نزدیک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ ادارے کے اساتذہ پر منحصر تھا کہ وہ اپنے درجے کے کتنے طلبا کا داخلہ کرے۔ وہ جتنے طلبا کو انفرادی اور اجتماعی توجہ دے کے پڑھا سکتا تھا اتنے طلبا کو اپنے درجہ میں داخل کرتا تھا۔ بدھ دور میں کئی تعلیمی ادارے آج کی بڑی یونیورسٹیوں کے مقابلے میں بھی بڑے تھے۔ ان میں اتنے بلند پایہ عالم و قابل اساتذہ تھے جو اپنی جماعت کی تعلیمات اور قواعد و ضوابط کی پابندی سختی سے کرتے تھے۔ مطالعہ و بحث و مباحثہ کے لیے انہیں دن کا بڑا حصہ بھی کم محسوس ہوتا تھا۔ چھوٹے بڑے عالم/اساتذہ اپنے طلبا کے تعلیمی مسائل کے حل کے لیے آپس

میں مشورے کرتے تھے اور طلبا کے شکوک کو دفع کرنے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھتے اور غور و فکر کرتے تھے۔ ممتاز، ذہین طلبا کے نام یونیورسٹی کے بلند دروازے پر اس لیے لکھے جاتے تھے تاکہ دیگر طلبا اس سے Inspire ہوں۔ نالندہ یونیورسٹی کے اساتذہ

کتب خانے کے بغیر کسی تعلیمی ادارے کو ناکمل اور بیکار سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مت کے مقدس نسخے اور دوسری مذہبی کتابوں کی نقلیں دور دور تک پہنچی (چین، تبت)، سنسکرت کی چار سو کتابوں جو کہ 5 لاکھ اشعار پر مشتمل تھے نقل کی گئی۔ اساتذہ کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ رہائش گاہ سے درجے تک آنے کے لیے انہیں پالکیاں مہیا کرائی جاتی تھی۔

بدھوں کے زمانے میں کئی ایسے تعلیمی مراکز نے ترقی پائی کے وہاں نہ صرف بدھ مت کی تعلیم ہوتی تھی بلکہ دور دراز علاقوں کے برہمن بھی اپنے بیٹوں کو وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔ تعلیمی اداروں کا انتظام بہت ہی منظم طریقے سے چلایا جاتا۔ بدھ اور راحت اساتذہ کے فرائض انجام دیتے اور اساتذہ میں سب سے قابل اور پاک باز شخص کو اس ادارے کا صدر بنایا جاتا تھا۔ الغرض بدھ عہد میں تعلیم کسی خاص فرقے، خطے، گروہ یا ذات تک محدود نہ تھی بلکہ ان درس گاہوں میں بغیر مذہب و ملت کے لحاظ کے کوئی بھی داخل ہو سکتا تھا۔ بہت سے تعلیمی اداروں میں مختلف زبانیں ذریعہ تعلیم تھی جس میں پالی، پراکرت، سنسکرت وغیرہ خاص ہیں۔

متعلم و معلم ربط :-

متعلم اور معلم ربط کے لحاظ سے ویدک اور بدھ عہد دونوں میں یکسانیت تھی۔ دونوں کے تعلیمی نظام میں اساتذہ کی عزت و تکریم سب سے اہم جز تھا۔ چونکہ تعلیم کی مرکزی حیثیت مذہب تھا۔ اس لیے مذہبی پیشوا سبھی منسب سے بڑا عالم اور باوقار شخصیت مانا جاتا تھا اور ہر طالب علم پر اس کی عزت کرنا واجب تھا۔ ویدک دور کے مقابلے میں بدھ دور کے اساتذہ اپنے طلباء کے تئیں زیادہ رحم دل اور Moderate حدت کے حامی تھے۔ متعلم و معلم کا ربط اتنا گہرا و مضبوط و پاکیزہ تھا کہ دیگر ممالک کے مورخین نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کی مثالیں پیش کی ہے۔ یہاں طلباء اور اساتذہ ایک دوسرے کے لیے Devoted تھے اور اگر کبھی کوئی مسئلہ تعلیمی ادارے

میں پیدا ہوتا تو اسے متعلم اور معلم خود ہی حل کر لیتے تھے۔ مٹھوں و ہاروں اور خانقاہوں کے درمیان آپسی تال میل کی وجہ سے طلباء پر اس کا مثبت اثر پڑتا تھا۔ بدھ عہد کے تعلیمی نظام میں آٹھ سال تعلیم جو بدھ بچوں کے لیے مقرر تھی اس میں اساتذہ اور طلباء کے رشتے اور مضبوط ہو جاتے تھے۔ کیونکہ تعلیم و تربیت کا یہ حصہ بدھ فلسفہ اور بقاء انسانیت کے فلسفے پر محیط تھا۔ اساتذہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ طلباء کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ان کی ہر سرگرمیوں، عادات اطوار پر گہری نظر رکھتے تھے۔ طلباء صبح اپنے اساتذہ کے لیے داتوں، نہانے کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کرتے تھے اور مٹھوں و ہاروں میں منعقد کیے جانے والے پروگراموں اور سرگرمیوں کے انتظام میں اپنے ساتھ اساتذہ کو خاطر خواہ مدد کرتے تھے۔

نظم و ضبط (Discipline)

چونکہ بدھ نظام تعلیم کی بنیاد مذہبی عقیدے پے رکھی گئی تھی اس لیے نظم و ضبط کے لحاظ سے اساتذہ اور طلباء دونوں کو ان قوانین کی پابندی کرنا لازمی تھا۔ عام طور سے سنگھ کے عائد کردہ ضابطے جسے دس سکھ ہدائی کہتے ہیں اس کا انوپالن، کرنا لازمی تھا۔ وہ دس ضابطے تھے محرم تشدد، اعلیٰ کردار، سچ بولنا، بے وقت کھانے سے احتراض، آرام و آسائش سے الگ رہنا، رقص و موسیقی سے الگ رہنا، نشہ آور چیزوں سے دور رہنا، چغلی وغیبت سے بچنا اور صدقہ و خیرات میں مہنگی چیزیں لینے سے بچنا۔

ان عام بدھی اصولوں اور ضابطوں جو عام طلباء کے لیے بنائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بودھ بھیکو طلباء کے لیے مزید آٹھ ضابطوں کی پابندی کرنا لازمی تھے۔ جن میں درخت کے نیچے زندگی بسر کرنا، سادہ کپڑا پہننا، اپنے سے اپنا کھانا تیار کرنا، گائے کے پیشاب کو میڈیسن کے لیے خود جمع کرنا، عیش و عشرت سے بچنا، چوری نہیں کرنا، عدم تشدد اپنانا اور راج گدی کا عویٰ نہ کرنا۔ مذکورہ دس اور آٹھ ایسے ضابطے اور قوانین ہیں جن کی پابندی ہر طالب علم کو اپنے اپنے تعلیمی سطح کے مطابق اپنانا لازمی قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بودھوں کے معاشرتی زندگی میں بھی تشدد اور غیر اخلاقی کام کم سے کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سنگھ کے بنائے ہوئے ضابطے اور قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مٹھوں اور وہاروں سے نکال دیا جاتا تھا۔

بدھسٹ نظام میں تعلیمی ترقی :-

بدھ دور کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کے طرح صاف ہو جاتی ہے کہ اس وقت تک جتنی تعلیمی ترقی ہندوستان کے مختلف خطوں میں ہو چکی تھی اتنی ترقی دنیا کے کسی خطے میں نہیں ہوئی تھی۔ تعلیمی اداروں نے باقاعدہ منظم ڈھنگ سے ایسی زمانے میں اکیڈمک کام کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے پہلے تعلیم کا انتظام تو تھا لیکن خالص مذہبی امور کی انتظام دہی کے لیے تعلیمی ادارے بدھ خانقاہوں کا اٹوٹ حصہ تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماجی اور تعلیمی مراکز بھی ان درسگاہوں میں جدید تعلیمی نظام کی طرح اساتذہ تک اور طلباء قیام پذیر ہوتے تھے۔ بدھوں کے زمانے میں ایک سطح سے دوسری سطح کے تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ ٹیسٹ کا نظام پہلے پہل رائج ہوا۔ اسی دور میں مذہبی اور معاشرتی ترقی کے لیے الگ الگ مضامین کی تعلیم شروع ہوئی۔ یہی دور تھا کہ بغیر مذہب و ملت کے، رنگ و نسل کے امیر غریب کے سب کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع دیے گئے۔ بدھسٹ دور کی تعلیمی ترقی اور انتظام کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان یا دنیا میں پہلی بار ابتدائی تعلیم کو مفت کیا گیا۔ تعلیمی اہداف کے حصول کے لیے نظم و ضبط اور اقدار کے ایسے اصول تیار کیے گئے جو کسی نہ کسی صورت میں آج بھی تعلیمی ادارے کی رہنمائی

کر رہے ہیں۔ یہی دور تھا جب خواتین تعلیم کا باضابطہ آغاز ہوا اور کمرہ جماعت اور Self Study کے طریقے اپنائے گئے۔ طلباء، اساتذہ اور انتظامیہ کا الگ تصور اور کورٹی نیشن پوری طرح سے وجود میں آیا۔ عوامی تعلیم کا آغاز اسی دور کی دین ہے۔ بدھ دور کی ایک خوبی یہ ہے کہ ویدک دور کی تعلیم میں جن پیشہ وارانہ اور مہارتی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا تھا اس کو کوئی محاذ پر

آرٹس، اسکولس، بھوکیشن اور ادبیا کے میدان میں ترقی ملی۔ کل ملا کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جدید ہندوستان کی تعلیم کی ترقی کی باقاعدہ بنیاد بدھ دور میں پڑی۔ بدھ دور کے تعلیمی انتظام کا اندازہ ان کے بڑے چھوٹے تعلیمی اداروں اور جامعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ چند معروف جامعات کا تذکرہ ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے:

تیکشیل: - موجودہ راولپنڈی (پاکستان) شہر سے تقریباً 35 کیلومیٹر مغرب میں اس کا قیام ہوا تھا جو کندھار دور حکومت کے زیر انتظام تھا۔ یہ تعلیمی ادارہ ویدک زمانے میں بھی معروف تھا جسے بدھ عہد میں بہت زیادہ شہرت اور ترقی ملی۔ اس یونیورسٹی کی شہرت اس کے لاتعداد وہاروں، ہاسٹلس اور کتب خانے کی وجہ سے ہے۔ اعلیٰ مذہبی رہنما، مونک، بھیکو اس کا سربراہ یا وائس چانسلر ہوتا تھا۔ 16 سال کی عمر میں طلبا اس کے داخلے

کے امتحان میں شریک ہو سکتے تھے اور داخلہ فیس موجودہ ایک ہزار (1000) روپے تھا۔ اگر کوئی طالب علم فیس جمع کرنے سے معذور ہوتا تو طلبا/طالب علم کو داخلے سے نہیں روکا جاتا بلکہ ان کے بدلے اسے یونیورسٹی کے کچھ کام کرنے پڑتے۔ آپ نے بدھ دور کے تعلیمی نصاب کے متعلق معلومات حاصل کر لی ہے یہی تعلیمی نصاب یہاں نافذ العمل تھا۔

نالندہ: - Heiun Tsang چینی سیاح نے موجودہ بہار ریاست کے جنوب میں 40 میل دور نالندہ میں ایک شہرہ آفاق تعلیم گاہ کی تفصیل بتائی ہے۔ مہاتما بدھ کے بہت قریبی آور بدھ مذہب کے نہایت اہم رکن Saripita کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے یہ جگہ پہلے سے ہی مشہور تھی۔ شہنشاہ اشوک نے وہاں ایک وہار تعمیر کرایا جو تعلیمی مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد نے گپت شہنشاہوں نے نالندہ یونیورسٹی کی بہت سرپرستی کی اور یہ تعلیمی ادارہ تیزی سے ترقی کیا۔ بدھوں کی سب سے بڑی یونیورسٹی کو فروغ دینے میں اس عہد کے شہنشاہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ساز و سامان اور جاگیریں مہیا کرائیں۔ کئی گپت راجاؤں نے اس عظیم بدھ تعلیمی مرکز میں مزید وہار اور خانقاہیں بنوائیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ گیارہویں صدی تک یہ تعلیمی ادارہ ترقی کرتا رہا۔ یونیورسٹی کا احاطہ ایک میل لمبا اور آدھا میل چوڑا تھا۔ جس میں متعدد خانقاہیں اور استوپ منصوبہ بند طریقے سے قائم کئے گئے تھے۔ مرکزی کالج سے ملحق سات (7) ہال تھے اس کے علاوہ کمرہ جماعت کے لیے تین سو (300) چھوٹے بڑے کمرے تھے۔ کئی منزلہ عمارتیں اس کیمپس میں بنائی گئی تھی۔ یونیورسٹی میں کئی شفاف اور گہرے پانی کے تالاب تھے۔ اس پورے کیمپس کے ارد گرد چہار دیواری بنائی گئی تھی۔ آثار قدیمہ کے کھدائی کے بعد تیرہ (13) ایسی خانقاہوں کا پتہ چلا ہے جن میں طلبا کے لیے قیام کا انتظام تھا اور یہ کم از کم دو منزلہ تھی۔ ان میں کئی کئی کمرے بنے تھے۔ ہر کمرہ میں دو طالب علم قیام کرتے

تھے اور کمروں میں پتھر کے تخت کے علاوہ کتابیں اور چراغ رکھنے کے لیے طاق موجود تھے۔ یونیورسٹی کی وقف جاگیر دو سو گاؤں پر مشتمل تھی جن کی آمدنی سے طلبا کی تعلیمی ضرورتیں پوری کی جاتی تھی۔ اس عظیم ادارے کے متعلق مشہور مورخ U.N. Chang نے لکھا ہے کہ اس نظام تعلیم میں کئی ہزار اراکین تھے جو سب کے سب بڑے قابل اور بلند پایہ شہرت یافتہ عالم اور مفکر

تھے۔ اس تعلیمی ادارے کے سربراہ اور علم و فضل میں عالمی پیمانے کے معیار رکھتے تھے۔ اپنے دلائل، تفاسیر اور رسائل کی تصنیف کے لیے معروف تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ کوئی بھی تعلیمی ادارہ

کتب خانہ کے بغیر نامکمل ہے۔ A.S. Altekol نے ایک استاد کی نگرانی میں 9 طلباء کے تعلیم حاصل کرنے کی بات کہی ہے۔ اساتذہ کی عزت و توقیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے جانے کے لیے پاکلیاں مہیا کرائی جاتی تھی۔ ایک اور مورخ I. Sung نے لکھا ہے کہ ”میں بہت خوش ہوں کہ مجھے ذاتی طور سے تحصیل علم کا موقع حاصل ہوا اور نہ یہ علم مجھے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔“

و کرم شیلا :- پال دور حکومت میں دھرم پال بادشاہ جس کا عہدہ 770ء سے 810ء ہے نے اس کو قائم کیا تھا۔ یہ مگدھ خطے میں گنگاندی کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ یہاں کے اساتذہ اعلیٰ پیمانے کے عالم تھے۔ بتی تاریخی ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ مذہب کی بہت سی کتابوں کا بتی میں ترجمہ اسی مرکز میں ہوا تھا۔ اس نظم و نسق ایک ایگزیکٹیو کے ذمہ تھے۔ یہاں بھی داخلہ کے لیے داخلہ کا امتحان پاس کرنا ضروری ہوتا تھا۔ اس تعلیمی نصاب میں بدھ مذہبیات، فلسفہ، منطق، ویدک مذاہب کی کتابیں، کرم کا نڈ، تلنزی ویدیا، علم سیاسیات اور مختلف زبان و لسان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک سو آٹھ (108) بدھی مونکس کے ذریعے یہاں کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کی انجام دہی ہوتی تھی۔ یہ مونگ بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اس زمانے میں یہاں طلباء کی تعداد 3000 بتائی گئی ہے۔ یہ طلباء نے بھی سادہ زندگی گزارنے کا فن اپنے اساتذہ سے سیکھا تھا۔

دیگر تعلیمی مراکز :- مذکورہ تینوں عالمی شہرت یافتہ جامعات ٹیکشیل، نالندہ اور وکرم شیلا کے علاوہ بدھ عہد میں مختلف خطوں میں متعدد تعلیمی ادارے قائم کئے گئے تھے جن میں ساتویں صدی عیسوی کا مشہور بدھ تعلیمی مرکز و لھی تھا جو کاٹھیوار کے قریب واقع تھا۔ اس کے علاوہ متعدد بدھ خانقاہیں اور تعلیمی مراکز جیندرا (کشمیر)، چیناپتی (پنجاب)، متی پور (U.P)، قنوج (U.P)، ہرینہ (U.P) امراتی کے علاوہ بہار اور بنگال کے متعدد علاقوں میں خانقاہیں و تعلیمی مراکز قائم تھے۔

2.2 عہد وسطیٰ میں تعلیم (Education during Medieval)

پورے مسلم عہد کو دو بڑے دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک کو ہم دہلی سلطنت کے نام سے جانتے ہیں اور دوسرے کو مغلیہ سلطنت کے نام سے دہلی سلطنت سے قبل ہی مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ان کا مذہبی تعلیم کا نقطہ نظر ہندوستان میں فروغ ہونے لگا تھا۔ جس میں وحدانیت کا تصور سب سے اولیت کا حامل ہے اور ہندوستانی معاشرے میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں ایک سے زیادہ خدا کو ماننے کا چلن عام تھا۔ دوسرا اہم نقطہ اسلامی تعلیمات کا اسوئے

حسنی یا سیرت نبی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ان دو اہم نکات نے ہندوستانی مذہبی تعلیمات پر گہرا اثر قائم کیا یعنی قادر مطلق جس کے مطابق سبھی انسان ایک جیسے اور برابر ہیں اور ان میں رنگ، نسل، یا خطوں اور جنس کے لحاظ سے کوئی بڑا چھوٹا یا ادنیٰ اور اعلیٰ نہیں بلکہ اپنے افعال و کردار اور علمی برتری کی وجہ سے انسانی اقدار کا تعین ممکن تھا۔

زبان کی تدریس اور ذریعہ تعلیم کے لحاظ سے سلطنت دور پر عربی زبان کا تسلط قائم رہا جبکہ مغلیہ دور میں فارسی ذریعہ تعلیم رہی تعلیمی اداروں کی تین سطحیں تھیں۔ پہلی سطح پر وہ مکاتب تھے جو عام طور سے مساجد سے ملحق تھے اور ان میں ابتدائی دینیات اور عربی، فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسلم دور حکومت میں مدارس ثانوی تعلیم کے لیے مختص تھے یعنی ابتدائی تعلیم کے بعد کی تعلیم ان مدارس میں دی جاتی تھی جس میں عربی، فارسی کے علاوہ بعض مدارس میں ہندوستانی زبانیں اور ریاضی، سماجی علوم، دینیات اور قضا کی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض بڑے شہروں میں تعلیم کے اعلیٰ مراکز قائم تھے جن میں دینیات، ادبیات، فقہ، احادیث، علم نجوم، فلکیات، علم طب، علم ریاضی اور بعض مدارس میں، جنگی ساز و سامان تیار کرنے کے فن اور مہارت پر مبنی تعلیم اور باغبانی سے متعلق مہارتیں شامل تھیں۔

اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات: نصاب تعلیم، طریقہ تعلیم، معلم اور معلم کا ربط اور نظم و ضبط کے خصوصی حوالے سے

اسلامی نظام تعلیم کی اہم خصوصیات میں جو سب سے دیر پا ثابت ہونے والی بات تھی وہ اسلامی تمدن کا ہندوستانی سماج پر اثر اور ہندوستانی رسم و رواج کا مسلمانوں پر اثر اولین فاتحین نے ہندوستانی تمدن اور طرز تعلیم کو اپنانے میں عار نہیں سمجھا اور یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر انڈو اسلامک Indo Islamic کلچر کا فروغ ہوا۔ آپ جانتے ہیں کہ سلطنت دور کے سبھی خاندان غلام، خلجی، تغلق، سید اور لودھی سبھی نے اسلامی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش تو کی لیکن یہاں کی تعلیم و تمدن کا اثر بھی قبول کیا۔ اسلامی تعلیم یہاں کے والدین کے لیے ان کے بچوں کو سب سے بڑا تحفہ تھا جو مساوات کا درس دیتا تھا اور مسلمانوں کو اس حدیث پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا تعلیم حاصل کرو چاہے۔ ”چین جانا پڑے“ چنانچہ اس نقطہ نظر کی وجہ سے مسلمانوں نے مقامی تعلیم، صنعت و حرفت اور مہارتوں کا خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ مغلیہ سلطنت تک آتے آتے ایک نئی ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب نے جنم لیا۔ اردو زبان اسی کی دین ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے ہی جہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور متمدن طبقہ سے عربی اور فارسی زبان میں زبان میں مہارت حاصل کرنے حکومت کے اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل کی۔ مسلمانوں نے بغیر تفریق مذہب و ملت کے تعلیم و تربیت کو ترجیح دی اور مقامی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اولین سلطان محمد غور نے اجمیر میں مساجد کے ساتھ ساتھ اسکول بھی قائم کیے اور اس کے جانشین قطب الدین ایبک، التمش، رضیہ، بلبن وغیرہ سبھی نے مساجد کے ساتھ ساتھ، مکتب اور مدرسوں کی تعمیر کرائے۔ تعلیم کو عام کرنے

میں فیروز شاہ تغلق نے ہم کردار نبھایا۔ اس نے دلی میں ایک بڑے خطہ ارض پر ایک وسیع و عریض عمارت تعمیر کی جو ایک طرف باغوں اور دوسری طرف صاف شفاف پانی کی جھیل نے گھیری ہوئی تھی۔ یہاں سیکڑوں بچوں کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ معروف مورخ N. N. Law نے اس اسکول کو سرکاری امداد اور بچوں کو وظیفہ دینے کی بات کہا ہے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں ہندوں نے عربی، فارسی پڑھنا شروع کیا اور خاص تعداد میں سرکاری انتظامیہ میں بھرتی ہوئے۔ یہ سلسلہ مغل شہنشاہوں تک جاری رہا۔ مغل شہنشاہ اکبر کے فرمان کے مطابق ہندوستان کی بہت سی مذہبی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا۔ جس میں مہا بھارت، رامین، اتھروید اور لیلاوتی قابل ذکر ہیں۔ ابوالفضل فیضی نے آئین اکبری میں تعلیمی تکنیک کے بارے میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں ”حرف تہجی پڑھنے میں بچوں کو مدت درکار ہوتی تھی۔ شہنشاہ اکبر نے اس پر روک لگائی اور یہ حکم صادر کیا کہ طلباء کو مختلف طریقوں اور تکنیکوں سے اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ کسی بھی ایک حرف کو صرف دو دن کے اندر مکمل کر لے۔ مغلیہ سلطنت کے دور میں زبان کی تعلیم کے علاوہ Value Education (اقدار کی تعلیم) ریاضی، زراعت، طب، منطق و فلسفہ پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ مغل شہنشاہ جہانگیر نے تعلیم کی ترویج کے لیے ایک قانون وضع کیا تھا جس کے مطابق کسی بھی لاوارث یا مالدار و مسافر کی موت کے بعد اس کی جائداد اسکولوں اور مساجد کی مرمت پر خرچ کی جائیگی۔ اسی کے زمانے میں دلی اور اطراف میں کئی مدارس اور مکاتب تعمیر کئے گئے۔ شاہجہاں نے دلی جامع مسجد کے قریب ایک جامعہ کی تعمیر کرائی تھی۔

نصاب تعلیم

پورے وسطی عہد میں تینوں سطحوں کے تعلیمی اداروں میں بعض مضامین Fix اور بعض مضامین چکدار رکھے گئے تھے۔ نصاب کو مذہبی اور غیر مذہبی یعنی دینی اور غیر دینی مضامین میں منقسم کیا گیا تھا اور اسے مکمل کرنے کا وقفہ 12 سال تھا۔ غیر مذہبی تعلیم میں عربی گرامر، عربی نثر، انشا پر دازی، ادب، منطق، فلسفہ، قانون، علم نجوم، تاریخ، جغرافیہ، علم طب، فلکیات اور زراعت کے علوم شامل تھے۔ بعض جگہوں پر جنگی تربیت اور جنگی ساز و سامان تیار کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مذہبی تعلیم میں قرآن مجید اس کے شرح و معنی، سیرت نبی، سنت و فقہ اسلامی قوانین اور صوفیا کرام کے اقوال اس زمانے میں عربی اور فارسی کو نصاب کا ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔ تاہم اورنگ زیب کے زمانے میں جن طلباء کو ان زبانوں کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے میں دقت (مشکلات) پیش آئی تھی انہیں ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت تھی۔ نصابات میں سرکاری زبان فارسی کے ساتھ ساتھ عربی و سنسکرت اور بعض علاقائی زبان پر اکر ت بھی سیکھنے کی چھوٹ تھی۔ اکبر نے زمانے میں ہندوں کے لیے خاص مدارس قائم کئے گئے تھے جن میں اسلامی مذہبی تعلیم کی بجائے ہندو مذاہب، وید، فلسفہ اور ادب کی تعلیم دی جاتی تھی آئین

اکبری میں ابوالفضل کا بیان ہے کہ نصاب کے مطابق ہر طالب علم کو چاہیے کہ ریاضی، زراعت، پیمائش، جیومیٹری، علم نجوم، منطق، گھریلو معاملات، سرکاری قوانین، علم طب اور تاریخ کا بتدریج علم حاصل کرے۔

طریقہ تدریس: (Methods of Teaching)

آپ جان چکے ہیں کہ عہد وسطیٰ کے تعلیمی نظام میں تین سطحوں پر تعلیم کا انتظام تھا۔ مکاتب، مدارس اور جامعات مکاتب میں طلباء کو حرف تہجی، زبان کی عام معلومات، قواعد، عمومی ریاضی، ابتدائی دینیات، ناظرہ قرآن اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مضامین کی تدریس کے لیے اساتذہ تدریس کی مختلف طریقے اور تکنک استعمال کرتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید اور گرامر کے لیے حفظ یا Memorisation کا طریقہ استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ زبان کی دیگر مہارتوں کے فروغ کے لیے مثلاً (سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا اور تفہیم) نقل نویسی، املا نویسی اور ہوم ورک کا طریقہ استعمال کیا جاتا تھا۔ ثانوی سطح کے (درجات) کی تدریس میں جہاں زبان و ادب منطق و فلسفہ اور حدیث و فقہ کے علاوہ مجسمہ سازی، بت تراشی، پینٹنگ عمارت سازی، سنگ تراشی اور علم باغبانی کے لیے نظری علوم کے ساتھ ساتھ تجرباتی اور مشقی سیشن کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ اساتذہ ان علوم کی تدریس کے لیے Imitation، مشقی، تقریری اور مظاہراتی اور تجرباتی Modes استعمال کرتے تھے۔ بعض بڑے مدارس میں منطق و فلسفہ اور فقہ کی تعلیم کے لیے ذاتی مطالعہ کے ساتھ ساتھ ردارالمطالعہ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں قابل ذکر ہے کہ بعض سلاطین و امرا بھی ذاتی مطالعہ کا شوق رکھتے تھے اور انہوں نے بہت سی یادداشتیں، ڈائریاں، روزنامے، احوال نامے اور تزک تحریر کئے ہیں جو ان کے ذاتی مطالعہ کے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مشہور مغل شہنشاہ ہمایوں اپنی لائبریری میں مطالعہ کے بعد پھسل کر گرنے سے انتقال کر گیا تھا۔ دور وسطیٰ میں خصوصیت کے ساتھ تاریخ نویسی، دستاویز نویسی کا عام رواج تھا۔ جن کے ذریعے اس عہد کی بیشتر معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔ دور حاضر میں اساتذہ کی اور مختلف ماہرین کی تربیت کا جس طرح سے خالص ٹریننگ انسٹیٹیوٹ (Institute) کے ذریعے انتظام کیا جاتا ہے دور وسطیٰ میں اس طرح کا باضابطہ انتظام نہیں تھا۔ بلکہ فارغین کچھ دنوں تک جس کی مدت طے شدہ نہیں تھی اپنے سینئر (Senior) اور قابل اساتذہ کی زیر نگرانی ان علوم کا (Field experience) اور تجرباتی تربیت حاصل کرتے تھے۔ اس کی مثال اساتذہ کی تربیت، جنگی مہارت کی تربیت، انتظامی مہارت کی تربیت، شہ سواری اور محل کے انتظامی امور شامل تھے۔

متعلم اور معلم کے درمیان رشتہ (Relationship between Teacher & Students)

عام طور سے متعلم اور معلم کا تعلق ہندوستان کے ہندو عہد سے متاثر تھا۔ جس دور میں گروکولوں میں، گرو اور ششیشیہ کا ربط

جس طرح تھا عہد و سہمی میں بھی بہت حد تک اس کا عکس دیکھنے کو ملتا ہے۔ استاد کی عزت، اس کا حکم طلبا کے لیے کسی طے شدہ قانون سے کم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد و سہمی میں بعض اساتذہ نے اپنے طلبا کی اس قدر تعلیم و تربیت میں دلچسپی لی کہ بعد میں وہ شہرہ عالم اساتذہ، مفکر، منظم صلاح کار اور تاریخ داں بن کر ابھرے۔ تعلیم کی تینوں سطحوں پر یہی رواج عام تھا چھوٹے مکاتب اور مدارس سے طلبا بڑے مدرسے اور جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جب لے جائے جاتے تو والدین کے ساتھ ساتھ، ڈسپلن کے تعین اور طلبا کی کریکٹر سے متعلق اساتذہ سے اسناد قابل قبول ہوتے تھے۔ ان اسناد کے بغیر داخلہ مشکل ہوتا تھا۔ چھوٹے مدارس مکاتب اور تعلیم گاہوں سے جب بڑے مدارس اور جامعات میں طلبا کا داخلہ ہوتا تو اساتذہ کی سفارشیں اپنے طلبا کے لیے قابل قبول ہیں۔ ان باتوں کا بھی بعض جگہ عہد و سہمی کی تاریخ میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ بعض مہارت اور علوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ کے ذریعے اسناد جاری کئے جاتے تھے۔ ان مذکورہ حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہد و سہمی میں معلم اور متعلم کا ربط بہت ہی گہرا اور بعض دفعہ اولاد اور والدین کا ساتھ تھا۔

نظم و ضبط Discipline

دور قدیم کے تعلیمی انتظام کا کچھ پرتو Reflection عہد و سہمی کے تعلیمی نظام میں بھی ملتا ہے۔ جس طرح گرو کول سسٹم نے علم، تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ روزانہ کے اخراجات کے لیے Bhiksha کا بھی چلن عام تھا اور شاگرد کے ذمہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا اور شاگرد کے کھانے پینے کا انتظام Bhiksha کے ذریعے کرنا ہوتا تھا اس طرح تو عہد و سہمی میں نہیں تھا۔ کیونکہ عہد و سہمی کے اکثر تعلیمی اداروں خواہ وہ مسلمانوں کا ہو یہ ہندوؤں اور بدھوں کا سب کے لیے عطیات (جاگیریں) دیے گئے تھے و اس علاقے کے امرا کو یہ ہدایتیں تھیں کہ وہ اپنے علاقے کے تعلیمی اداروں کے طلبا اور اساتذہ کے اخراجات کے لیے عطیات مہیا کرانیں۔ اس کے علاوہ شریعت کے مطابق زکات کا بیشتر حصہ یتیم و نادار طلبا کے حصول علم کے لیے مخصوص تھا۔ اس وجہ سے دور و سہمی میں طلبا بھیک مانگنے یا Bhiksha System سے بہت حد تک آزاد تھے۔ مدارس کے نظم و ضبط پر مقامی اور ریاستی کنٹرول بہت کم تھا۔ مقامی انتظامیہ اپنی کمیٹی کے ذریعے اس کا انتظام سنبھالتی تھی اور نظم و ضبط کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ بعض بڑے مدارس کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور ان کے نام بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں ان اداروں کے طالب علموں کی رہائش کا انتظام بھی انہی مدارس کے کمپس میں ہوتا تھا۔ عام طور پر یہ ہاسٹل غیر سرکاری ادارے یا عوامی انتظامیہ چلاتی تھی۔ بہت کم جگہوں پر سرکاری ہاسٹل کا انتظام تھا۔ نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے طلبا اور اساتذہ کے لیے انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے کئی طرح کے قوانین و ضوابط کا نفاذ عمل میں لایا جاتا تھا۔ استاد کی تحریری اجازت کے بغیر کسی طالب علم کو ادارہ چھوڑنے یا باہر گھومنے حتیٰ کے گھر لے جانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ گویا مدارس اور جامعات میں کچھ رہنما

اصولوں کی وجہ سے عمومی طور پر پورے عہد وسطیٰ میں نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

تعلیم کی ہمہ گیریت اور اسلامی تعلیم Universalization of Education & Islamic

Education

آپ یہ جان چکے ہیں کہ دور قدیم میں مخصوص طبقات کو ہی تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل تھا۔ ورنہ سسٹم کے مطابق

برہمن کو تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کا حق حاصل تھا۔ جبکہ سماج کے دوسری اعلیٰ ذات یا طبقہ کو کچھ حد تک تعلیم اور جنگی تربیت دینے کا چلن عام تھا۔ اس کے برعکس عہد وسطیٰ میں بغیر رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے سبھی لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں عہد قدیم کے مقابلے طلبا کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔ یہی نہیں لڑکوں کے ساتھ ساتھ بعض شہروں میں لڑکیوں کے مکاتب و مدارس بھی قائم تھے۔

آپ جان چکے ہیں کہ تعلیم کی ابتداء رسم ”بسم اللہ“ سے ہوتی تھی اور اس کے لیے کوئی ذات برداری یا طبقہ مخصوص نہیں تھا۔ عہد وسطیٰ کے حکمرانوں نے پہلے سے قائم شدہ قدیمی درسگاہوں، مٹھوں، خانقاہوں میں جاری تعلیم کو جاری رکھا۔ تعلیم کی ہمہ گیری کی ایک اہم وجہ صوفیا اور اولیا کی درگاہیں تھیں جہاں بغیر کسی مذہب و ملت کے تفریق کے سب کو ان سے علم حاصل کرنے اور روحانی فیض پانے کا حق حاصل تھا۔ Universalization of Education کی وجہ سے ہی عہد وسطیٰ کے تقریباً تمام طبقے جس میں غریب و امیر شہری و دیہی اور ہندو و مسلم نے اپنی ذہانت کے مطابق تعلیم حاصل کیا اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز بھی ہوئے ابوالفضل فیضی نے آئین اکبری میں لکھا ہے ”ہر لڑکے کو چاہیے کہ اخلاقیات، ریاضی، زراعت، پیمائش، جیومیٹری، نجوم، فقہ، گھریلو معمولات سرکاری قوانین، طب فلسفہ منطق اور تاریخ کی کتابیں پڑھے۔ یہیں نہیں غیر مسلموں کو ان کی مذہبی زبان سنسکرت کے لیے دیا کرنا، نیایہ ویدانت وغیرہ موجودہ ضرورتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔“

تعلیم کی ہمہ گیریت کے لیے خاص طور سے مغلیہ شہنشاہوں نے اپنے سرکاری خزانے میں رقم جمع کرانے کا حکم دیا تھا۔ جو بغیر کسی تعصب کے مدرسوں، مٹھوں، مکتبوں اور بدھ خانقاہوں کو مدد کرتے تھے تعلیم کی ہمہ گیریت کے لیے چھوٹے تعلیمی اداروں کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں تینوں سطحوں کے تعلیمی ادارے قائم تھے۔ ان میں بڑے ادارے دلی، آگرہ، لاہور، جونپور، اجمیر، بیدر، لکھنؤ، ملتان، فیروز آباد، جالندھر اور بیجاپور وغیرہ میں قائم کیے گئے تھے جہاں ثانوی تعلیم مکمل کر کے طلبا اعلیٰ تعلیم کے لیے داخل ہوتے تھے۔ سلطنت دور حکومت سے لیکر مغل شہنشاہیت تک کے تعلیم کو عام کرنے کے لیے بہت سے تعلیمی و تمدنی مراکز قائم کیے۔ مثلاً نصیر الدین نے مدرسہ نصیریہ، دلی میں قائم کیا۔ خلیجوں کے دور میں 143 اعلیٰ پایہ کے علماء مدارس میں دین و قانون

کی تعلیم دینے کے لیے مامور کیے گئے۔ فیروز تغلق کے زمانے میں ہی تعلیم کے میدان میں مزید ترقی ہوئی اور 30 نئے مدارس کھولے گئے اور متعدد پرانے مدرسوں کی از سر نو تشکیل اور مرمت ہوئی۔ غازی الدین نے ایک نہایت ہی عمدہ مدرسہ بنوایا۔ شرتی بادشاہوں نے جو پنور اور اس کے اطراف میں چھوٹے بڑے بہت سے مدرسے قائم کیے اور قابل طالب علموں کو مزید تعلیم کے لیے وظیفہ اور جاگریں عطا کیں جو آگے چل کر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری نے جو پنور میں ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ جو پنور تاریخ، فلسفہ، سیاست کی تعلیم کے علاوہ فوجی تربیت مختلف دستکاری اور فن تعمیر کی

تربیت کے لیے صدیوں مشہور رہا۔ گوکہ مغلیہ سلطنت کے زوال پذیر ہونے کے بعد مختلف حملہ آوروں نے بڑے بڑے مدارس مکاتب اور مٹھوں کو بھی اپنا نشانہ بنایا لیکن اب بھی ان تعلیمی اداروں کی متعدد نشانیاں باقی ہیں۔ عہد وسطیٰ میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا اور اسکے لیے مخصوص ادارے بنائے گئے تھے۔ جہاں لڑکوں کی طرح ہی لڑکیوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ تاہم سوسائٹی کی بعض خواتین ہی اعلیٰ تعلیم سے فیض یاب ہوئیں۔ لڑکیوں کے خاص مدارس مخصوص شہروں میں ہی تعمیر کیے گئے تھے۔ عہد وسطیٰ میں گلبدن بیگم، نور جہاں، ممتاز محل، جہاں آرا، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور زیب النساء جیسی خواتین عہد وسطیٰ کے ہمہ گیر تعلیمی سلسلے کی گواہی پیش کرتی ہیں۔

تعلیمی اداروں کے اقسام: مکاتب، مدارس اور اعلیٰ تعلیمی ادارے

پورے دور وسطیٰ میں تعلیمی ترقی کی ضمانت اس کے تین طرح کے تعلیمی ادارے فراہم کرتے تھے۔ ابتدائی، تعلیم کے مکاتب و مدارس جو زیادہ تر مساجد اور خانقاہوں سے ملحق ہوتے تھے ان میں تحتانوی درجے تک اور ابتدائی بعض میں اس سے نیچے ناظرہ قرآن خوانی، فارسی اور قاعدہ و ابتدائی ریاضی یا علم الحساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض ابتدائی مدارس میں حفظ کا شعبہ بھی ہوتا تھا۔ ابتدائی مدارس کی تعداد کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بہت سے علاقوں میں یہ قائم ہوتے اور ثانوی مدارس میں تبدیلی یا ضم ہو جاتے۔ یہاں ابتدائی مکاتب و مدارس ثانوی مدارس کو طلبہ فراہم کرتے تھے۔ ابتدائی مکاتب و مدارس مساجد و خانقاہوں سے ملحق ہوئے تھے یا پھر وہی شہری و ہم شہری علاقوں میں عطیات سے چلائے جاتے تھے۔ یہ عطیات ریاستی اور عوامی دونوں ہوتے تھے۔ بعض دفعہ وقف جائداد کے ذریعے بھی چلائے جاتے تھے۔ آج بھی بہت سارے گاؤں و قصبوں میں ان درس گاہوں (Institutions) کو عطیہ کی گئی وقف جائداد کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ دور حاضر کی طرح ان کے لیے کوئی باضابطہ بورڈ یا نصابی باڈی نہیں ہوتے تھے۔ بعض مکاتب و مدارس اس ریاست یا اس خطہ کے بڑی جامعات یا مدرسے سے ملحق ہوتے تھے اور ان ہی کے ہدیات اور انعامات ان مکاتب و مدارس میں نافذ العمل تھے۔ بقیہ مکاتب و مدارس آزادانہ طور پر

ابتدائی تعلیم کی درسیات میں شامل نصابات مثلاً قاعدہ، ابتدائی زبان (فارسی، عربی) ابتدائی ریاضی، حفظانِ صحت، ناظرہ قرآن اور اقدار کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سطح پر باقاعدہ نصابی خاکہ یا کریکولم نہیں ہونے کی وجہ سے ٹرم آخری امتحان کا رواج نہیں تھا۔ ہاں مگر پڑھائی جانے والی کتابوں کی تکمیل کے بعد تھانویہ سطح کی سند تفویض کر دی جاتی تھی۔ دورِ حاضر کی طرح ہی پورے عہدِ وسطیٰ میں ثانوی مدارس کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ بعض ثانوی مدارس میں ابتدائی مدارس بھی ہوا کرتے تھے یعنی ایک ہی جگہ تھانوی اور ثانوی کی تعلیم مکمل کر لی جاتی تھی۔ عام طور سے ثانوی مدرسے شہروں میں یا بڑے شہروں میں قائم ہوتے تھے اور اس

خطے کا حاکم اس مدرسے کی سرپرستی کرتا تھا۔ آپ جان چکے ہیں کہ ثانوی مدارس میں عام طور سے تھانوی کے بعد کے نصابات اور کتابیں شامل کی جاتی تھیں۔ ثانوی مدارس میں تعلیم کا Canvas دائرہ کار وسیع ہو جاتا تھا۔ ایک طرف اس میں حفظ، قرأت، دینیات، حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر مذہبی امور اور قوانین کے مضامین شامل نصاب ہوتے تھے تو دوسری طرف سماجی ضروریات اور معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ضروری مضامین شامل نصاب کیے جاتے تھے۔ مثلاً ریاضی، سائنسی علوم، منطق و فلسفہ، جیومیٹری، اکاؤنٹس، منشی گیری اور امانت، پیمائش، غذا و تغذیہ اور علم طب کے ابتدائی نصابات شامل ہوتے تھے۔ بڑے مرکزی شہروں ریاست کی دارالحکومت وغیرہ میں قائم شدہ مدارس میں بڑی عمارتیں جن میں لائبریری اور ہاسٹل کھیل کا میدان پانی کی باولیاں و جھیل و طلبا کے لیے مطبخ کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ عام طور سے ان مدارس کے ہاسٹل میں طلبا کے لیے Non-Vegetarian کھانے کا انتظام تھا۔ عہدِ وسطیٰ کے ثانوی تعلیم سے متعلق مشہور مورخ ”بان بطوطا“ نے لکھا ہے کہ ”عام طور سے ہر مدرسے میں ایک لائبریری ہوتی تھی جس میں متعدد مضامین کی بہت سی کتابیں دستیاب تھیں۔ جن میں اسلامک لٹریچر، مذہبیات، عربی اور فارسی ادب کی کتابیں شامل تھیں یہ کتب خانے Well furnished ہوتے تھے اس کے مطابق طلبہ کے ہاسٹل کے پاس پارک، گریز اور لیک اور اسپورٹس گراؤنڈ کا بھی انتظام تھا۔ ثانوی مدارس کے پورے اخراجات اس شہر کے امیر یا حکمران کے ذریعے برداشت کیا جاتا تھا۔ تاہم بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ امر اور وسا اور عام عوام بھی مختلف موقوفوں پر مدرسے کے اساتذہ اور طلبا کی اعانت کرتے تھے۔ ابتدائی یا تھانوی مدارس کی طرح یہاں بھی کوئی Prescribed curriculum نہیں تھا۔ ہاں مگر ثانوی درجات کے لیے علما و ماہرین نے کچھ کتابیں مختص کر دی تھیں جن کی تکمیل کے بعد ثانوی درجات کی اسناد دے دیے جاتے تھے۔ عام طور سے فارغین کو حفظ، فارسی، مولوی اور عالم کے اسناد دیے جاتے تھے۔ تاہم منشی اور کامل کو اسناد کے ثبوت ملتے ہیں۔

تیسری طرح کے مخصوص تعلیمی ادارے وہ ہوتے تھے جنہیں مدرسہ عالیہ یا جامعہ کا درجہ حاصل تھا۔ ان میں

Specialized کورسز تخصص و تحقیقی علوم کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی ایسے اداروں کی تعداد بہت کم تھی خاص طور سے ریاست

دارالحکومتوں اور مرکزی شہروں میں یہ ادارے قائم تھے۔ ان میں فقہی مباحث، علم الحدیث، تفسیر، منطق و فلسفہ، طب و جراحیات علم نجوم و فلکیات علم کیمیا و علم نباتات اور مدنی انتظامات کے نصابات شامل تدریس ہوتے تھے اور زمانے کے معروف و مشہور علماء و فقہا مجددین ثانوی مدارس کی فارغین کو ان اداروں میں تعلیم و تربیت فراہم کرتے تھے۔ عام طور سے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے قاضی حضرات کی تعلیم بھی انہیں اداروں میں ہوتی تھی۔ ان اداروں کے فارغین کو فاضل کامل، منشی کامل، فاضل طب و زراعت اور حکیم و قاضی و مفتی کے اسناد فراہم کیے جاتے تھے۔ ان اداروں کے فارغین ثانوی مدارس میں مدرس کے

فرائض انجام دیتے تھے اور چند سال کے تجربے کے بعد اعلیٰ درجات کے مدارس میں تدریسی خدمات کے لیے مامور کر دیے جاتے تھے۔ آپ جان چکے ہیں کہ ایسے مدارس دہلی، فیروز آباد، بدایوں، آگرہ، فتح پور سیکری، بیدر، مالوا، جوئیپور، گول کنڈہ بیجاپور، خاندیش، ملتان، گجرات، لکھنؤ، لاہور، سیالکوٹ اور مرشد آباد و عظیم آباد میں قائم تھے۔

مذکورہ مدارس کے علاوہ عہد وسطیٰ میں کچھ علمی مراکز، خانقاہوں اور درگاہوں سے ملحق بھی تھے جہاں بزرگ صوفی علم دین اور پیر طریقت اپنے مریدین اور عام عوام کو احکام الہی اور شرعی قوانین، احادیث کی روشنی میں دیتے تھے یہ مراکز عالم طور سے مختلف خانقاہوں درگاہوں اور بزرگوں کے مقبروں سے ملحق ہوتے تھے اور وقف جائداد سے ان کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔

حکومتی سرپرستی اور تعلیمی ترقی

Development of Indian education and Its Lal & Suba نے اپنی کتاب

problems میں وضاحت کی ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام دراصل دور وسطیٰ کے تعلیمی نظام کی دین ہے۔ یہی نہیں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ آج بھی ہم تعلیم کو پوری طرح مفت نہیں کر پائے جبکہ دور وسطیٰ کے بیشتر مدارس خواہ وہ تھانویہ ہو وسطانوی سطح کے ہوں یا عالیہ کسی بھی سطح کے طلبا سے کسی طرح کی فیس نہیں لی جاتی تھی حتیٰ کہ ان کی ہاسٹل اور مطبخ کے اخراجات بھی مدارس کے ناظم اور حکومتی سرپرستی میں عطیات کرنے والے افراد کے ذریعہ برداشت کیے جاتے تھے۔ بعض مدارس کو براہ راست حکومتی سرپرستی حاصل تھی اور اس مدرسے کے تمام تعلیمی اخراجات خواہ وہ اساتذہ کی تنخواہ ہو یا طلبا پر خرچ کیے جانے والے اخراجات سب کے سب حکومت وقت یا حاکم وقت کی اعانت سے ہوتا تھا۔ دور وسطیٰ کے دونوں حصوں میں مختلف مدارس اور تعلیمی اداروں کے لیے حکمران طبقے نے بڑی تعداد میں جاگیریں وقف کی تھیں جن کے ذریعے ان تعلیمی اداروں کے اخراجات چلائے جاتے تھے۔ یہی نہیں پہلی بار Meritorious (ذہین اور غریب) طلبا کے لیے اسکا لرشپ کا نظام دور وسطیٰ میں ہی شروع ہوا۔ اس

نظام کو

مغلوں کے بعد آنے والی برٹش حکومت اور آزادی کے بعد جدید دور میں بھی نافذ کیا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ میں ہندو نظام تعلیم Hindu system of Education during medieval period

ہندوستان پر مسلمان فاتحین کے غلبے کے بعد بھی یہاں کی ہندو اور بدھ تہذیب و تمدن کو سلطانوں/بادشاہوں نے ہٹانے یا مٹانے کی قطعی کوشش نہ کی بلکہ ان کو اسی نہج پر ترقی کے مواقع فراہم کیے جوہ سلطنت دور ہو یا مغل دور دونوں میں غیر مسلم علما اور پنڈتوں و مٹھ کے ذمہ داروں کو کسی طرح کی گزند نہ پہنچائی گئی بلکہ ان کے بہت سارے رسم و رواج کو مسلمانوں نے بھی جزوی طور پر اپنایا۔ (محمد عمر مسلمانوں پر ہندو تہذیب کا اثر)

ان کی مذہبی زبانیں بالی، پراکرت اور سنسکرت کے فروغ کو خاطر خواہ مواقع دیے گئے۔ ہندوستان میں جب مسلمانوں نے باقاعدہ سلطنت قائم کر لی تو برہمنی اور بدھ نظام تعلیم جو پہلے سے رائج تھے دونوں پر اسلام کے نظام کا اثر پڑا اور اسلامی نظام پر مقامی تاثر قائم ہو گیا۔ ہندوستانی علوم کے ساتھ ساتھ ہندو عالموں نے ضرورت کے مطابق عربی اور فارسی زبانوں میں مہارت حاصل کی اور بغیر کسی تعصب کے شاہی درباروں میں اعلیٰ منصوبوں پر فائز ہوئے۔ اسلامی فلسفہ اور طبی علوم سے یہاں کے علماء متاثر ہوئے اور ہندو فلسفہ و آروید (Ayurved) کی بہت سی خوبیوں کو مسلمان عالموں نے اپنایا۔ پورے مسلم دور حکومت میں جس طرح اسلامک مدارس مکاتب کو ریاستی/حکومتی امداد جاگیریں، عطیات عطا کی گئی تھیں اسی طرح ہندو اور بدھ مٹوں اور تعلیمی اداروں کو بھی عطیات اور جاگیریں عطا کی گئیں جو بہت حد تک آج بھی موجود ہیں۔ مغل دور میں وزرا کی کونسل (نورتن) میں خاطر خواہ تعداد میں ہندو علما اور ماہرین رکھے گئے تھے۔ راجہ ٹوڈرل، بیربل، اور راجہ مان سنگ سے اس کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ دکن کی فتح کے بعد بعض مذہبی اور تمدنی امور کو جو کاتوں (as it is) رکھا گیا اور انہیں بھی حکومت کی طرف سے اعانت فراہم کی گئی۔ گروکول سسٹم جہاں جہاں قائم تھا اسے بھی کسی طرح کی مداخلت نہیں کی گئی اور مقامی انتظامیہ کی طرف سے بعض گروکول کو جاگیریں عطا کی گئیں تاکہ تعلیم و تعلم کا بغیر روک ٹوک کے جاری رہے۔

2.3 دورِ جدید میں تعلیم (قبل آزادی اور آزادی کے بعد)

(Education during Modern Period (Pre-Independent & Post- Independent Era)

ہندوستان کی سرزمین پرانے زمانے سے ہی غیرملکیوں کے لیے باعث کشش رہی کیونکہ دنیا کہ بہت سے خطے سے تعلیمی، تمدنی اور معاشی طور پر ترقی یافتہ ملک تصور کرتے تھے۔ 1458ء میں پرتگالی باشندے Vasco de Gama نے یورپی ممالک کے لیے سمندری راستہ ہموار کیا اور متعدد یورپین ہندوستان میں سمندری راستے سے تجارت کی غرض سے آنا شروع ہوئے۔ یہ سلسلہ سو سال سے زائد جاری رہا۔ انگریز، ڈچ، فرانسی اور ڈینش تاجروں نے تجارتی بالادستی قائم کرنے کی دوڑ بھی لکھی رہی۔ مغلیہ سلطنت کے زوال نے ہندوستان میں انتشار کی صورت پیدا کر دی اور یورپی باشندوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں پر اقتدار کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ اس کشمکش میں ڈینش، ڈچ باشندوں نے پہلے اور پھر فرانسیسیوں نے ہتھیار ڈال دئے اور ہندوستان انگریزوں کے زیر اثر آ گیا۔ حالانکہ آپ اس اکائی میں برطانوی عہد میں تعلیمی ترقی کا مطالعہ کر رہے ہیں لیکن جب تک سیاسی اور سماجی حالات کی جانکاری نہیں ہو سکے گی تب تک تعلیمی ترویج و ترقی کا پس منظر بھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ سیاسی تبدیلی اور تاجر چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ سماجی تبدیلی کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

یورپی ممالک کے باشندوں کا تعلیمی مشن قائم کرنے کا مقصد تعلیم کی ترویج سے زیادہ عیسائی مذہب کی تبلیغ تھی۔ لہذا یورپین کے ذریعے ممبئی، کوچن، چینگاؤ، ہنگلی اور دمن و دیپ وغیرہ میں برابری تعلیم کے ادارے قائم ہوئے۔ 1575ء میں گوا میں پہلا کالج کھولا گیا اور باندرا بمبئی میں 1577ء میں کالج کا قیام ہوا 1613ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے بعد برطانوی تعلیم کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ 1695ء میں ایک چارٹر کے ذریعے برٹش حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشنری اسکول قائم کرنے کی اجازت مل گئی ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1731ء تک بنگال، ممبئی، مدراس..... میں سینکڑوں کی تعداد میں پرائمری اسکول قائم کئے۔ بعد ازاں مدراس میں ایک ثانوی اسکول کا بھی قیام عمل میں آیا۔ آپ جان چکے ہیں کہ 18 ویں صدی کے وسط تک انگریزوں نے اپنے حریف یورپین، پرتگالیوں، ڈچوں اور فرانسیسیوں پر سبقت حاصل کر لی تھی اور 1755ء میں اسے حق دیوانی کے حصول کے ساتھ ساتھ کمپنی کو ہندوستان میں حکومت کرنے کا اختیار بھی مل گیا۔

1813ء چارٹر ایکٹس سے ہندوستان میں تعلیم کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے جو 1854ء کے وڈس ڈسپنچ پر ختم ہوتا ہے یہاں سے 1900ء تک کا زمانہ ہندوستان میں تعلیمی ترقی کا ایک الگ زمانہ ہے۔ 1813ء کے چارٹر ایکٹ کی رو سے سرکار کو تعلیم کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اس کے لیے 10,000 پونڈ مختص کیے گئے لیکن 10 سال میں بھی غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے یہ رقم خرچ نہ ہو سکی اور مشرق و مغرب کے اختلاف کے وجہ سے 1833ء تک کمپنی نے تعلیمی معاملات میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اصل مسئلہ ذریعہ تعلیم و تعلیمی طریقوں کا تھا 1831ء میں ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی جو اس نتیجہ پر پہنچی کہ ہندوستانی سائنس اور

دوسرے علوم عربی، فارسی اور سنسکرت کے ذریعہ پڑھائے جائیں۔ محدود انگریزی تعلیم دی جائے اور علاقائی زبانوں کے ذریعے بھی تعلیم کا انتظام ہو۔ 1824ء میں برطانوی سرکار نے گورنر جنرل کو ہندوستانیوں کی تعلیم کے متعلق ہدایات جاری کی اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے کمپنی کو ہر قسم کی امداد کی پیش کش بھی کی گئی۔ جس کے نتیجے میں کلکتہ مدرسہ اور بنارس سنسکرت کالج کی ازسرنو تنظیم، آگرہ، دہلی، مرشد آباد اور کلکتہ میں مشرقی علوم کے لیے کالجوں کا قیام کلکتہ دیپو کیشن پریس کے قیام اور یورپی زبانوں کے سائنسی و سماجی علوم کی کتابوں کے ترجمے کی بات کی گئی۔ 1933ء کے چارٹر ایکٹ پر غور کرنے کے بعد عیسائی مبلغوں کو سہولت فراہم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے تحت 10 لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک لا (Law) ممبر کی تقرری کو منظوری ملی اس چارٹر کی وجہ سے اور لارڈ میکالے جیسے لاء ممبر کی وجہ سے ہندوستان میں تعلیمی ترقی کے امکانات روشن ہو گئے۔ 10 جون 1834ء انگریزی کے ایک ماہر لارڈ میکالے کو کمیٹی کے لاء ممبر کے حیثیت سے ہندوستان بھیجا گیا۔ 8 فروری 1835 کو انہوں نے اپنی تاریخی تجویز میکالے منٹس کی صورت میں پیش کی جس کی تفصیل آپ آگے پڑھیں گے۔ 1833ء اور 1853ء کے درمیان بنگال، ممبئی، مدراس، صوبہ سرحد پنجاب اور اتر پردیش میں انگریزی تعلیم کی تیزی سے ترقی ہوئی اور پیشہ ورانہ مثلاً طب، انجینئرنگ اور قانون کے تعلیمی ادارے بھی قائم ہوئے جس نے Wood ڈسپنچ کی راہ ہموار کی۔

ہندوستان تعلیم کے مسائل ہر ازسرنو جائزہ لینے کے لیے ایک سروے کیا گیا اور اس سروے کے نتائج پر مبنی سفارشات یعنی Wood ڈسپنچ کا اعلان کیا گیا۔ Wood ڈسپنچ ہندوستانی نظام تعلیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تفصیل بھی آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ہندوستانی تعلیم کی ترقی کے سلسلے میں آزادی سے پہلے بہت سارے اتار چڑھاؤ آیا۔ 1857ء کا انقلاب، پمٹر کمیشن، کی سفارشات اور دائرہ کار ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ترقی کے لیے امداد اور وسائل تعلیم نسواں اور دوسرے پسماندہ طبقات کی تعلیمی ترقی کی اوبائے یونیورسٹی کمیشن کی تجاویز اور مختلف علاقوں میں یونیورسٹیوں کا قیام کے متعلق آپ آگے کی صفات میں مطالعہ کریں گے۔ 1935 Govt. of Indian Act کے تعلیمی مضمرات اور گاندھی جی کی پیش کردہ ہندوستانی طرز تعلیم نے بنیادی تعلیم کا تصور کا مطالعہ بھی اگلی ذیلی اکائیوں میں شامل ہیں۔

چارٹر ایکٹ-1813

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور اقدار کا یہ پہلا باضابطہ قانونی عمل تھا اس کے ذریعے سرکار کو تعلیم کی ذمہ داری سونپی گئی اور تقریباً اس کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی۔ کمپنی کے عہدیداروں میں اس سے متعلق کئی شکوک و شبہات رہے ہندوستانی پس منظر میں تعلیم کو جو مائل تھے وہ اس موقع پر زیر بحث آئے۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ کیا ہندوستانیوں کی تعلیم اور ان کے مذہب کی تبدیلی کرانے کے لئے مشنریوں کو ہندوستان جانے اور کمپنی کے زیر تسلط علاقوں میں کام کرنے کی اجازت دی جائے؟

کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستانی عوام کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے اگر ہاں تو یہ ذمہ داریاں کن تعلیمی سرگرمیوں تک محدود ہونگی اور انکے حدود کیا ہونگے۔ پہلے مسئلہ کے حل کے لئے چارٹر ایکٹ میں بیان کی گئی تفصیل یوں تھیں۔

”تیر ہواں ریزرویشن جس میں حقیقت سارا مشنری سوال درج تھا یہ تھا کہ اس کمیٹی کی رائے ہے کہ ہندوستان میں برطانوی شعور کرنے کے دیہی باشندوں کی خوشحالی اور انکے مفاد کو فروغ دینا اس ملک کا فرض ہے اور یہ کہ ایسے اقدامات اٹھائے جانے چاہئے جن سے وہاں کے لوگوں کی اخلاقی ترقی ہو اور وہ مفید علوم سے متعارف ہوں ان مذکورہ مقاصد کی ترقی اور عیانت کے لئے ہندوستان جانے یا وہاں رہنے کے خواہش مند لوگوں کو قانون کے ذریعے مناسب آسانیاں فراہم کی جانی چاہئے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشنریوں کو ہندوستان میں داخل ہونے اور وہاں رہنے کی اجازت ہوگی۔ وہاں وہ تبلیغ کر سکتے ہیں۔ گر جاگھر کی تعمیر کر سکتے ہیں اور تمام مذہبی فرائض ادا کر سکتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ وسیع تر معنوں میں اپنے مشنری فرائض کی پوری تکمیل کر سکتے ہیں۔“

Report of the select committee of the House of
commons on the affairs of the East India Company

- Appendix-I

بحوالہ سید نور اللہ اور جے پی نائیک ”تاریخ تعلیم ہند“ صفحہ نمبر 82-83

مذکورہ دوسرے مسئلے کی سب سے شدید مخالفت ڈائریکٹرز کی طرف سے ہوئی کیونکہ ان دنوں خود انگلستان میں بھی تعلیم کا شعبہ اسٹیٹ کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ہندوستانی مقبوزہ علاقوں میں تعلیم کی ذمہ داری ایسٹ انڈیا کمپنی بھی نہیں لینا چاہتی تھی انہیں اندیشہ تھا کہ اس چارٹر کے نفاذ کے بعد کمپنی کے منافع میں گراؤ آئے گی۔ چارٹر ایکٹ کی ناکامی یا یوں کہیں کہ نافذ العمل نہ ہونے کی ایک وجہ ہندوستانیوں کی بے حشی سبھی تھی کیونکہ معلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملک میں قانون اور نظم ضبط کی یا بلا دستی ختم ہو گئی تھی اور ان حالات میں کمپنی کو ہندوستانی عوام کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آخر کار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹرز ریزرویشن پاس کرانے میں کامیاب ہو گئے جو چارٹر کا 47 واں سیکشن بنا۔ اس سیکشن کی رو سے ”گورنر جنرل ان کاؤنسل کا یہ حکم آئینی ہوگا کہ مذکورہ مضمون علاقوں میں فوجی، شہری اور تجارتی شعبوں کے اضراجات اور قرضوں کے سود کے قاعد

وں کے مطابق ادائیگی کے بعد کراؤں منافوں اور محصول کی بچت میں سے ہر سال ایک مخصوص رقم کو ایک لاکھ سے کم نہیں ہوگی

الگ نکالی جائیگی اور اسے ادب کی ترویج و ترقی اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ہمت افزائی کے لئے اور ہندوستان کے برطانوی مقبولیت میں رہنے والوں سائنسی علم سے متعارف کرانے اور اس کی ترویج کے لئے خرچ کیا جائے۔
(نور اللہ اور جے پی نائک تاریخ تعلیم ہند صفحہ نمبر 84)

جن ماہرین کا یہ خیال تھا کہ ادب (جس میں عربی اور سنسکرت کے کلاسیکی ادب) کی ترویج پڑھے لکھے ہندوستانیوں کے ہمت افزائی مغربی سائنس کی تعلیم جن کا فروغ ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقے میں ہونا چاہئے وہ ہندوستان کے تاریخ و تمدن سے اور ادب سے متاثر تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مشرق و مغرب میں روشن خیالی اور سائنسی علوم کی ترویج و ترقی سے پرانے ڈھنگ کی تعلیم اور مشنریوں کے تبلیغی سرگرمیوں پر روک لگائی جاسکتی ہے۔ کل ملا کر 1813 کا چارٹر ایکٹ ہندوستانی تعلیم کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا اور ہندوستان کی تعلیمی اخراجات کو کمپنی کے فرائض میں شامل کر لیا گیا۔ اگلے برسوں میں تعلیمی سرگرمیوں پر خرچ کرنے کے لئے پہلے کی بہ نسبت زیادہ رقم منظور ہوئی۔

لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی 1835

چارٹر ایکٹ (1813) کی شک نمبر 43 اور ایک لاکھ روپیہ کی تعلیمی اخراجات پر ایک انگریز عالم لارڈ میکالے سے رائے طلب کی گئی۔ 2 فروری 1835 کو انہوں نے اپنی تاریخی تجویز جو ’مکالے منٹس‘ کے نام سے مشہور ہے پیش کی۔ لارڈ میکالے اصل میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پہلے لاء ممبر کے حیثیت سے ہندوستان آئے تھے وہ اس گرانٹ سے متفق تھے کہ جو مشرقی علوم کی تعلیم کے لئے خرچ کرنے کی بات کہی گئی تھی لیکن وہ مغربی علوم کو مشرقی علوم سے برتر سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں لارڈ بینٹک نے انہیں عوامی تعلیمی کمیٹی کی سربراہی بھی سونپ دی۔ میکالے منٹس میں ہندوستانی ادب و تمدن کو حقیر نظر سے دیکھا گیا تھا اور اس کی تذلیل کی گئی تھی۔ میکالے نے سنسکرت اور عربی ادب کے ساتھ انگریزی ادب کو بھی شامل کیا اور عربی اور سنسکرت علماء کے ساتھ انگریزی اسکالرز کے نام بھی تجویز کئے۔ کمپنی کو مختص رقومات خرچ کرنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ میکالے کے مطابق یورپ کے کسی اچھی لائبریری کی کتابوں کا ایک سیلف ہندوستان اور عرب کے تمام ادب کے برابر تھا۔ میکالے انگریزی زبان کا زبردست مداح تھا اور ان لوگوں کو ادبی اعزازات دینے کی سفارش کیا جو انگریزی ادب سے حقیقی طور پر واقف تھے وہ انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم کا زبردست حامی تھا۔ میکالے نے اونچے طبقات کی تعلیم کو اہمیت دیتے ہوئے اپنی ڈاؤن وارڈ فیلٹیشن تھیوری پیش کی جس کے مطابق اونچے طبقوں کو تعلیم مہیا کرانے کے بعد..... سے..... دھیرے

دھیرے تعلیم نچلے طبقوں تک پھیلائی جائیگی۔ مذہبی معاملات میں میکالے معروضیت پر زور دیتے تھے یعنی انکا نقطہ نظر روشن خیالی

تھی انکا خیال تھا کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے جو انکی ذوق و دلچسپی کے بجائے صحت کے لئے مفید کاریوں تعلیم میں مقصدیت کے طرفدار تھے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جو کمپنی بہادر کے اور برطانوی حکومت کے وفادار ہوں اور ہندوستانی عوام و حکمراں طبقے کے درمیان رابطے کا کام کرے۔ اس طبقے کو نسلاً ہندوستانی اور عقلاً یورپین بنانا چاہتے تھے۔ انکے نزدیک انگریزی زبان ہی تعلیم اور علم و دانش کی ضمانت فراہم کرتی۔ وہ ہندوستان میں علاقائی زبان اور کلاسیکی زبان کے ذریعے تعلیم کے مخالف تھے۔ اور انگریزی ذریعے تعلیم کے موافق مادری زبان کو اسی وجہ سے بہت حد تک نظر انداز کیا گیا۔ بقول میکالے کے

”تمام پارٹیاں اس بات پر متفق معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ کہ ہندوستان کے اس حصے کے باشندوں کی عام..... میں نہ تو ادبی سرمایہ ہے نہ ہی سائنٹیفک معلومات اور وہ اتنی کم مایہ اور ٹھیکھ ہیں کہ جب تک اپنا کسی دوسرے ذریعوں سے مالا مال نہ کیا جائے ان میں سے کسی میں بھی مفید ادبی، علمی، کام کو منتقل کرنے کا کام آسان نہ ہوگا۔ اس بات سے بھی ہر طرف اتفاق نظر آتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی استطاعت رکھنے والوں کا ذہنی ارتقاء صرف اسی زبان کے ذریعے کیا جاسکتا ہے جو مقامی نہ ہو۔“

(بحوالہ : سید نور اللہ وجے۔ می۔ نائک تاریخ تعلیم ہند صفحہ نمبر 100)

کل ملا کر میکالے کی سفارشات کا ہندوستان کے تعلیمی منظر پر دور رس اثر پڑا۔ اس کی کچھ خامیاں ضرور تھیں لیکن ان خامیوں کی نشاندہی کے بعد ہندوستان کی دیس تعلیم میں بھی سدھار ہونے لگا اور بہت حد تک جدید علوم کو انگریزی کے ذریعے یا ترجمہ کے ذریعے پھیلنے کا موقع ملا۔

ووڈ ڈسپچ (1854) Wood Despatch :-

میکالے ٹس کے بعد لارڈ ہینک کے جانشین لارڈ آک لینڈ ہندوستان کے گورنر جنرل بنائے گئے۔ مشرقی تعلیم اور مشرقی زبان کے ذریعے ذریعے تعلیم کے حامی ماہرین تعلیم نے ان کے سامنے ایک عرضی داشت پیش کی لارڈ آک لینڈ نے انکے نقطہ نظر سے اطلاق کرتے ہوئے کمپنی کی تعلیمی پالیسی میں ترمیم کی اور مشرقی علوم کی تعلیم کے لئے مختص رقم اور مالی معاؤنت میں اضافہ کیا۔ وصفوں کے تعداد بڑھائی گئی اور مشرقی علوم کی اشاعت کی انتظامات کئے گئے۔ ایڈم نے لارڈ آک لینڈ کے مدلل رپورٹ تھی۔ جس میں بہت ہی قیمتی مشورے دئے گئے۔ اسی درمیان لارڈ ہارڈنگ کا اعلان بھی سامنے آیا۔ اس اعلان کے

مطابق انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو ہی ایسٹ انڈیا کمپنی میں نوکری مل سکتی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں گھریلو صنعت

زوال کا شکار ہو گئی تھی۔ اس لئے روزگار کا واحد وسیلہ کمپنی کی ملازمت ہی تھی۔ اس وجہ سے انگریزی تعلیم کی مانگ میں خاص اضافہ ہوا اور 853 سے قبل بنگا، ممبئی، مدراس، صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب میں انگریزی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی ہوئی لیکن یہ سارے اقدامات ناکافی تھے اور غیر تسلی بخش تھے۔ جن کی وجہ سے 1853 میں کمپنی کے چارٹر پر از سر نو غور کیا گیا اور ایک وسیع یعنی پالیسی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے برطانوی پارلیمنٹ میں اس مسئلے کے حل کے لئے ایک کمیٹی بنائی۔ کمیٹی کا ماننا تھا کہ ہندوستان میں تعلیم کا خاطر خواہ فروغ کمپنی کے مفاد کے منافی نہیں ہے بلکہ حق میں ہے۔ اسی زمانے میں چارلس وڈ کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر تھے۔ انہوں نے 19 جولائی 1954 کو ہندوستان میں تعلیم سے متعلق ایک اعلانیہ شائع کیا جو Wood's Despatch (ووڈس ڈسپچ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

Woods Despatch نے اعلانیہ کے قابل ذکر نکات میں

(i) عوامی تعلیم کو سرکاری ذمہ داری قرار دیا گیا۔ اخلاقی تعلیم اور ذہنی نشوونما کے علاوہ مشنریوں کے کام تعلیم یافتہ افراد پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔

(ii) یورپی زبان و ادب کو مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ نصاب میں شامل کیا گیا اور انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم کے لئے تسلیم کیا گیا۔

(iii) یہ بھی بات زیر غور آئی کہ پیشہ وارانہ تعلیم اور تعلیم نسواں کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہئے۔ تعلیم یافتہ افراد کو نوکریوں میں ترجیح کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبانوں میں تصنیف و تالیف کے لئے ہمت افزائی کی گئی اور ہندوستان کے ایک بڑے مذہبی طبقہ ”مسلمان“ کو اس تعلیمی پالیسی کا حصہ بنایا گیا Wood Despatch کی اہم سفارشات میں

(i) ہر صوبہ میں ایک محکمہ تعلیم کا قیام ہونا چاہئے جس کا سربراہ ناظم تعلیمات ہو۔

(ii) کلکتہ مدارس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم کی جائیں اور ان یونیورسٹی میں چانسلر، وائس چانسلر اور فیلو تعینات کئے جائیں۔

(iii) عوامی تعلیم پر زور دیا جائے۔

(iv) تعلیم کے لئے مالی امداد کا ایک الگ نظام قائم کیا جائے۔

(v) اساتذہ کی تربیت کے لئے خصوصی ادارے قائم کئے جائیں

اور

(vi) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دی جائے۔

اسے کل ملا کر Wood's Despatch کی سفارشات، برطانوی حکومت کمپنی سرکار اور ہندوستانی عوام سب کے مفاد میں تھیں اس ڈسپچ کو برطانوی عہد میں تعلیم کے لئے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے لیکن اس پر پوری طرح عمل درآمد نہ ہو سکا کیونکہ اس کے چند سال بعد ہی 1857 میں انقلاب رونما ہو گیا اور اس کے بعد ہندوستان پر برطانیہ کی راست کنٹرول (حکومت) ہو گئی۔

تاہم 1857 سے 1900 تک اس ڈسپچ کی سفارشات کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

لارڈ کرزن کی تعلیمی پالیسی:

پچھلے صفحات میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ Wood Despatch 1854 چند سال بعد ہی 1857 میں انقلاب کی وجہ سے Despatch کی سفارشات عمل میں نہ لائی جاسکی اور ہندوستان میں ایک نئے عہد کا آغاز ہو گیا۔ ہندوستان بل واسطہ برطانوی تاج کے زیر نگیں آ گیا۔ 1857 سے 1900 تک کا دور ہندوستانی معاشرے اور تعلیم دونوں کے لئے ہنگامہ خیز رہا۔ 1898 کے بعد لارڈ کرزن کے تعلیمی سدھار کا عہد آتا ہے جس میں ہندوستان کی تعلیم کی تاریخ نے یکسر تبدیلی آ گئی اب تعلیم کے لئے زیادہ پہلے سے زیادہ مختص کیا جانے لگا تعلیم میں ریاست کا فعال کردار اور ہو ہو لگا۔ سطح کی تعلیمی اداروں میں تعلیمی معیار نے بہتری کی کوشش کی جانے لگی اور ہر معیار و ہر قسم کے تعلیم میں بے مثال توسیع واقع ہوئی۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں ہندوستانی قوم پرستی کبھی شدید لہر دیکھنے کو ملتی ہے۔ کرزن کے زمانے میں شروع میں ہی مالی دشواریاں ختم ہوئیں اور 1902 سے پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے تک بڑے مالی وسائل حاصل ہوئے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اچھے اور مستحکم مالی تعلقات قائم رہے جس کی وجہ سے ٹیکس کی حصولیابی بہتر ہوئی۔ اور صوبائی حکومتوں نے تعلیم کے شعبے میں زیادہ آماہ شرف کیا۔ مرکزی سرکار نے بھی اپنے امداد میں اضافہ کیا۔ اب تعلیم میں سرکار کی گرانٹ این ایڈ کی پالیسی بدلی گئی۔ لارڈ کرزن کی قیادت میں تعلیم ریاست کی ذمہ داری ہو گئی۔ اور ریاست کا اختیار نجی تعلیمی تنظیموں پر بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ 1902 کے ایکٹ کی رو سے ابتدائی تعلیم میں نجی تنظیم کے مقابلے سرکاری کنٹرول زیادہ مضبوط ہو گیا۔ تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کی کوشش میں لارڈ کرزن نے تعلیمی نتائج کا جائزہ لینے کی بات کہی اور نتائج کی بنیاد پر انکی توسیع کی بات کہی گئی۔ لارڈ کرزن نے ابتدائی تعلیم کی توسیع کے لئے زیادہ زور تو نہیں دیا لیکن ان کے معیار کو بلند کرنے کے لئے حتی الامکان کوشش کی۔

ہندوستانی عوام کے نمائندے کے ذریعے لازمی ابتدائی تعلیم کے مطالبے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے لیکن ثانوی مدرسوں اور کالج کے منزلوں پر توسیع کے ہر امکان کو قبول کیا۔ بشرطے کہ تعلیمی معیار کو بلند رکھا جائے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لارڈ کرزن کے

پورے دور میں تعلیمی توسیع سے زیادہ تعلیمی معیار پر دھیان دیا گیا۔

اس زمانے میں قوم پرستی کا جہاں آزادی کے لئے جدوجہد اور پہلی جنگ عظیم نے تعلیمی توسیع اور اس کے معیار کو ٹھیس پہنچایا۔ کرزن کے اپنے پروگرام کے مطابق اعلیٰ تعلیم کی اصلاح کو اولیت دی جانی تھی چنانچہ اس مقصد کے لئے 27 جنوری 1902 کو ایک کمیشن مقرر کیا گیا جو برطانوی ہندوستان میں قائم یونیورسٹیوں کی موجودہ حالت اور ترقی کے امکانات کا پتہ لگائے اور اس کے آئین اور کام کی اصلاح کے لئے طریقہ طے کرے۔ اس کمیشن کو انڈین یونیورسٹی کمیشن 1902 کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انڈین یونیورسٹی کمیشن کے حدود متعین کر دئے گئے تھے اس لئے اس کی افادیت بھی محدود ہو گئی۔ اس میں نہ تو یونیورسٹیوں کے اصلاح کے بارے میں کچھ کیا گیا اور نہ ہی اعلیٰ تعلیم کو معیار بخشنے والے ثانوی تعلیم کی سطح کے بارے میں۔ کچھ تبصرہ کرنے کو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نظام کی تشکیل نو کے لئے بنیادی ضرورتوں اور بنیادی تبدیلیوں کو بھی موضوع نہیں بنایا گیا۔ کمیشن کی سفارشات صرف 5 نکات پر محدود ہیں وہ یہ کہ یونیورسٹی کے نظم و نسق کی تنظیم نو ہو، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی زیادہ سخت اور منظم نگرانی کی جائے اور الحاق کی شرائط کو سخت بنایا جائے۔ طالب علموں کے رہنے اور کام کرنے کی حالات کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔ یونیورسٹیاں تدریسی فرائض کی ذمہ داری کے حدود مقرر کریں اور نصاب اور انتظام کے طریقوں میں تبدیلیاں لائی جائیں۔ اس کی صرف تین سفارشات کو انڈین یونیورسٹی ایکٹ 1904 کو شامل کیا گیا۔ 1904 کے یونیورسٹی ایکٹ پر ہندوستانی رائے عامہ نے شدید مخالفت کی۔ خاص طور سے ہندوستانی یونیورسٹیز میں fellows کی تعداد محدود رکھنے اور کالجوں کے الحاق کی سخت شرائط کے خلاف۔

کرزن کے کالج کی تعلیم سے متعلق کئی اصلاحات کئی جیسے پرائیویٹ کالجوں کی امداد میں اضافہ کیا گیا تاکہ وہ اپنے آپ کو یونیورسٹیوں کے ضابطوں کے تحت بلند معیار بنا سکیں۔ کتب خانوں، ہاسٹلوں وغیرہ کی سہولتیں پہلے سے بہتر فراہم کی گئیں۔ 1904-05 اور 1908-09 کے درمیان کالج کی تعلیم کے لئے ساڑھے تیرہ لاکھ (1350000) روپیوں کی گرانٹ ان ایڈ منظور کی گئی۔ آرٹس، سائنس اور تدریس کی سہولتوں کے لئے خاص طور پر امداد فراہم کی گئی۔

ثانوی تعلیم کے لئے بھی لارڈ کرزن کے کچھ مشورے اور فیصلے یاد رکھنے کی قابل ہیں۔ ثانوی تعلیم کے نجی اداروں جن کی آمدنی کا دار و مدار طلباء کے فیسوں پر تھا جو صرف امتحان کی تیاری کرنے والے اداروں کی حیثیت رکھتے تھے جن کا کام کسی طرح بھی قابل اطمینان نہیں تھا۔ لارڈ کرزن نے ثانوی تعلیم کے ان معاملات کو اسی طرح حل کیا جیسے اینڈین یونیورسٹی ایکٹ 1904 کالج کے تعلیموں کے سلسلے میں انڈین ایجوکیشن کمیشن کی یہ رائے تھی کہ شعبہ تعلیم کو کچھ شرائط کے ساتھ معین کرنا چاہئے ثانوی تعلیم کے اسناد کو یونیورسٹیوں کی طرف تسلیم کئے جانے، غیر تسلیم شدہ اسکولوں سے تسلیم شدہ اسکولوں میں منتقلی کی ممانعت وغیرہ کے سلسلے میں وضاحت کی گئی۔ یہاں بھی یعنی ثانوی تعلیم میں لارڈ کرزن کی پالیسی کا اصل مقصد تدریس کے معیار میں اصلاح و

ترقی تھا۔ اس زمانے میں سرکاری اسکولوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے بڑی بڑی گرانٹس دی گئی تاکہ یہ نجی اسکولوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ نجی مدرسوں کو اپنے معیاروں کو بہتر بنانے کے لئے ان کے گرانٹ ان ایڈ میں خاطر خواہ اضافے کئے گئے۔ ثانوی اسکولوں کے لئے اساتذہ کی ٹریننگ کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اور نئے تربیتی کھولنے کی سفارش کی گئی۔ اس زمانے میں یہ بھی سفارش کی گئی کہ مڈل کلاسوں تک بچے کی مادری زبان کو خاص توجہ دی جائے تاکہ بچہ ہائی اسکول کے سطح پر انگریزی ذریعہ تعلیم کے لائق بن جائے۔

لارڈ کرزن نے تعلیم کے دوسرے شعبوں میں کئی اصلاح کی۔ آرٹ اور کرافٹ کے اسکول، ٹکنیکل تعلیم حاصل کرنے کے لئے وٹیفوں کا انتظام زرعی کے اداروں تعلیم کی عملی اور سائنٹیفک بنیادوں پر تشکیل نو کرنے کے ساتھ ساتھ ذہین طلبا کی بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفے مقرر کرنے ٹکنالوجیکل توہیم کی داخلی ضرورتوں کو پورا کرنے اور ہندوستانی صنعتوں کے فروغ کے لئے ٹھوس اقدامات کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ لارڈ کرزن کے اخلاقی تعلیم کی درسیات کی تجدید کرنے اور انکے لئے درسی کتابوں میں شامل کرنے اور رٹنے رٹانے کی طریقے سے باز رکھنے کے لئے ہدایت جاری کی۔ کرزن کے زمانے میں ہی شعبہ آثار قدیمہ کا قیام ہوا تاکہ قدیم آثاروں عمارتوں اور تہذیب و تمدن کی نشانیوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے اسی کے زمانے میں ہندوستان میں ایک ڈائریکٹر جنرل آف ایجوکیشن کا لقر عمل میں آیا جو لارڈ کرزن کا تعلیم کے تئیں بہت بڑا کارنامہ ہے۔

انگریزی میڈیم کے ذریعے جدید تعلیم کا تعارف:

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے شمال مشرقی اور جنوبی حصوں پر تسلط قائم کرنے کے بعد مغربی تہذیب و تمدن اور عیسائی مذہب اور انگریزی زبان کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس ضمنے میں مدارس ممبئی اور کلکتہ، پرسیڈینسی کے اسکولوں اور مدارس کا سروے کیا گیا اور ہاں جاری تعلیم کا میڈیم جاننے کی کوشش کی گئی۔ تعلیمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر مدارس میں فارسی، عربی یا سنسکرت ذریعہ تعلیم تھے کچھ مدارس میں علاقائی زبانیں اور معدود چند اسکولوں میں انگریزی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اپنایا گیا تھا۔ ایڈم کی پہلی رپورٹ، دوسری رپورٹ اور تیسری رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی میڈیم کے چند اسکول تھے۔ کل 2567 اسکولوں میں سے صرف 18 اسکولوں کا میڈیم انگریزی تھا۔ اسی طرح 30915 طالب علموں میں سے صرف 252 کی ذریعہ تعلیم (میڈیم) انگریزی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر پسند نہیں کیا جاتا تھا تاہم دھیرے دھیرے اور جیسے جیسے عام تعلیم کی وسعت اور انگریزوں کا تسلط بڑھا انگریزی ذریعہ تعلیم کا دائرہ کار بھی بڑھ گیا۔ اوڈس ڈسپنچ (1854) کے چارٹر ایکٹ (1813) دونوں میں انگریزی زبان و ادب کی تعلیم اور انگریزی میڈیم سے تعلیم کی پر زور

سفارش کی گئی۔ 1857 تک انگریزی میڈیم تعلیم کے لئے رائے عمہ تیزی سے ہموار ہوتی جا رہی تھی اور اب انگریزوں کے علاوہ ملک کا دانشور طبقہ بھی ثانوی تعلیم سے انگریزی کو میڈیم کے طور پر منتخب کرنے کی سفارش کی۔ وجہ صاف تھی کہ اس زمانے میں سائنسی و تکنیکی ایجادات تیزی سے ہو رہے تھے۔ اور ان کی تدریس کا انتظام انگریزی ذریعہ سے ہی کی جاسکتا تھا۔ انگریزی میڈیم کے لئے رائے عمہ کے ہموار ہونے کی ایک وجہ راجہ رام موہن رائے جیسے دانشور بھی تھے اور سرکاری ملازمتوں میں انگریزی جاننے والوں کی ترجیحات ہوئی۔ چنانچہ انگریزی کو بڑھتی ہوئی مانگ کی وجہ سے جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن نے بھی اس مانگ کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ 1833 تک آگرہ کے کالج اور کلکتہ کے مدرسہ میں انگریزی کی کلاسیں کھولی پڑی دلی اور بنارس میں ضلع انگریزی اسکول قائم ہوئے۔ میکالے کی رپورٹ میں ادیب اور دانشوروں کے القاب دینے کے لئے ادب کی خدمات میں انگریزی ادب کو بھی شامل کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان لقب کے لئے یہ سفارش بھی کی گئی کہ اس شخص کو بھی القاب سے نوازا جائے جو لاک (Locke) کے فلسفے اور ملٹن کی شاعری کا ماہر ہو اور سائنسی ترقی کا حامی۔

لارڈ کرزن کے تعلیمی اصلاحات میں بھی انگریزی ذریعہ تعلیم سرفہرست تھی۔ اس کے زمانے میں یونیورسٹی کمیشن (1902)، انڈین یونیورسٹی ایکٹ (1904) میں بھی خصوصیت کے ساتھ انڈین انگریزی کی تعلیم اور تکنیک کے سائنس کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم کے فروغ ابتدائی مدرسوں کے ساتھ کی ٹریننگ بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے وظیفے، ذریعہ تکنیکی تعلیم کے ریسرچ کے ادارے میں انگریزی ذریعہ کے تعلیم یافتہ لوگوں ترجیح دی جاتی تھی جس سے آگے آنے والے زمانے میں مارڈن ایجوکیشن یعنی جدید تعلیمی ترقی کے لئے انگلش میڈیم کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935

برطانوی عہد کا آخری دور سیاسی اور تعلیمی دونوں لحاظ سے چیلنج کا دور تھا۔ اس لئے کہ ادھر سیاسی سطح پر پورن سوراج کا نعرہ لگ چکا تھا تو تو لیمی طور پر عدم تعاون کی تحریک کے درمیان دیسی تعلیمی ادارے قائم ہو چکے تھے اور ایک ایسی تعلیمی نظام کی

تلاش کی جا رہی تھی جو اپنے آپ میں خود کفیل ہو اور سرکاری عیانت کے بھروسے نہ چلے۔ ایسے میں 1935 کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ آیا اس ایکٹ ایڈمنسٹریشن نے باصص دو عملی نظام کا خاتمہ کر دیا۔ صوبائی ایڈمنسٹریشن کو ایک وزارت کے ہاتھ میں دے دیا گیا جو اس Legislature کے سامنے جواب دہ تھی۔ جس میں منتخب اراکین کی اکثریت تھی۔ یہ نیا نظام صوبائے خود مختاری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 1935 کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ آزادی سے پہلے کے تعلیمی تاریخ کا ایک اہم واقعہ

ہے۔ جس میں 1919 کے تعلیمی ایکٹ کے ان قوانین کو کل عدم کرار دے دیا گیا جس میں کئی خامیاں تھیں اور اس ایکٹ کے ذریعے تمام تعلیمی سرگرمیوں کو صرف دو سطحوں میں وفاقی یا مرکزی اور ریاستی یا صوبائی میں تقسیم کر دیا۔ وفاقی یا مرکزی انتظام کے تحت تعلیم و تمدن کے جو ادارے یا معاملات شعبہ آئے تھے ان میں

(i) Imperial Library کلکتہ، انڈین میوزیم کلکتہ Victoria Imperial War museum، Memorial کلکتہ اور اسی قبل کا کوئی دوسرا ادارہ جو وفاقی مالی امداد سے چلتا ہو۔

(ii) فوجیوں کی تعلیم

(iii) بنارس ہندو یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(iv) قدیم اور پرانی یادگاروں کا تحفظ

(v) آثار قدیمہ

(vi) مرکزی انتظامی اور خطوں میں تعلیم کا انتظام خاص تھے جبکہ ریاستی یا صوبائی اختیارات مرکز کے زیر نگرانی اداروں اور علاقوں کے علاوہ تعلیم سے متعلق تمام معاملات ریاستی یا صوبائی انتظام سے شامل سمجھے جاتے تھے۔

1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت محفوظ اور منتقل صوغات کے درمیان پرانہ امتیاز ختم ہو گیا۔ مرکزی یا وفاقی حکومت کے رول میں کسی طرح کی تبدیلی آزادی کے حصول تک نہ آئی، اور مرکزی حکومت، پارلیامنٹ کے سامنے جواب دہ رہی۔ 1946 میں مرکزی حکومت کا شعبہ تعلیم پہلی بار قوم کنٹرول میں آیا جب جو اہر لعل نہرو نے اپنے عبوری کابینہ تشکیل دی اور مولانا آزاد پہلے وفاقی وزیر تعلیم بنائے گئے۔

1936 سے 1947 کے اعداد و شمار کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس درمیانی مدت میں یونیورسٹی کے طالب علموں کی تعداد دو گنا ہو گئی لیکن ثانوی تعلیم میں اس لحاظ سے ترقی سست رہی۔ ذریعہ تعلیم ثانوی منزل میں ہندوستانی زبانوں کو اختیار کیا گیا لیکن اس میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پیشہ ورانہ اور متبادل مثلاً Commercial، Technical اور زراعتی تعلیمی اداروں کی ترقی ہوئی اور اس دہائی میں ثانوی منزل پر پہلی دفعہ متبادل پیشہ ورانہ یا Vocational کورسز کو

راج دیا گیا۔ اسی زمانے میں اساتذہ کی تربیت کا انتظام ٹریننگ کالجوں کے ذریعے ہوئی اور ٹریننگ کالجوں کی تعداد میں اچھا خاصہ اضافہ ہوا۔ ٹریننگ کالج میں خواتین کی تعداد زیادہ بڑھی یہ ایک خوشگوار واقعہ تھا۔ اس دہائی میں گاندھی جی کے ذریعہ بیسک ایجوکیشن کا تصور پیش کیا گیا جس کو ڈاکٹر ذاکر حسین اور خواجہ غلام الدین نے عملی جامہ پہنایا۔

واردہا تعلیمی اسکیم (1937)

متحدہ ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے تعلیمی اداروں کی تعداد کی کمی اور تعلیم میں اخراجات تعلیمی وسعت پہ اثر انداز تھی۔ چنانچہ اتنی بڑی آبادی میں چند فیصد لوگ ہی تعلیم یافتہ تھے۔ انگریزی تعلیم کا دور..... ہونے کی وجہ سے اور تکنیکی اور صنعتی تعلیم کی ترقی ہونے کی وجہ سے گھریلو صنعتیں اور کاریگری بیکار ہو گئے تھے۔ چنانچہ انکے بچوں کی بھی تعلیم ایک مسئلہ بنا ہوا تھا ایسے میں بابائے قوم مہاتما گاندھی نے تعلیم کا ایک نظریہ پیش کیا۔ جسے بیسک ایجوکیشن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور جس کی ابتدا واردہا میں ایک اسکیم کے اعلان کے ذریعے ہوا صوبائی خود مختاری کے قانون کے بعد سات (7) ریاستوں میں کانگریس کی سرکاری بنی

اور قومی نظام تعلیم کے نظریے کو ان ریاستوں میں فروغ دینے کی بات کہی گئی۔ قومی نظام تعلیم کی تشکیل کے ابتدائی 3 تصورات بیسک ایجوکیشن، تعلیم بالغاں اور چھوت چھات کے خاتمے کے ساتھ ہر بچوں کی تعلیم کا تھا۔ ان سات صوبوں میں اس مانگ کا پر زور مطالبہ کیا گیا جس کے لئے کانگریس نے وعدہ کیا تھا کہ کم سے کم مدت میں عام اور مفت لازمی ابتدائی تعلیم بہم پہنچائی جائیگی لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اس تصور کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا تھا اور نہ ہی اس کے اخراجات کے لئے نئے ٹیکس عائد کئے جاسکتے تھے۔ اس مصیبت کی گھری میں مہاتما گاندھی نے ایک تجویز رکھی جس کو سرمایے کی کمی کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا تھا اور سات سال کی عام لازمی اور مفت ابتدائی تعلیم ہر بچے کو بہم پہنچائی جاسکتی تھی۔ اس کے تحت تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید اور سود مند حرفہ کے ذریعے تعلیم دے کر تعلیم کے عمل کو خود کفالی بنایا جاسکتا تھا۔ گاندھی جی نے اس اسکیم کو کوئی نہیں دریافت نہیں بلکہ اس وقت کے حالات پر خصوصی اطلاق تھا۔ انہوں نے لکھا ہے:

”مجھے اس احتیاط پر تعجب بالکل نہیں ہے جس سے وہ (ڈاکٹر اڈن ڈیل) خود کفالتی تعلیم کے مسئلے کو دیکھتے ہیں۔ میرے لئے یہی اصل مسئلہ ہے مجھے اس بات کا ملال ہے کہ میں نے پچھلے چالیس برسوں میں جو کچھ دھندلا دھندلا دیکھا تھا وہ اب حالات کے دباؤ میں بالکل صاف دیکھ رہا ہوں۔ میں نے موجودہ نظام تعلیم کے خلاف 1920 میں پرزور الفاظ

میں اظہار خیال کیا تھا اور اب کم ہی سہی لیکن حال اس کا موقع ملا ہے کہ سات صوبوں کے پر اثر انداز ہو سکوں جو ملک کی جدوجہد آزادی میں ساتھ کام کرنے والے اور ساتھ تکلیفیں اٹھانے والے رہے ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس الزام کو کے تعلیم کا موجودہ طریقہ سر تا پا غلط ہے ثابت کرنے کا ایک شدید جذبہ محسوس کیا

ہے اور ان سطروں میں بھی بڑے ناکافی انداز میں جو کچھ کہنے کی جدوجہد کر رہا ہوں وہ مجھ پر محض ایک فوری خیال کی طرح روشن ہوا اور اس نور کی طرح حقیقت روزانہ مجھ پر واضح ہوتی جا رہی ہے۔“

(سید نور اللہ اینڈ جے پی ناند-1BD-صفحہ نمبر 7 بحوالہ)

گاندھی جی نے اس اسکیم کا اعلان 'واردھا' میں کیا۔ بنیادی تعلیم تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کسی ماہر تعلیم کی ضرورت تھی جو اس کا خاکہ تیار کرتا اور زمینی حقائق سے روشناس کرا کر عملی جامہ پہناتا۔ چنانچہ گاندھی جی نے اس پورے منوبے کو ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں رو بلانے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی جو اس کے خاکہ پر غور کرے۔ اس اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلی لائی جائے اور ایک ایسا تعلیمی نظام مرتب کیا جائے جو بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے علم و عمل اور جسم و دماغ میں ہم آہنگی پیدا کرے نیز طلباء میں حرفت کے ذریعے خود کفالتی کار حجان پیدا کیا جاسکے اس کے ذریعے تعلیم کے اخراجات کا بوجھ والدین اور حکومت ہر کم سے کم پڑے۔ گو کے گاندھی جی کی پہلی پسند ڈاکٹر ذاکر حسین تھے لیکن ڈاکٹر ذاکر ان کی عدم پرستی کی وجہ سے یہ کام مشکل نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ گاندھی جی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی نظر علی گڑھ ٹریننگ کالج کے سربراہ اور جوان ماہر تعلیم خواجہ غلام الدین پر پڑی اور خواجہ غلام الدین نے گاندھی جی کی اس تعلیمی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کے خاکے میں رنگ بھرنے کی بھرپور کوشش کی بقول محمد حلیم خان سابق صدر تعلیمات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

”یہ بات شاید بہت کم افراد کو معلوم ہے کہ اس نصاب کی ترتیب کا کل کام علی گڑھ ٹریننگ کالج کے سپرد کیا گیا تھا اور اس کی تیاری کی سربراہی کی ذمہ داری سیدین صاحب کو دی گئی تھی۔ حبیب الرحمن صاحب عبدالغفور صاحب، تدبر حسین صاحب اور قیصر حسین زیدی صاحب سب نے جو ٹیم ورک کیا وہ دیکھنے کے لائق تھا اور آخر کار اس اسکیم کی مقاصد تعلیمی

ڈھانچہ کی ترتیب کا خاکہ مرتب کر کے ذاکر صاحب کو پیش کر دیا اور یہ خاکہ اسی طرح عمل کی کسوٹی پر کتنے کے لئے پیش کر دیا گیا۔“

(محمد حلیم خان مقدمہ ذکر سیدین بحوالہ ڈاکٹر ریاض احمد۔ مولنوگراف خواجہ غلام الدین)

اس تعلیمی خاکے میں خود تعلیم کے ساتھ ساتھ خود کفالی پہلو مضمّن تھا۔ یہ تعلیم مفت اور لازمی، سات سال کی ملک گیر پیمانے پہ ہونی

چاہئے۔ اور اس کا ذریعہ تعلیم مادری زبان ہوگی۔ اس ساری مدت میں تعلیمی عمل کا مرکز ہاتھ کے کسی سودمند کام کو مہارت کو ہونا چاہئے۔ تمام صلاحیتیں اور تمام تربیت جو دی جانی ہے تعلیم کے ساتھ ساتھ مرکزی حرفے سے مربوط ہونی چاہئے اور حرفے کی انتخاب میں بچے کے ماحول کا خاص خیال رکھا جانا چاہئے۔ اس تعلیم کے درمیان انگریزی ہندی پڑھائی جائے گی۔ منتخب حرفوں کی تعلیم اور مشق اس طرح ہوگی کہ بچہ کار ایگر بن جائے اور ایسی چیزیں بنانے لگیں جو استعمال بھی ہو اور اسکول کے اخراجات کے کچھ حصے کو پورا کرنے کے لئے انہیں بیچا بھی جاسکے۔ تجویز شدہ حرفوں میں کٹائی، بنائی، گنے کا کام لکڑی کا کام، باغبانی۔ کچن گارڈنگ اور کھیتی باڑی کے کام کی تجویز تھی حرفے کی تعلیم میکانیکی انداز سے ہیں بلکہ بتدریج دھیرے دھیرے بچے کے سماجی شعور اور سائنٹیفک طریقہ کار سے ہوگا۔ حرفے کو مرکز بنانے والے اس تعلیم میں تمام مضامین حرفے سے مربوط ہونگے یا پھر انہیں بچے کے طبعی و سماجی ماحول سے مربوط کیا جائے گا۔

تعلیم کا یہ نیا نظریہ سات صوبوں میں نافذ کرنے کی سعی کی گئی۔ کہیں زیادہ اور کہیں کم مقبولیت کے ساتھ نافذ العمل ہوا لیکن کچھ ہی دنوں بعد دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور اس کے بعد ہندوستان چھوڑا آندولن اور پھر پوری آزادی کی مانگ اور پھر آزادی کی حصول کی وجہ سے اس پہ پوری طرح عمل درآمد نہ ہو سکا۔ کئی ماہرین تعلیم نے اس کی مخالفت بھی کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ اسکے استادوں کی ٹریننگ کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ کوٹھاری کمیشن کے آنے تک یہ کسی نہ کسی طرح اسکولوں میں نافذ العمل رہا لیکن کمیشن کی رپورٹ کے بعد اس کی مرکزی حیثیت ختم ہو گئی۔

2.3 دورِ جدید میں تعلیم (آزادی کے بعد)

Education during Modern Period (Post- Independent Era)

آزاد ملک کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے جنوری 1948 میں وزیر تعلیم مولانا آزاد کے ذریعے بلائی گئی تعلیمی کانفرنس میں اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ

”ہندوستان میں تعلیم کا منصوبہ بنانے کے لئے جب کبھی کانفرنس بلائی گئی ہیں تو ان میں اصولی طور پر کچھ ترمیموں کے ساتھ مروجہ نظام کو باقی رکھنے کا رجحان رہا ہے اب ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ملک میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور تعلیمی نظام کو بھی ان کے ساتھ قدم سے قدم ملائے رکھنا چاہئے۔ اب تعلیم کی ساری بنیاد بدل جانی چاہئے.....“

آپ جانتے ہیں کہ ہمارا آئین ہمیں اس بات کا ضمانت دیتا ہے کہ سارے شہریوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی یکساں

انصاف ملے اظہار خیال، یقین، عقیدے اور عبادت کی آزادی ہو اور مساوی حیثیت کے موافق ملے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے شہریوں کو باشعور ہونا نہایت ضروری ہے اور شعور کی کنجی تعلیم ہے گویا کسی ملک کی تعمیر و ترقی میں تعلیم کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارا آئین 26 جنوری 1949 کو پاس ہوا (بن کر تیار ہوا) اور 26 جنوری 1950 کو نافذ ہوا۔ اول اس بات پر غور و خوض کیا گیا کہ مرکزی حکومت اور ریاستوں کے درمیان تعلیمی ذمہ داریوں کی تقسیم کیسے ہو کیونکہ آئین تعلیم کے معاملات کو ریاستی فہرست میں رکھنے کی اجازت دیتا ہے جبکہ کچھ معاملات پر مرکز کو پالیسی بنانے اور نافذ کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ آزادی کے وقت ہمارے ملک کی تعلیمی صورت حال بہت زیادہ بہتر نہیں تھی کیونکہ اس سے پہلے کی حکومت کو ملک کے عوام کی تعلیمی ترقی سے زیادہ شروکار نہیں تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے آزاد ہندوستان کو پہلا وزیر تعلیم ایسا ملا جس کی دوراندیشی نے بہت جلدی ہی تعلیمی مسائل پر بہت حد تک کنٹرول حاصل کر لیا اور آزادی کے بعد فوری طور پر اٹھائے گئے تعلیمی اقدامات بہت ہی مفید اور دور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آزادی کے بعد ہمارے ملک کی ہمہ جہت ترقی کے لئے پنج سالہ منصوبہ تیار کئے گئے۔ ان منصوبوں میں بھی تعلیم کی فوری اور آنے والی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا گیا سارجنٹ پلان میں کی گئی منصوبہ بندی کی بنیاد پر ریاستوں میں تعلیمی توسیع و ترقی کی اسکیمیں اپنائی اور مرکز میں وزارت تعلیم کے زیر انتظام سائنسی، تکنیکی و تحقیقی میدان میں پیش رفت کے لئے منصوبہ تیار کئے۔ آزادی کے فوراً بعد 50-51 کے درمیانی وقفے میں تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ نہ دی جاسکی حالانکہ اس سے قبل ہی 1948 میں رادھا کرشنن کی صدارت میں ایک یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کا قیام ہوا۔ پہلے پنج سالہ منصوبہ (55-1951) میں تعلیمی ترقیوں کے لئے ایک سو اتر (169) کردار دئے مختص کئے گئے جس کی وجہ سے ابتدائی تعلیم کے زبردست توسیع ہوئی (ترقی ہوئی) 1952 میں ڈاکٹر لکشمی سوامی مدلیا کی صدارت میں سکندری ایجوکیشن کمیشن قائم کیا گیا۔ 1953 میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا قیام ہوا جس کی منظوری 1956 میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ایکٹ کے تحت ہوئی۔ بیسک تعلیم، سماجی تعلیم اور تعلیم بالغاں و تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دی گئی۔ دوسرے پنج سالہ منصوبہ 60-1956 میں تعلیمی کاموں کے لئے 275 کروڑ روپے منظور کئے گئے جس سے پہلے منصوبہ میں شروع کی گئی اسکیموں کو جاری رکھتے ہوئے ان میں مزید توسیع کی گئی۔ ثانوی تعلیم کی از سر نو تنظیم ہوئی اور آل انڈیا کاؤنسل آف سکندری ایجوکیشن کی بنیاد پر نیز ڈاکٹر ٹیٹ آف ایکسٹنشن پروگرام آف سکندری ایجوکیشن قائم ہوا دریں اشتاں ٹکنیکل ایجوکیشن میں زبردست..... ہوئی۔ بطور خاص یہ منصوبہ ابتدائی تعلیم اور تکنیکی تعلیم کے لئے زیادہ سود مند ثابت ہوا۔

ذیل کے تعلیمی کمیشنوں، کمیٹیوں، پالیسیوں اور سفارشات کا مطالعہ:

آزاد کے فوراً بعد کے عہد میں ہوئی تعلیمی ترقیوں کا مطالعہ آپ نے کیا دوسرے پنج سالہ منصوبہ کے بعد سب سے بڑی

تعلیمی تبدیلی۔ 1964-66 کا قومی تعلیمی کمیشن تھا جسے عرف عام میں کوٹھاری کمیشن کہا جاتا ہے۔ آزادی کے وقت اعلیٰ تعلیم داخلوں کی کل تعداد دو لاکھ تینس 233000 مرد اور کل 23 ہزار عورتوں کی تھی جبکہ قومی تعلیمی کمیشن کے وقت 1965-66 میں داخلہ لینے والے لڑکوں کی تعداد بڑھ کر 13 لاکھ 70 ہزار اور لڑکیوں کی تعداد 3 لاکھ 1 ہزار ہو گئی۔ اس سے آزادی کے فوری بعد کی تعلیمی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تکنیکل، زراعتی، میڈیکل کی تعلیم میں بھی خاطر خواہ توسیع ہوئی۔ 1949-50 میں زراعت کے 15 کالج، طب کے 35 کالج، انجینئرنگ کے 23 کالج اور ٹکنولوجی کے صرف 5 کالج تھے جو 1960-61 میں بڑھ کر بالترتیب 36، 133، 86 اور 12 ہو گئے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں بھی اس زمانے میں خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ اس زمانے میں تعلیمی ترقی اور توسیع کا ایک اچھا پہلو یہ تھا کہ دیہی اسکولوں اور لڑکیوں کی تعداد میں توقع سے زیادہ اضافہ ہوا۔

1964-66 میں ملک کے باضابطہ قومی تعلیمی کمیشن نے اپنی سفارشات پیش کی جس سے مستقبل میں تعلیمی ترقی، تعلیمی مقاصد اور تعلیمی ڈائیورسٹی کا پتہ چلتا ہے۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے معاملے میں مرکزی اسکولوں/ اداروں اور ریاستی اسکولوں/ اداروں کے درمیان ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی سطح پر کچھ مسائل پر پیدا ہونے کی وجہ سے آئینی ترمیم کے ذریعے 70 کی دہائی میں تعلیم کو ریاستی فہرست سے مشترکہ فہرست میں لایا گیا تاکہ اس مہنج پر تعلیمی دستواریوں پر قابو پایا جاسکے۔ اسی طرح تعلیم پر کمیشن اور کمیٹیاں تو کئی بنائی جا چکی تھی لیکن پالیسی بنانے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی چنانچہ 1986 میں نیشنل پالیسی آن ایجوکیشن بنائی گئی اور اس کی ترقی اور کامیابی کا جائزہ لینے کے لئے ہر 5 سال کے بعد پروگرام آف ایکشن (PoA) کا بھی Provision کیا گیا۔ آزادی کے دس (10) سال بعد ہی یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ صد فی صد خواندگی اگلے دس سال میں حاصل کر لی جائیگی تاہم ہر دس سال کی تکمیل ہر اگلے دس سال کی منصوبہ بنانی پری۔ اسی ضمن میں ملک میں ابتدائی تعلیم کو توسیع، ترویج اور ترقی کے لئے کئی طرح کے منصوبے بنائے گئے تاکہ ہمہ گیر ابتدائی تعلیم کا ہدف حاصل کیا جاسکے۔ ان میں EFA اور SSA بطور خاص ہیں۔ 21 ویں صدی کے شروع میں ثانوی تعلیم کی ہمہ گیریت کے لئے USE کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے۔

سکنڈری ایجوکیشن کمیشن 1953 :

ثانوی تعلیم، ابتدائی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے بیچ کی مضبوط کڑی ہوتی ہے کسی بھی ملک کے اعلیٰ تعلیم کی بہتر ترویج و ترقی کے لئے ثانوی تعلیم کا مضبوط ہونا اور ترقی یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہندوستان میں بھی یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کے قیام کے بعد سب سے پہلے ثانوی تعلیم پر توجہ دی گئی 1948 اور 1952 میں ڈاکٹر A.L. Mudalen کی صدارت میں سکنڈری

ایجوکیشن کمیشن مقرر کیا گیا جس نے 1953 میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ آزاد ہندوستان میں سب سے پہلی اور اہم دستاویز سمجھی جاتی ہے جس میں ثانوی تعلیم کی تشکیل نو کے لئے بہت سی سفارشات پیش کی گئیں۔ یہ سفارشات کی کہ اسکولی تعلیم کی مدت 12 سال سے گھٹا کر 11 سال کر دینی چاہئے۔ یہ اندازہ لگایا گیا کہ 11 سال کی تکمیل کے وقت ہندوستان میں نوجوانوں کی عمر 17 سال کی ہوگی اور وہ نوجوان یونیورسٹی کے درجات میں داخلہ لینے کے لئے ذہن اور جسمانی طور پر تیار ہوگا۔ اس سے پہلے اس منزل کی تعلیم کے لئے 12-13 سال تک کا وقفہ درکار ہوتا تھا۔ کمیشن کے ثانوی تعلیم کے نصاب کی از سر نو تدوین کی بھی سفارشات کی اور یہ وضاحت کی کہ تدریس میں اگر جدید اور بہتر طریقے استعمال کئے جائیں تو 12-13 سال کی تعلیم کو 11 سال میں مکمل کیا جاسکتا ہے۔ اس کمیشن کی سفارشات کے مطابق ابتدائی تعلیم کی مدت 7 یا 8 سال تھی جسے دو زمروں میں 3 سال اور 5 سال یا 3 سال اور 4 سال منقسم کیا گیا تھا۔ اور سکندری کورس کے لئے 3 یا 4 سال کا وقفہ رکھا گیا تھا۔ جس کو کمیشن نے یکساں کر کے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی کل مدت کو 11 سال کرنے کی سفارشات کی اور یہ بھی سفارشات کی کہ ہائر سکندری کے مضامین کے انتخاب کے لئے ذیل کے فارمولے کا استعمال کیا جائے۔

(i) تین زبانیں مادری زبان، وفاقی زبان (ہندی) اور انگریزی جن بچوں کی مادری زبان ہندی تھی انہیں ہندی کے علاوہ کوئی دوسری ہندوستانی زبان پڑھنی تھی۔

(ii) سماجی علوم اور سائنسی علوم، ریاضی کے ساتھ

(iii) اسکولوں میں تجویز کئے گئے حروف (کرافٹس) میں سے کوئی ایک حرف

(iv) سات اضافی مضامین کی تجویز پیش کی گئی تھی جن میں سے کئی تین کا انتخاب کرنے کے لئے طلباء کو کہا گیا تھا۔ ان مضامین میں ہیومنٹیس، سائنس، ٹیکنیکل، کمرشیل، اگریکلچرل، فنون لطیفہ اور ہوم سائنس کے مضامین شامل تھے۔

سکندری ایجوکیشن کمیشن نے امتحانات کے متعلق بھی کئی اصلاحات کی سفارشات پیش کی۔ روایتی امتحان کے طریقوں جو نتائج میں غیر معتبر تھے اور میکانکی تھے ان طریقوں کو بدل کر جانچ کے نئے طریقوں کے ذریعے طالب علم کی سبھی تعلیمی صلاحیتوں کا اندازہ لگانا شامل تھا۔ تاکہ طلباء کی تعلیمی ترقی کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

سکندری ایجوکیشن کمیشن نے اساتذہ کے معاملے میں بھی کئی سفارشات پیش کئے جس میں ثانوی اسکولوں کے اساتذہ کی تنخواہیں Allowances، ملازمت کی duration، ریٹائرمنٹ کی عمر اور دوسری ملازمت کے شرطوں کو بہتر بنانے کی سفارشات کی تاکہ زیادہ سے زیادہ قابل افراد کو تعلیم کے شعبے میں لایا جاسکے اور ثانوی تعلیم کو بہتر بنایا جاسکے۔

کمیشن نے دیہی اور شہری معاشی ترقی کے لئے ثانوی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے والے نوجوانوں کو تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم رہنے کے لئے سفارشات کی۔ یہ سفارشات ثانوی تعلیم کے تکمیل سے قبل اور ثانوی تعلیم کے تکمیل کے بعد دوزمروں کی تھی۔

کمیشن کی دوسری سفارشات میں طریقے تدریس، تجربہ گاہیں فیلڈ ورک اور ہوم سائنس اور زراعت میں بہتر مواقع کے لئے تجرباتی علم شامل تھے۔ کتب خانوں، تجربہ گاہوں، سمعی و بصری امدادی سامان کے استعمال اور سکندری اسکول کے آخری امتحان کی ذمہ داری یونیورسٹی کے بجائے سکندری ایجوکیشن بورڈ کے ذریعہ کرانے کی سفارش کی تھی۔

کوٹھاری کمیشن 1964-66

ہندوستان کے تعلیمی تاریخ میں سب سے جامع اور مفصل تعلیمی دستاویز جسے عرف عام میں کوٹھاری کمیشن کہتے ہیں 1964-66 میں پیش کیا گیا کہ اس تعلیمی کمیشن میں آزادی کے بعد ہوئی تعلیمی ترقیوں کا جائزہ اس مستقل کی ترقی کے لئے لائحہ عمل کی سفارش شامل تھی۔ مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر ڈی۔ ایس کوٹھاری کو حکومت ہند نے اس کا صدر نشین مقرر کیا۔ یہ اصل میں تعلیم پر قومی ترقی کا ایک تاریخ ساز دستاویز تھا۔ اس سے قبل یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن اور سکندری ایجوکیشن کی طرح اس کے حدود متعین پیدا کئے گئے تھے پورے تعلیمی نظام میں تصحیح اور تبدیلی کی ضرورت تھی جو ملک میں انسانی مسائل سماجی فلاح و بہبود اور معاشرتی ترقی اور تعلیم کے مختلف شعبوں جنرل ایجوکیشن، سائنسی تعلیم، تکنیکی تعلیم، اساتذہ کی تربیت، پروفیشنل و ووکیشنل ایجوکیشن، خواتین کی تعلیم نے زبانوں کی تعلیم درج فہرست اور قبائل اور سماج میں پچھڑے لوگوں کے لئے تعلیمی ترقی کا ایک جامع نصب العین کوٹھاری کمیشن کی طرف سے پیش کیا گیا۔ حکومت ہند کے قرارداد نمبر۔

مورخہ 14 جولائی 1964 - کوڈاکٹر کوٹھاری کی صدارت میں 17 حجر کمیٹی نے اس کا کام شروع کیا۔

قومی تعلیمی کمیشن یا کوٹھاری کمیشن کے ذریعہ پیش کئے جانے والے تعلیمی اصلاح اور نصب العین کا اس کے پہلے جملے سے ہی پیشہ چلتا ہے کہ ”ہندوستان کی تقریر اسکے کلاس روم میں لکھی جا رہی ہے“ یہ صرف کہنے کی بات نہیں تھی بلکہ موجودہ ہندوستان کی تعلیمی ترقی تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی ترقی مختلف طرح کے تحقیقی ترقی، انسانی وسائل کی ترقی، اور ایک بے پناہ ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ ثانوی، اینٹرگریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ، کوٹھاری کمیشن کی سفارشات خون ملت ہے کوٹھاری کمیشن نے جن تین نہایت ضروری نکات پر کی نشاندہی کی ان میں قومی ترقی کے پروگرام میں تعلیم کے رول کا ازسرنو جائزہ لیا جانا، مناسب کردار ادا کرنے کے لئے موجودہ نظام تعلیم میں ضرورت کے مطابق..... کی نشاندہی کرنا اور اسی بنیاد پر تعلیمی ترقی کا پروگرام ترتیب دینا اور پوری قوت اور مٹم الوے کے ساتھ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانا۔

کوٹھاری کمیشن کے مقاصد میں سماجی اقتصادی اور تمدنی تبدیلیوں کے لئے تعلیم کو یہ حیثیت الہ کار استعمال کرنے کی بات کہی گئی۔ تاکہ عوام معیار زندگی اور ان کی خواہشات اور ضروریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ تباہی تعلیم سماجی

معاشی، معاشرتی اور تمیدی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم پیداواریت کے مطابق ہو، تعلیم سماجی اور قومی یکجہتی کو فروغ دے، حکومتی نظام کی حیثیت سے جمہوریت کو مستحکم کرے اور طرز زندگی کی حیثیت سے اختیار کرنے میں موثر معاون ثابت ہو۔ تعلیم کے ذریعہ جدیدیت کے عمل میں تیزی لائی جاسکے اور تعلیم کے ذریعے سماجی، اخلاقی اور روحانی اقدار کی نشوونما سے افرادی کردار میں مثبت اور تعمیری تبدیلی لائی جاسکے۔ کوٹھاری کمیشن کے تجاویز کے مطابق سائنس اسکول کی تعلیم کا لازمی جز ہونا چاہئے جسے بعد میں یونیورسٹی سطح تک توسیع کی جاسکے۔ کام کا تجربہ یعنی ورک ایکسپیریمینٹ اور تجربہ گاہ کے عمل تعلیم کا حصہ ہونا چاہئے۔

ورک ایکسپیریمینٹ کے ذریعہ پیشہ ورانہ زراعت، انڈسٹری اور ٹکنالوجی کے تعلیم و تربیت میں معنویت پیدا کی جائے۔ ثانوی تعلیم کو بڑے پیمانے پر پیشہ ورانہ بنایا جائے۔ اعلیٰ تعلیم میں زراعت اور تکنیکی تعلیم کو اہمیت دی جائے۔ تعلیم سے سماجی افادیت اور Sustainable development کا کام لیتے ہوئے ایک مشترکہ تعلیمی نظام قائم کیا جائے، تمام طالب علموں کے لئے تعلیم کی ہر سطح پر سماجی خدمت (Social Work) کو لازمی کر دیا جائے۔ پرائمری سطح کی تعلیم میں سماجی خدمت کو بنیادی تعلیم کے اسکیم سے جوڑا جانا چاہئے۔ ثانوی

تعلیم اور اعلیٰ ثانوی سطح کی تعلیم میں تیس دن (30) اور بیس دن (20) کے لئے سماجی خدمات کے لئے پروگرام ترتیب دیا جانا چاہئے۔ UG اور PG پر سماجی خدمت کے وقفے کو (60) دن تک توسیع کر دینا جانا چاہئے۔ تمام تعلیمی ادارہ کو سماجی خدمت اور کمیونٹی سروس کے پروگرام کا انعقاد کرنا چاہئے۔ موجودہ NSS کے اسکیم کی توسیع کی جانی چاہئے۔ مناسب لسانی پالیسی اپنا کر قومی یکجہتی کو فروغ دیا جانا چاہئے۔ مادری زبان کو تعلیم کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ علاقائی زبانوں میں بھی نصابی کتابوں کی تیاری ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں سائنسی تعلیم اور سائنسی نصاب کو بالخصوص ذہن میں رکھنا چاہئے۔ نئی نئی ایجادات کو ترجمہ کے ذریعہ علاقائی زبانوں میں نصابی کتابوں میں شامل کیا جانا چاہئے۔ قومی اداروں کے لئے فی الوقت انگریزی زبان کو ہی ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کیا جانا چاہئے۔ اور آہستہ آہستہ نیشنل زبان ہندی کو اس کی جگہ لینی چاہئے۔ مختلف علاقائی زبانوں کو وہاں کے انتظام میں استعمال کیا جانا چاہئے انگریزی زبان کی تدریس کا اسکولی سطح سے ہی ہونا چاہئے اور دوسری بین الاقوامی زبانوں کی درس آغاز و تدریس میں شامل کر کے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے تاکہ بین الاقوامی سطح پر ترسیل کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ قومی سطح پر اپنے تمدنی سیرات (Cultural Heritage) کا سروے کر کے اس کے تحفظ کے اقدامات کرنا چاہئے۔ فائن آرٹس (ادب عالیہ) یعنی زبان و ادب، فلسفہ مذاہب، تاریخ، فن تعمیر، مجسمہ سازی، مصوری، موسیقی اور ڈرامہ و آرٹ کی تعلیم و تربیت کو فروغ دیا جانا چاہئے۔ علم شہریت کی تعلیم جذوی یا کلی طور پر ہر طالب علم کو دیا جانا چاہئے تاکہ مستقبل میں ایک بہتر شہری بن سکے۔

جہوری اقدار اور ماحولیاتی تحفظ کی تربیت بھی کم و بیش تمام طلباء کو بہم پہنچانی چاہئے۔

کوٹھاری کمیشن کے اساتذہ کے صلاحیت، قابلیت انکی پیشہ وارانہ تربیت اور سروس کے معیار کو بلند کیا جانا چاہئے۔ سروس کنڈیشن میں تنخواہ (Pay Scale)، allowances، Retirement Benefit اور Pension کو نافذ کر کے اساتذہ کے سماجی معیار کو بلند کیا جانا چاہئے تاکہ درس و تدریس کے پیتے کی طرف کئی نسل کار جمان بڑھے کوٹھاری کمیشن نے یونیورسٹی سطح، اسکولی سطح، پختواہوں کی الگ الگ اسکیل، ترقی کے مواقع (Promotion) ٹیچر بہبود فنڈ، اور معیار زندگی کے مطابق Retirement allowances کی عمر، 60 سال ہونی چاہئے جس کی توسیع 65 سال تک سبکدوشی ہونی چاہئے۔

اساتذہ کس ترتیب کو یونیورسٹی کی تعلیمی زندگی کا اٹوٹ حصہ بنایا جانا چاہئے۔ کوٹھاری کمیشن کے مختلف سطح کی اساتذہ کی تربیتی پروگرام۔ مثلاً بیک ٹریننگ، B.Ed، M.Ed، B.P.Ed، M.P.Ed اور MA(Education) شروع کرنے سفارش کی تھی۔ منتخب یونیورسٹیوں کو ہدایات جاری کی گئی کہ ان کے پاس اسکول آف ایجوکیشن ہونا چاہئے۔ کوٹھاری کمیشن نے تعلیمی ترقی کے ہر پہلو پر تفصیلی طور کی اور اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر سفارشات پیش کی۔ تعلیمی معیار، داخلہ، تعلیمی مواقع، نصاب اسکول، اسکولی انتظامیہ، ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم، اعلیٰ تعلیم سائنس و ٹکنالوجی، زرعی تعلیم اور طبی تعلیم اور ایجوکیشنل مینجمنٹ جیسے تعلیمی مسائل پر سیر حاصل بحث کر کے حکومت کو سفارشات پیش کی۔

قومی تعلیمی پالیسی - 1986.NPE

انفرادی سماجی، معاشی اور سائنسی و تکنیکی ترقیاں تعلیم کی مرجون منت ہیں۔ لیکن جیسے جیسے ان کو صورت حال اور مانگ میں تبدیلی ہوتی ہے۔ تعلیم اور تعلیمی انتظام میں بھی تنوع پیدا ہونا چاہئے تاکہ بدلتے ہوئے زمانے اور مانگ کا پھر دے سکیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ 1964-66 میں پہلی بار ایک جامع تعلیمی کمیشن نے اپنی بہت ہی وسیع اور متنوع سفارشات پیش کی تاہم سائنسی، سماجی، سیاسی اور آبادی میں اضافے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اپنی تعلیمی پالیسی میں بھی تبدیلی لائیں۔ اسی ضرورت کے تحت 1986ء میں تعلیمی پالیسی کی تشکیل ہوئی۔ حقیقتاً اس کی داغ بیل 198

5 میں ہی پرچلی تھی۔ جب حکومت ہند نے تعلیم پر نئی پالیسی تیار کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس نئی تعلیمی پالیسی کے مسودے کو 1986 کے بجٹ اجلاس میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا اور اس پر کافی بحث و تمیز کے بعد اسے آخری شکل دے دی گئی اور بالآخر اسے عملی جامہ پہنایا گیا۔ نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق ہر فرد کے ہمہ جیت ترقی کے لئے تعلیم بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

تعلیم آزاد حیالی سائنس ٹیمپرامینٹ اور خوبی کی جہتی کے فروغ کے لئے لازمی چیز ہے جس کے ذریعے شوٹسم، سیکولرزم اور جمہوری نقطہ نظر کا فروغ ہوتا ہے۔

تعلیم ہی معاشیات، اقتصادیات کی مختلف سطحوں کے لئے انسانی وسائل تیار کرتی ہے۔ تعلیم ہی تحقیق و ترقی کی بنیاد ہے جس سے بالآخر قومی خود کفالت، Sovereignty قومی تعلیمی پالیسی نے تعلیم پر اخراجات کو ایسی سرمایہ کاری سے تعبیر کیا جو حال اور مستقبل دونوں کو سنوارتی ہے۔ لہذا تعلیم کی بنیاد آئین کے ان اصولوں پر ہونا چاہئے جس کے ذریعے کسی بھی سطح کے، خطے کے اور نسل کے طلباء کو بلا لحاظ مذہب و ملت، ذات پات، جنس اور خطے اور علاقے کی بنیاد پر ایک جیسی تعلیمی مواقع میسر ہونا چاہئے۔ سرکار ان مقاصد کے حصول کے حصول کے لئے مناسب رقم موثر ڈھنگ سے خرچ کریں گے، مشترکہ اسکولی نظام قلام کرنے کے لئے بھی مناسب اقدامات کئے جائیں گے جس سے متعلق 1968 کی تعلیمی پالیسی نے بھی سفارش کی تھی۔

پورے ملک میں ایک ہی نظام تعلیم 10+2+3 رائج ہوگا۔ اسکولی سطح کے دس (10) سالہ تعلیم پانچ (5) سالہ ابتدائی، 3 (تین) سالہ اعلیٰ ابتدائی اور دو (2) سالہ ہائی اسکول پر منقسم کیا جائے گا۔ قومی تعلیمی پالیسی کے مطابق ایک ایسا بنیادی قومی نصاب کا خاکہ تیار کیا جانا چاہئے جو عمومی طور پر مشترکہ ہو اور بعد اعضاء لچک دار ہوں تاکہ ضرورت کے مطابق اس میں تبدیلی لائی جاسکے۔ مشترکہ بنیادی نصاب کے حصے میں متحرک آزادی کی تاریخ، آئینی اور بشری ذمہ داریاں اور قومی شخص کو فروغ دینے والے مضامین شامل ہونگے۔ اس نصاب کے مضامین میں اقدار، مشترکہ قومی ورثہ، مساوات، جمہوریت، سیکولرزم، جنسی مساوات ماحولیات کا تحفظ اور سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان خلیج کو ختم کر کے سائنسی مزاج کا فروغ دینا شامل ہوگا۔

عالمی پیمانے پر ہو رہی تبدیلیاں اور بین الاقوامی روابط عالمی بھائی چارہ اور Sustainable development کے لئے نصاب میں مضامین شامل ہوں اور انسانی مساوات کو ترجیح دینے والے جذبے کو بیدار کیا جانا چاہئے۔

تعلیم کے ہر مرحلے کا معیار متعین ہونا چاہئے اور چونکہ ملک کے مختلف حصوں کی سماجی، مذہبی، تاریخی اور ثقافتی، ورثا الگ الگ ہیں اس لئے ان خطوں اور علاقوں میں ان کے اپنے مزاج کے مطابق مضامین شامل ہونا چاہئے تاکہ قومی ہم آہنگی کا فروغ ممکن اور مانگ ہو سکے۔

قومی سطح پر ایک قومی زبان کا فروغ ہونا چاہئے۔ اور اسے رابطے کی زبان کے طور پر فروغ دیا جانا چاہئے اس میں ترجمہ عمومی طور پر اعلیٰ تعلیم اور خصوصی طور پر سائنسی و تکنیکی تعلیم کے طلباء کو ملک کے ایک خطے سے دوسرے خطے میں منتقلی کو آسان بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ اور طلباء کی مطلوبہ قابلیت کی بنیاد پر ملک کے ہر حصے میں ہر معیار کے یونیورسٹیوں/ اداروں میں تعلیم حاصل کرنے اور ایک دوسرے میں انٹرا چینج کی سہولت بھی حاصل ہونی چاہئے۔ تعلیم تحقیق اور

سائنسی ترقی کے اداروں کے درمیان سال میں ہونی چاہئے تاکہ ایک دوسرے کے وسائل سے اساتذہ کر سکیں۔ تاحیات تعلیم کا مقصد خواندگی انسانی طرز زندگی کی سطح میں سدھار ممکن ہو سکے۔

یوجی سی (UGC)، AICTE اور ICAR اور MCI جیسے معروف اور معزز اداروں کو مزید مستحکم کیا جانا چاہئے تاکہ قومی سطح پر نظام تعلیم کو اشوار کرنے میں مدد ملے۔ مذکورہ اداروں کے ساتھ NCERT، NUEPA اور International Institute of Science & Technology اور تعلیم کو آپس میں اشتراک کے ذریعے مختلف سماجی، سائنسی اور تکنیکی شعبہ میں تحقیق کو بڑھاوا دینا چاہئے۔

قومی تعلیمی پالیسی نے تعلیم میں سماجی مساوات، خواتین کی تعلیم درج فہرست اور قبائل زانوں کی تعلیم دیگر پس ماندہ طبقہ اور علاقوں کی تعلیم، اقلیتوں کی تعلیم، معزور لوگوں کی تعلیم اور تعلیم بالغان پر بھی مختلف نکات کے ذریعے اپنی سفارش پیش کی ہے۔ اس پالیسی نے تعلیم کی مختلف سطحوں کی تنظیم نو مثلاً ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیموں کی تنظیم نو کی سفارش کی ہے۔ یہ پالیسی طفل مرکوز تعلیمی رویہ پر زور دینے اور جسمانی سزا کو ختم کئے جانے کی سفارش کی تھی۔ اسکولوں کے سبھی سطحوں پر انفراسٹرکچر اور Infrastructure تعلیمی ساز و سامان مہیا کرانے کی سفارش کی ہے۔ یتیم رسمی تعلیم، پیشہ ورانہ تعلیم، دہی یونیورسٹیاں فاصلاتی تعلیم کو بہتر ڈھنگ سے نافذ کرنے کی بھی سفارش کی ہے۔ تعلیمی پالیسی نے تعلیمی انتظام میں ہر سطح قومی، ریاستی اور سفارشی سطح پر مختلف شعبوں کے اشتراک کی بات کی ہے۔ مالی وسائل کے لئے NPE نے 1968 کے اس پالیسی کا اعادہ کیا جس میں قومی آمدنی کا 6 (چھ) فیصدی تعلیم پر خرچ کیا جائے اور ایسا آٹھویں پنج سالہ منصوبہ میں کر کے دکھایا بھی گیا۔

الغرض NPE نے تعلیم کے مختلف سطح، تنظیم، طریقہ تعلیم طرز تعلیم اور تعلیمی و مالی وسائل پر اپنی جامع پالیسی بنائی تاکہ 21 ویں صدی آغاز میں ملک کے ہر فرد کو تعلیمی سہولت میسر ہو سکے۔

رام مورتی - 1990 Review

1986 کے NPE کے اعلان کے بعد اس کے ہر پانچ سال میں اس کے کامیابیوں اور Implementation کا جائزہ لینے کے لئے PoA کی تجویز پیش کی گئی تھی دریں اسنا سیاسی سطح پر تبدیلی اور حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے اس پالیسی میں تبدیلی کی مانگ کی گئی۔ موجودہ وزیر اعظم مسٹر V.P. Singh نے اس مانگ کو سامنے رکھتے ہوئے سری رام مورتی کی صدارت میں 1990 میں، قومی تعلیمی پالیسی 1986 کو review کرنے کے لئے بنایا۔ یہی کمیٹی رام مورتی review کمیٹی 1990 کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کمیٹی نے اپنا جائزہ رپورٹ

"Towards an Enlightend and Human Society" کے نام سے 26 دسمبر 1990 کو اپنی رپورٹ سوینی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں ملک بھر میں تمدنی، اقدار کے تنزلی کی بات کی اور خطرات ظاہر کئے کہ یہ رویہ تعلیمی اداروں کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ Review Committee نے نیشنل پالیسی آن ایجوکیشن NPE 1986 کی پیش کردہ تعلیمی پالیسی پر چند موزوں review کئے تھے۔ جس میں چند مشورے اس طرح تھے کہ:

پری پرائمری تعلیم Early Care Childhood کی ترقی بہت سست ہے۔ چنانچہ اس میں تیزی لانے کے لئے آنگن واڑی پروگرام کو ترویج دئے جائیں تاکہ غریب شیرخوار بچے اور سوسائٹی کے کمزور بچے کی صحیح دیکھ رکھ ہو سکے۔ کمیٹی نے ابتدائی تعلیم کے زمرے میں تعلیمی پالیسی کے بلیک بورڈ OBB پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا کہ اس عشرے میں 50 فی صد اسکولوں کا ہدف مقرر تھا لیکن صرف 30 فی صد اسکول ہی اس پروگرام سے استفادہ کر سکے ہیں۔ سکندری ایجوکیشن سے متعلق 10+2+3 سسٹم کے تحت جس کی سفارش پالیسی میں کی گئی تھی تنقید کیا کہ اب تک بہت ساری ریاستوں میں اسے لاگو نہیں کیا جاسکا ہے۔ نودیہ ودیالیہ (Navodaya Vidyalaya) کی سفارش بھی NPE کا حصہ تھی اور اس میں کہا گیا تھا کہ پورے ملک میں N.V. کھولے جائیں گے تاہم review تک 261 اسکول ہی قائم کئے جاسکے تھے۔ اعلیٰ ثانوی سطح پر کثیر جہتی تکنیکی تعلیم 25 Polytechnic فی صد طلبا کو مہیا کرانے کا ہدف مقرر تھا۔ جس میں صرف 2.5 فی صد کی تکمیل ہوئی۔ رام مورتی review کمیٹی نے ان باتوں کے علاوہ نیشنل پالیسی آن ایجوکیشن کے ہائر ایجوکیشن پالیسی بالخصوص فاصلاتی تعلیم کے زمرے میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کے زمرے میں اساتذہ کے تربیتی تعلیم، بالغوں، تعلیم میں خ مساوی مواقع کے متعلق نچلے اور نظر انداز کئے گئے اور لینگویز ایجوکیشن پر بھی اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کیا۔

پیش پال کمیٹی

ترقی انسانی وسائل کے وزارت نے فروری 2008 میں ایک کمیٹی قائم کی جس کا کام یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن (AICTE) کے رول اور کام کی جانچ کرتی تھی جو ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے اداروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کمیٹی کے چیرمین معرف سائنس داں پروفیسر پیش پال کو بنایا گیا۔ اس لئے اس کمیٹی کو حرف عام میں پیش پال کمیٹی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کمیٹی نے یونیورسٹیوں کے اعلیٰ رول کا جائزہ لیا۔ جن میں اعلیٰ تعلیمی اداروں IITs، IIMs وغیرہ شامل تھے۔ ان اعلیٰ تعلیمی، تکنیکی اور سائنسی ادارے کے نصاب میں اصلاح اعلیٰ تعلیم میں پنچی کرن کے ساتھ ساتھ ایجوکیشن پالیسی 1986 اور POA 1992 کا بھی جائزہ لیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کمیٹی نے نیشنل کمیشن فار ہائر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ NCHER کے قیام کی سفارش پیش کی۔ NCHER کے قیام کے مقاصد کو تفصیل کمیٹی نے بتائے

ہوئے یہ کہا کہ اعلیٰ تعلیم کا پوری طرح Evaluation (جائزہ) لیا جانا چاہئے۔ یونیورسٹیوں کی خود مختاری کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ یونیورسٹی اور تعلیمی اداروں میں Excellence کا لین دین ہونا چاہئے۔ اعلیٰ تعلیم میں گوڈ گورننس Good Governance کے زمرے میں شفافیت ہونی چاہئے۔ صنعتی اداروں اور اقتصادی اداروں میں تال میل ہونا چاہئے۔ پورے ہندوستان کے تعلیمی اداروں کا قومی سطح پر Database تیار کیا جانا چاہئے۔ اور نیشنل ایجوکیشنل ٹرینوبل کو قائم کیا جانا چاہئے۔ نیز CBSE کے متعلق مزید فکر و تحقیق کیا جانا چاہئے اور نیشنل ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد ڈالنی چاہئے۔ اس کمیٹی کی سفارش کے مطابق NCHER میں چیئر پرسن کے علاوہ 7 ممبران ہونگے۔ چیئر پرسن اور بورڈ کے ممبران کا انتخاب ملک کے وزیر اعظم، پارلیمنٹ میں Opposition leader (جذب اختلاف کا رہنما) اور عدالت عالیہ کا چیف جسٹس کریگا۔

something to be add

2.4 ہندوستانی مفکرین (Educational Thinkers)

2.4.1 رابندر ناتھ ٹیگور

2.4.2 سری آرو بندو گھوش

2.4.3 موہن داس کرچند گاندھی

2.4.4 علامہ اقبال

2.4.5 سر سید احمد خان

2.4.6 مولانا ابوالکلام آزاد

2.4.1 رابندر ناتھ ٹیگور (Rabindranath Tagore)

(1861-1941)

حیات و خدمات

وشو کدی رابندر ناتھ ٹیگور 9 مئی 1861ء میں بنگال (کولکاتہ) کے ایک تعلیم یافتہ اور مہذب خاندان میں پیدا ہوئے۔ انکے والد کا نام دیویندر ناتھ ٹیگور تھا جو کہ ایک مالدار اور مذہبی شخص تھے۔ ٹیگور کو اسکول نہیں بھیجا گیا۔

1913ء میں اپنے مجموعہ کلام ”گیتا نجلی“ کے لئے ادب کا نوبل انعام (Nobel Prize) حاصل کیا۔

1921ء میں ٹیگور نے شانتی نکتین کے قریب وشوا بھارتی یونیورسٹی قائم کی جو کہ اب ایک سنٹرل یونیورسٹی ہے۔ 1904 سے 1941 تک ٹیگور نے علم و ادب کی خدمت کی اور ہندوستان کو ایک نئی فکر اور نئی فہم عطا کی۔ ٹیگور Idealist, Naturalist اور Humanist کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اگست 1941 کو ٹیگور ہندوستانی تاریخ پر اپنی شخصیت کے گہرے نقوش چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

ٹیگور کے مطابق تعلیم کے مقاصد:

ٹیگور کے مطابق تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل ہونا چاہئے۔

- ۱۔ جسمانی نشوونما کا مقصد
- ۲۔ ذہنی نشوونما کا مقصد
- ۳۔ اخلاقی اور روحانی نشوونما کا مقصد
- ۴۔ زندگی اور تعلیم کے درمیان ہم آہنگی
- ۵۔ ذہن اور روح کی آزادی کا مقصد
- ۶۔ بین الاقوامی جذبے کی نشوونما کا مقصد

ٹیگور کے مطابق تعلیم کا نصاب:

ٹیگور کے مطابق نصاب کو اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ وہ بچے کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی متوازن نشوونما کر سکے۔ مطلب انسان کے روحانی اور سماجی پہلوؤں کی نشوونما ہو سکے۔ اس لئے ٹیگور نے نصاب میں مذہب، اخلاقیات، سائنس، سماجی مطالعہ و دیگر مختلف فنون کو شامل کی بات کہی۔ ٹیگور طلباء میں تعاون، سماجی ذمہ داریوں کی لئے سماجیانہ کے نشوونما سے طلباء کے اندر خود اظہار کی صلاحیت کو پیدا کرتے بھی اہمیت دی، اس کے علاوہ موسیقی، دستکاری کو بھی شامل کریں۔ کل ملا کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے تعلیم کے نصاب میں مذہب، اخلاقیات، زبانیں، ریاضی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ مضامین کے ساتھ ساتھ سیر و

تفریح، اداکاری، باغبانی، علوم و فنون، دستکاری وغیرہ کو شامل کرنے کی وکالت کی ہے۔

ٹیگور کے مطابق طریقہ تدریس:

- ۱۔ سرگرمیوں کے ذریعے تعلیم
- ۲۔ خود مطالعے اور تجربات کے ذریعے تعلیم
- ۳۔ بحث و مباحثہ کے ذریعے تعلیم
- ۴۔ سیر و تفریح کے ذریعے علم

ٹیگور کے مطابق نظم و ضبط:

ٹیگور طلباء کے اندر نظم و ضبط چاہتے تھے لیکن وہ مغلوبیت کے اصول کے قائل نہیں تھے اور بچے کو پوری آزادی دینے اور اس کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھنے کی وکالت کرتے تھے۔ جس سے ان کے اندر خود نظم و ضبط پیدا ہو۔ ٹیگور نے نظم و ضبط کے معنی کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حقیقی نظم و ضبط کا مطلب غیر مطلوبہ سمت میں نشوونما سے حفاظت۔ نظم و ضبط کی اس کیفیت میں رہنا چھوٹے بچوں کے لئے زیادہ خوشحالی دینے والا ہے۔ یہ ان کے مکمل نشوونما میں مدد کرتا ہے۔

ٹیگور کے مطابق اساتذہ کا کردار:

ٹیگور پورے تعلیمی عمل میں اساتذہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ انہوں نے اساتذہ کی مثال ایک ایسی شمع کے طور پر دیا ہے، جس کا کام ہے دوسری شمع کو روشن کرنا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اساتذہ صرف مختلف اطلاعات سے طلباء کو لاد کر ہی اپنے فرائض کو پورا نہ مان لیں بلکہ اسے زندگی کے مختلف تجربات کے ساتھ منسلک کر کے علم دین اور تمام مواقع پر اس کی صحیح رہنمائی کریں۔

امتحانی سوالات کا نمونہ Model Questions for Exams

Essay Type Questions

- (3) ٹیگور کا تعلیمی فلسفہ کیا ہے
- (6) سری رابندر ناتھ ٹیگور کے تعلیمی خدمات کی تفصیل بیان کیجیے۔

(7) ٹیگور کی تعلیمی فکر کن اقدار پر مشتمل ہے وضاحت کیجیے۔

Short Question

(2) ٹیگور کو کون سے اعزاز حاصل ہوئے۔

(3) شانتی نکتین کے بارے میں بتائیے۔

Objective Type Question

(1) ٹیگور کے مطابق تعلیم..... میں دی جائے۔

(2) ٹیگور..... ماحول پسند کرتے تھے۔

(3) ٹیگور کا تعلیم کے..... میدانوں (Areas) میں تعاون رہا۔

(6) ٹیگور کو نوبل انعام..... سال میں حاصل ہوا۔

(8) ٹیگور کی پہلی ادب تخلیق کا نام..... ہے۔

2.4.2 سری آرو بندو گھوش (Sri Aurobindo Ghosh)

(1872-1950)

سری آرو بندو گھوش 15 اگست 1872ء کو کولکاتہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام کرشنا دھن گھوش تھا۔ وہ بنگال کے رنگ پور میں اسٹنٹ سرجن تھے اور برہموسماج کے رکن بھی رہے تھے۔ 1879ء میں سارا خاندان انگلستان منتقل ہو گیا اور وہاں وہ 14 سال تک مقیم رہے۔ ICS کا داخلہ امتحان پاس کرنے کے باوجود وہ اس کورس سے اچاٹ ہو گئے اور 1893 میں ہندوستان لوٹ گئے۔ 1906ء میں وہ بنگال آ گئے اور ایک سیاسی پارٹی میں شامل ہو گئے اور جدوجہد آزادی کا حصہ بن گئے اس دوران انہیں جیل بھی جانا پڑا، علی پور جیل میں قید کے دوران انہوں نے یوگا کی پریکٹس کی اور یہیں سے ان کی روحانی زندگی کا آغاز ہوا۔ سری آرو بندو یونانی، لاطینی، جرمن، انگریزی، سنسکرت کے علاوہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ 1950 میں ان کا انتقال ہوا۔

لازمی تعلیم (Integral Education)

آر و بندو کے مطابق صحیح تعلیم صرف روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی، اہمیت کی حامل اور غور و فکر پر مبنی ہونی چاہیے۔ اوپر بیان کیے پانچ تعلیمی اجزاء ہی کو Integral Education یعنی لازمی تعلیم کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں وہ تعلیم ہے جو مکمل ہے، ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے اور آخر زندگی تک جاری رہتی ہے۔ یہ تعلیم نہ صرف انفرادی ارتقاء کے لیے کارآمد ہے بلکہ ملک و قوم اور ساری انسانیت کے لیے بھی مفید ہے تعلیم کا قطعی مقصد تمام انسانیت کا ارتقاء ہے اور اس ارتقاء کی اسکیم میں کثرت میں وحدت نشوونما کا اہم اصول ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کو انسان بنانا ہے پہلے ایک آدمی/ بچہ اچھا انسان بنے پھر قوم کا رکن بنے اور پھر خود کی طرف لوٹ آئے۔ انسان f شہری f فرد۔

تعلیم کے مقاصد (Aims of Education)

1- تعلیم ماڈرن زندگی کی ضروریات کے مطابق ہو۔ آر و بندو نے ایسی تعلیم پر زور دیا جو عصری ماحول سے مطابقت رکھنے والی ہو اور جو ماڈرن زندگی کی ضروریات کو پر کرنے کے قابل ہو یعنی تعلیم فرد کو ایک حرکیاتی شہری بنائے جو موجودہ حالات پیچیدہ مسائل کو حل کریں گے۔ اسی طرح جسمانی تعلیم، صحت، جسمانی پاکی کی طرف بھی خاص توجہ دینا چاہتے تھے کیونکہ اسکے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں ہوتی۔

2- دوسرا مقصد حواسِ خمسہ کی ٹریننگ دینا ہے۔ بولنا، سننا، چھونا، سونگھنا اور چکھنا اس کی ٹریننگ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ چتہ (Chitta)، شعور (Mind) اور مانس (Manas) پاک و صاف ہوں۔ چنانچہ تعلیم کے ذریعہ حواسِ خمسہ کی پاکی حاصل کی جائے۔

3- تیسرا اہم تعلیمی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔ آر و بندو کا ماننا تھا کہ اخلاق اور جذبات کی ترقی کے بغیر صرف ذہنی ترقی انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے۔ ایک بچہ کے دل کو اس طرح بنایا جائے کہ وہ تمام بنی نوع انسان سے سجد محبت کرے۔ ہمدردی رکھے اور خلوص سے پیش آئے اسی کو اخلاقی ترقی کہتے ہیں۔ یہاں ٹیچر کا رول اہم ہے جو اپنے طلباء کے لیے مثال بنیں تاکہ بچے ان کو دیکھ کر ان کی نقل کریں اور بہترین اخلاق و کردار کا نمونہ بنیں۔

4- ذہنی ترقی۔ یہاں ذہنی ترقی سے مراد تمام ذہنی شعبہ جات کی تعلیم کے ذریعہ ترقی کو ممکن بنانا جیسے کہ یادداشت، سوچ، غور، سمجھداری، تخیل اور فرق و امتیاز کی تمیز پیدا کرنا۔

5- شعوری تعلیم۔ شعور بیدار کرنے کے لیے تعلیم کا سہارا لینا نہایت ضروری ہے آر و بندو کے مطابق شعور کی چار سطحیں ہیں۔ Chitta چتہ یعنی (صحیح یا حقیقی شعور) manas مانس یعنی mind یا ذہن، intelligence یعنی ذہانت اور

Knowledge یعنی علم ان کے نزدیک تعلیم کا اہم ترین مقصد روحانیت کی ترقی ہے چونکہ ہر انسان میں خدائی/قدرتی عنصر موجود ہے۔ اس لیے تعلیم ہی کے ذریعہ اس عنصر کی پہچان اور عرفان ممکن ہے۔

تعلیمی نصاب Curriculum

آر و بندو کی ہدایت تھی کہ بچے کھلے اور آزاد ماحول میں علم حاصل کرے تاکہ اس کی مخفی صلاحیتوں کا زیادہ سے زیادہ اظہار ہو اور ان تمام مضامین (Subjects) اور سرگرمیوں کی تجویز رکھی جن کے ذریعہ بچوں کی تخلیقی صلاحیتیں باہر آئیں۔ وہ علمی مضامین اور سرگرمیوں میں نئی روح پھونکنا چاہتے تھے تاکہ ایک غیر معمولی اعلیٰ انسان کا بنانا ممکن ہو۔ نصاب کی تدوین کے لیے انہوں نے یہ اصول بنائے۔

- (1) نصاب طلباء کی دلچسپی کے مطابق ہو/ بنایا جائے نصاب صرف کتابوں کی حد تک محدود نہ ہو۔
- (2) ذہنی اور روحانی ترقی کو بڑھا دینے والے مضامین شامل نصاب ہوں۔
- (3) اپنے اطراف و اکناف کے علاوہ ساری دنیا کے بارے جاننے کا تجسس اور محرکہ طلباء میں پیدا ہوں۔
- (4) تخلیقی اور تعمیری صلاحیتوں کو ابھارنے والا نصاب ہو۔ نصاب انفرادی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو۔

طریقہ تدریس (Methods of Teaching)

سری آر و بندو نے مندرجہ ذیل طریقہ تدریس پر زور دیا۔

- (1) بچوں کو محبت و ہمدردی سے تعلیم دیجئے۔
- (2) تعلیم اداری زبان میں دی جائے۔
- (3) تعلیم بچہ کی دلچسپی کے مطابق دی جائے۔
- (4) ذاتی تجربہ کے ذریعہ (Learning by doing) تعلیم دی جائے۔
- (5) معلم اور طلباء کے تعاون کے ذریعہ کتاب کروایا جائے۔
- (6) بچے کی تخلیقی صلاحیتوں اور فطرت کے پیش نظر تعلیم دی جائے۔
- (7) تعلیم آزادانہ ماحول میں دی جائے تاکہ بچہ اپنی ذاتی کوشش سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے۔
- (8) مشاہدہ اور بحث و مباحثہ کے مواقع بھی فراہم کیے جائیں۔

اساتذہ کارول (Teachers Role)

سری آرو بندو نے معلم کو اہم مقام دیا ہے لیکن معلم کا کردار مرکزی نہیں ہے انہوں نے صحیح تدریس کا پہلا اصول یہ پیش کیا کہ ”کچھ پڑھانے کی ضرورت نہیں“ مطلب یہ کہ علم بچہ میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ ٹیچر صرف اسے یہ سکھائے کہ وہ علم کو حاصل کیسے کرے، خود اکتسابی کا طریقہ بتائے تاکہ اس پر کچھ مسلط کرے۔ معلم صرف علم کی نشاندہی کرے اور اس کو باہر لانے میں طالب علم کی مدد کرے۔ آرو بندو نے ٹیچر کو ایک باغبان سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا کام صرف پودوں (طلباء) کی آبیاری/ رہنمائی کرنا ہے ٹیچر کو ایک یوگی ہونا چاہیے، اس میں ایک صوفی و سنت کی خصوصیات ہونی چاہیے۔ وہ نظم و ضبط کا پابند اور ایک مربوط شخصیت رکھتا ہو۔ طلبا کا بار بکی سے مشاہدہ کرے تاکہ ان کو صحیح راہ بتا سکے۔ پڑھانے کے بجائے تجاویز دے، طلبا کو ذمہ دار فرد بنائیں اور اپنی اندرونی رہنمائی حاصل کرنے میں طلبا کی مدد کریں۔ سری آرو بندو سزاوار طلبا میں خوف پیدا کرنے کے خلاف تھے۔ ان کے مطابق ٹیچر میں علم سے زیادہ اس کے برتاؤ کی اہمیت ہے۔

2.4.3 مہاتما گاندھی Mahatma Gandhi

(1869-1948)

بابائے قوم کی حیثیت سے موہن داس کرم چند گاندھی جی کو ہندوستانی رہنماؤں کی فہرست میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ 1920 کے بعد انڈین نیشنل کانگریس نے انہی کی قیادت میں آزادی کے لئے کامیاب جدوجہد کی تھی۔ گاندھی جی ہندوستان کی آزادی کو سماجی تبدیلی (Social Change) کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

گاندھی جی کا فلسفہ حیات:

گاندھی جی کا فلسفہ حیات ان کے سچائی (Truth)، انسانیت کی خدمت (Service of Humanity)، عدم تشدد (Non-Voilence)، بے خوفی (Fearlessness)، ستیہ گرہ (Satyagrah) جیسے اعلیٰ تصورات پر مشتمل ہے۔

گاندھی جی کے تعلیمی فلسفہ کی بنیادی اصول

(Basic Principles of Gandhiji's Educational Philosophy)

گاندھی جی کے تعلیمی فلسفہ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل بنیادی اصول نظر آتے ہیں۔

(1) سات سال کی عمر سے چودہ سال کے تمام بچوں کی تعلیم بلا فیس کے اور لازمی ہونا چاہیے۔

- (2) طریقہ تدریس مادری زبان میں ہونا چاہیے۔
- (3) طلبہ کی تعلیم انگریزی میں نہیں ہونی چاہیے۔
- (4) صرف خواندی کو تعلیم کے باربر نہ سمجھا جائے۔
- (5) تعلیم اس انداز میں دی جائے گی وہ طلبہ کے اندر اخلاقی اقدار کو پیدا کریں۔
- (6) تعلیم طلبہ کی ان تمام سماجی صلاحیتوں کا فروغ کرے جن کی سماج کو ضرورت ہے کیونکہ وہ اس کا ایک حصہ ہے۔
- (7) تعلیم اس طرح کی ہونا چاہیے کہ وہ بچے کے جسم، ذہن، دل اور روح کو ہمہ جہت فروغ کرے۔
- (8) طلبہ کو تعلیم کرافٹ یا صنعت کے ذریعے دینا چاہیے تاکہ وہ خود کفیل ہو جائیں۔
- (9) تعلیم اس طرح کی دینی چاہیے جس سے طلبہ آگے چل کر صاحب روزگار ہوں جائے اور معاشی طور پر آزاد ہو جائیں۔
- (10) اسکول کو سرگرمیوں کا ایک مرکز ہونا چاہیے تاکہ وہ مختلف قسم کے تجربوں کو حاصل کر سکیں۔
- (11) تعلیم کا مقصد ہے کہ وہ ملک کے شہریوں کو فائدے مند ذمہ دار اور متحرک شہری بنائیں۔

تعلیم کے مقاصد (Aims of Education)

اگر ہم گاندھی جی کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو ان کے نظریہ کے مطابق مندرجہ ذیل دو اہم مقاصد ہیں۔

- (1) تعلیم کے فوری مقاصد
- (2) تعلیم کا آخری یا بنیادی مقصد

تعلیم کے فوری مقاصد (Immediate Aims of Education)

گاندھی جی نے تعلیم کے جو فوری مقاصد بتائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) اقدار اور کردار کا فروغ (Promotion of Moral & Character)

گاندھی جی کے فلسفہ کا پہلا اور تعلیمی مقصد تھا طلبہ کے اقدار اور کردار کا فروغ کرنا۔ ان کے مطابق تعلیمی عمل میں طلبہ

کے اقدار اور کردار سب سے اہم ہے۔ تعلیم کے فروغ کے لیے اقدار بہت ضروری ہے۔ اگر تعلیم طلبہ میں اقدار کا فروغ نہیں کر پاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس تعلیمی نظام میں کچھ کمی ہے۔

ہمہ جہت فروغ (Harmonious Development)

گانڈھی جی کے فلسفہ کا یہ بہت خاص مقصد ہے۔ طلبہ کا ہم جہت فروغ ہونا چاہیے طلبہ میں مختلف قسم کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ ان سبھی کا ایک ساتھ فروغ کرنا تا کہ طلبہ میں تمام تر صلاحیتیں جمع ہو جائیں۔ گانڈھی جی ہر کچھ میں لکھتے ہیں کہ اصل تعلیم وہ ہے جو طلبہ کے ذہن، جسم اور روح کو صحیح طریقے سے فروغ کرے۔

ثقافتی مقاصد (Cultural Aim)

گانڈھی جی چاہتے تھے کہ تعلیم کے ذریعے اپنے ملک کی ثقافت کا فروغ ہو اس لیے انہوں نے پیشہ ورانہ تعلیم کے ساتھ ثقافتی تعلیم پر بھی زور دیا۔ کسی ملک کی پہچان اس کی ثقافت سے ہوتی ہے اس لیے ثقافت کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں تمام صوبوں کی ثقافت الگ الگ ہے اس لئے تمام طلبہ کو پورے ملک کے مختلف صوبوں کی ثقافت سے واقف ہونا چاہیے، گانڈھی جی کہتے ہیں کہ تعلیم کا ثقافتی پہلو علمی پہلو سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ ثقافت تعلیم کی بنیاد ہے۔

پیشہ ورانہ مقاصد (Vocational Aim)

گانڈھی جی کے مطابق تعلیم کا پیشہ ورانہ مقاصد ایک اہم مقصد ہے کہ طلبہ جب تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی اصل زندگی میں جائیں تو وہ اس لائق ہوں کہ اپنی روزی روٹی کمائیں۔ طلبہ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کرافٹ کی تعلیم دینا چاہیے تاکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی کمپنی میں روزگار حاصل کر سکیں یا اپنی کوئی صنعت قائم کر سکیں۔ ان کے مطابق تعلیم ایسی دینی چاہیے جو طلبہ کو خود کفیل بنا سکے۔ ان کا مقصد طلبہ کو مزدور بنانا نہیں تھا بلکہ طلبہ کے اندر کام کے احترام کرنے کا جذبہ اور کچھ کمانے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔

2.4.4 علامہ اقبال (Allama Iqbal)

(1877-1938)

تعلیم کے مقاصد (Aims of Education)

۱۔ الوہیت کو سمجھنا:

علامہ اقبال کے مطابق تعلیم کا سب سے اہم اولین مقصد ہے۔ خدا کی وحدانیت کا ادراک کرنا۔

۲۔ حق کی تلاش کرنا:

سچائی کا تجزیہ، جانچ اور قدر سچائی کرنا یعنی بچہ طلباء کو حق رسچائی حقیقت کا ادراک کرنے کا اہل بنانا۔
۳۔ معرفتِ خودی:

یعنی خودی کی تلاش کرنا، یہ علامہ اقبال کا بنیادی فلسفہ ہے اور ان کا تخلیق کردہ سارا ادب کا محور ہی خودی کی تلاش ہے۔ بچہ خدا کے بعد اپنے آپ کو جانے، پہچانے اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہونے کی سعی مسلسل کرے اور خودی کو حتی الامکان بلند کرے، اسکے امکانات تلاش کرے۔

۴۔ افزودگی حیات:

اس سے مراد وہ مقصد ہے جہاں فرد ذہانت، استدلال قذکات کے ذریعے اپنی زندگی کے تصورات (Ideals) کو حاصل کرنے کی طرف رواں دواں رہے اور اپنی زندگی کی بامقصد ترقی میں جٹا رہے۔

نصاب (Curriculum)

- ۱۔ نصاب مذہبی اساس پر مبنی ہو کیونکہ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیرکھنا۔ مسلمانوں کی لئے پرانی تعلیمات کی سرچشمہ وجدان ہے۔ وہیں سے علم و عمل کی راہیں کھلتی ہیں۔
- ۲۔ تعلیم خود کی پہچان سے شروع ہو، بندہ خدا پہنچانے تک جاری رہنا چاہئے۔ اس لہ کی تشریح کے لئے اس رباعی سے کام لیا جاتا ہے۔

اللہ سے کرے دور، تو تعلیم بھی فتنہ

املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ

ناحق کے لئے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ

شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

۳۔ نصاب کا قطعی مقصد بچہ کی جملہ صلاحیت کو جلا دینا ہے۔ بچہ کی ہمہ جہتی ترقی ہی پر نصاب مرکوز ہونا چاہئے تاکہ اس کی ممکنہ حد تک ظاہری (جسمانی) باطنی، ذہنی و روحانی ترقی کا احاطہ ہو سکے۔ بچے میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا ہو۔

۴۔ نصاب طلبہ میں سوزدروں، تخلیق پیدا کرنے والا ہو۔ تخلیقی سرگرمیاں اور جہد مسلسل انسان میں دنیاوی چیلینجز کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

۵۔ تمام اقوام میں مذہب اہمیت رکھتا ہے چنانچہ اگر علم کو مذہب کے زیر اثر نہ رکھا گیا تو وہ باطل قوت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس لئے سائنس کا علم ضرور حاصل کیا جائے۔ لیکن ایک ذمہ داری کے ساتھ تاکہ اس کے غلط اور ناروا استعمال سے انسانیت محفوظ

رہے۔ مذہب اور سائنس و ٹکنالوجی میں توازن نہ تو وہ ناقصت اندیشی کی طرف لے جاتا ہے۔

طریقہ تدریس (Methods of Teaching)

۱۔ اقبال روایتی طریقہ تدریس کے خلاف تھے۔ نئے انداز و نئے مضامین کو شامل کرنے کے منہنی، مشاہدے کو تدریس کا اہم جز مانتے تھے۔

۲۔ تعلیم کو کتابوں تک محدود رکھنا۔

۳۔ سوال و جواب کا طریقہ

۴۔ معلم کا کردار۔ علامہ اقبال کے یہاں استاد کا رتبہ بہت بلند ہے۔ وہ اساتذہ کو سماج کے بااثر طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ معلم

ایسے ہوں جو سماج و انسانیت میں نئی روح پھونکے اور ایسی نسل تیار کریں جو دنیا کا رخ بدل دے۔

۵۔ نظم و ضبط۔ طلبہ سنجیدگی کے ساتھ علم حاصل کریں۔

امتحانی سوالات کا نمونہ:

۱۔ علامہ اقبال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۲۔ علامہ اقبال کے تعلیم کے کیا مقاصد ہیں؟

۳۔ علامہ اقبال کے یہاں معلم کا کیا رول ہونا چاہئے؟

۴۔ طریقہ تدریس علامہ اقبال کے مطابق کس طرح کا ہونا چاہئے؟

2.4.5 مولانا ابوالکلام آزاد (Maulana Abul Kalam Azad)

(1888-1958)

آج ہمارے قوم میں اخلاقی، سیاسی، معاشی اور روحانی بحران میں مبتلا ہے اور جو ملک کو حالات درپیش ہیں ان سے ساری قوم واقف ہے۔ ایسی صورتحال میں اور ملک کو ترقی، خوشحالی، امن و امان اور باہمی یگانگت کی راہ پر ڈالنے کے لیے مولانا آزاد کی شخصیت و افکار و خیالات سے روشنی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ خیالات و افکار ملک و قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت دیتے ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں فکر و عمل یکجا ہو گئے تھے اور جب یہ دونوں یکجا ہوتے ہیں تو فکر و نظر کی نئی راہیں کھلتی ہیں اور انقلاب اور تبدیلی کے لیے زمیں ہموار ہو جاتی ہے۔

مولانا آزاد کے تعلیمی فکر تمہید

یہ اظہر من الشمس ہے کہ مولانا آزاد ہمیشہ سے اصلاح پسندی کے حامی اور قائل تھے۔ وہ صرف اصلاح باطنی ہی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ دنیاوی امور میں بھی شفافیت اور انسانی خدمت و اقتصادی ترقی کے بھی خواہاں تھے۔ انہوں نے اپنے دانشورانہ تصورات کو عملی جامہ پہننانے کی بھرپور کوشش کی اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ جو تعلیمی نظام کا ڈھانچہ انہوں نے ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے قائم کیا تھا وہ آج بھی بغیر کسی بڑی تبدیلی کے بعینہ موجود ہے۔ لیکن خصوصیت سے انہوں نے مذہبی تعلیم پر بہت زور دیا۔ لیکن انہوں نے مذہبی قدامت پرستی اور توہم پرستی سے ہٹ کر حقیقت پسندانہ اور قرآنی تعلیمات پر مبنی تعلیم کی اہمیت واضح کی، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے اخلاق، کردار، افکار و اعمال صحیحہ کے ذریعہ اسلام کا سچا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی سوچ اور فکر پوری ہندوستانی قوم کے حوالے سے بھی رکھتے تھے۔

مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات و تصورات ان کے علمی، ادبی، صحافتی و مذہبی تحریروں میں ملتے ہیں۔ اپنی تحریروں اور خطبات میں اور ان کی بنائی ہوئی تعلیمی پالیسیوں کے ذریعہ ہندوستان کے تعلیمی ڈھانچہ کی تشکیل ہے

ثقافتی نظریات

مولانا آزاد ہندوستان میں ایسا تعلیمی نظام چاہتے تھے جو یہاں کی تہذیب و ثقافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصری تقاضوں کو پورا کرے۔ اور ساتھ ہی دوسرے ممالک کے کلچر سے نفرت بھی نہ پیدا ہو بلکہ اس نظام کی خوبیوں کو شامل نصاب کرنے کی گنجائش بھی ہو۔

مہاتما گاندھی نے 1937 میں بیسک ایجوکیشن (Basic Education) کا جو تصور پیش کیا تھا مولانا آزاد بھی اس سے متفق تھے جس کا بنیادی مقصد دیہی عوام کو روزگار فراہم کرنے کے مواقع پیدا کرنا تھا۔ مولانا آزاد نے بھی اسی طرز پر تعلیم برائے روزگار اور حرفہ مربوط تعلیم (Technical Education) پر خصوصی توجہ دی اور ابتدائی تعلیم کے فروغ کے لیے ایسا تعلیمی نقشہ بنایا جو کم و بیش آج بھی ہندوستان میں معمولی تبدیلیوں کے ساتھ موجود ہے۔

نظریہ افادیت اور مولانا آزاد

وہ تعلیم میں نظریہ افادیت (Pragmatism) کے بھی حامی تھے۔ منجند خیالات و نظریات کے برخلاف انہوں نے ہر نئی اور اچھی تبدیلی کو کھلے دل سے مقبول کیا، زمانے کی ترقی اور افکار نو کا استقبال کیا اور اپنے تعلیمی نظریات میں بھی لچک پیدا کی۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کو اسلامی اساس پر مبنی دیکھنا چاہتے تھے تو دوسری طرف اس تعلیم کو عصری تقاضوں پر پورا اترتے بھی دیکھنا چاہتے تھے، وہ تعلیمی نظام کو عصری ماحول اور جدیدیت سے مطابقت رکھنے والا بنانا ضروری سمجھتے اور خواہاں تھے کہ طلباء

متحرک، صنعت و حرمت کے ماہر اور باعمل زندگی گزارنے کے قابل ہوں۔ عام روایتی تعلیم کے ساتھ غیر رسمی تعلیم، تعلیم بالغان اور ٹیکنیکل ایجوکیشن کے فروغ کا بھی واضح نظام انہوں نے پیش کیا۔ ان کے پیش نظر قوم کی ترقی اور ملک کی سلیمت ہمیشہ سے رہی۔ چنانچہ وہ تعلیم کو جمہوری اور سیکولر کردار کے حامی تھے اور اس کو عصری بنانے اور زندگی سے جوڑنے کی کوششیں بھی کیں۔ وزارت تعلیم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مولانا آزاد نے ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے تعلیمی مقاصد اور قومی تشکیل کے بارے میں کہا:

”مذہبی تعلیم کا مقصد وسیع النظری، رواداری اور انسان دوستی ہونا چاہیے“

مدرسوں میں عربی تعلیم کی کوتاہیوں کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:

”آپ نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ آپ اپنے مدرسوں کو زمانہ کی چال کے ساتھ جوڑ سکیں۔ زمانہ چلتا رہا اور ترقی پر پہنچ گیا اور آپ وہیں رہے، جہاں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم کو زمانہ کے مانگوں سے کوئی رشتہ نہیں رہا اور زمانے نے آپ کو نکما سمجھ کر فیصلہ کر دیا۔“

آزادی کے بعد مولانا آزاد کے تعلیمی تصورات میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ ایسی اصلاحات کو مروج کرنا چاہتے تھے جس میں مذہبی اور عصری دونوں کے نصاب کی خامیاں دور ہوں اور جو اقتصادی ترقی اور عصری ماحول سے مطابقت رکھتی ہو۔ ماقبل آزادی، ہندوستان کی بڑی آبادی ناخواندہ تھی اور ابتدائی تعلیم کے فروغ میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی تھی۔ سماج کا بہت بڑا طبقہ علم سے محروم تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کی فکر نے ایک تعلیم بالغان کا نیا باب کھولا۔ ان کے ذہن رسا نے یہ سوچا کہ جب تک والدین تعلیم یافتہ نہ ہوں یا خواندہ نہ ہوں وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا ایسی تعلیم مہیا کروائی جائے بالغ افراد کی دسترس میں ہو۔ مولانا آزاد نے تعلیم بالغان کا نیا تصور پیش کیا جس کے تحت بالغ خواندگی کا آغاز ہوا۔ سماجی تعلیم (Social Education) کے عنوان سے بالغ افراد کو خواندہ بنانے کے لیے ایک منظم تحریک چلائی گئی جس کا مقصد ناخواندہ افراد کو اپنی سہولت کے مطابق تعلیم حاصل کروانا اور ان کی پیشہ وارانہ مہارت اور اس سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور تعلیمی وسائل مہیا کرنا تھا۔ اور اس کے لیے ایسے مقامات پر خواندگی مراکز کھولے گئے جہاں ناخواندہ بالغان کی کثیر تعداد موجود تھی۔

ان مقاصد کے علاوہ سماجی تعلیم کا اہم مقصد ناخواندہ بالغوں کو اجتماعی زندگی میں حصہ لیتے ہوئے سماج کا حصہ بننے کی ترغیب دینا، کسی پیشہ کے لیے تیار کرنا اور سماجی شعور بیدار کرنا تھا۔ اس تعلیمی پروگرام کے نصاب میں درسی مواد کے علاوہ شہریت، حفظان صحت، غذا اور تغذیہ، سائنسی سوچ بوجھ، پیشہ وارانہ صلاحیتوں میں اضافہ، سماجی، طبی، ماحولیات اور روزمرہ کی زندگی کے لیے کارآمد معلومات کی فراہمی بھی شامل تھی۔ علاوہ ازیں تعلیم بالغان میں تہذیبی و ثقافتی پروگراموں میں حصہ لینے کا اہل بنانا

شامل تھا تا کہ اس کے ذریعہ تعلیم کو عام دھارے سے مربوط کیا جاسکے۔

مولانا کا تعلیمی پالیسیوں سے متعلق نظریہ

مولانا آزادی کی تعلیمی پالیسیوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آزاد ہندوستان میں تعلیم کے چار اہداف کی

نشاندہی کی۔ جو کہ حسب ذیل ہیں۔

(1) تھانوی سے ثانوی درجہ تک تعلیم کی فراہمی کے ذریعہ ناخواندگی کا خاتمہ۔ تعلیم بالغاں پر خصوصی توجہ بشمول خواتین۔

(2) تعلیم کے یکساں مواقع جمہوری اساس پر فراہم کرنا بلا لحاظ مذہب و ملت، فرقہ، درجہ، رنگ و نسلی امتیاز کے۔

(3) سہ لسانی فارمولہ پر عمل کرنا۔

(4) ملک کے طول و عرض میں تھانوی سطح کی تعلیم کا فروغ۔

مولانا کا نظریہ تھا کہ حصول علم ہر فرد کا بنیادی حق ہے جو انسانی بقا و ترقی کے لیے نہایت اہم ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ یہ ملکی

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب کے لیے ثانوی درجہ تک تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کرے۔

مولانا آزاد کے پیش کردہ انہی تعلیمی تصورات کی بناء پر آج سارے ہندوستان میں فاصلاتی تعلیم زور و شور سے جاری

ہے اور ملک کے ہر علاقے میں یہ پھیل چکی ہے۔ مولانا نے تعلیم بالغاں کو سماجی تعلیم سے موسوم کرتے ہوئے اس کے تین اہم

مقاصد متعین کئے تھے جو حسب ذیل ہیں۔

(1) ان پڑھ بالغوں کو پڑھانا

(2) معمولی خواندگی رکھنے والے بالغ افراد کو فنی، ادبی اور پیشہ ورانہ اعلیٰ تعلیم کے لیے تیار کرنا۔

(3) بالغ افراد کو زندگی کے مسائل سے واقف کروانا اور ان کے حقوق کے بارے میں بیداری پیدا کرنا۔

اس نصاب میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی کہ ملک کا ہر شہری سماجی و سیاسی حالات سے واقف ہو۔ جس خطہ پر وہ

رہتے ہوں اس کے گرد و پیش کے حالات وہاں کی حکومت اور حکومت بنانے کے لیے حق رائے سے استفادہ کرنے کا بھی اہل

بنے۔

تعلیمی خدمات:

مابعد آزادی مولانا آزاد کے تعلیمی تصورات نے ٹھوس شکل اختیار کر لی اور ہندوستان ان کی بیش بہا تعلیمی خدمات کا بھی

مرہون منت ہے۔ یوں تو ان کے بیشمار کارنامے شعبہ تعلیم کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں چند ایک انتہائی اہمیت

کے حامل اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا راست تعلق ہندوستان کے تعلیمی ڈھانچے سے ہے جو ادارے، کمیشن، کونسلیشن،

بورڈس، بیوروز، مولانا کے دوران وزارت قائم کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) CABE - سنٹرل ایڈوائزرز بورڈ آف ایجوکیشن (Central Advisory Board of Education) کا قیام 1948 میں عمل میں لایا گیا۔

(2) یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن (University Education Communication) کا قیام

(3) سنٹرل بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن کا قیام (CBSE)

(4) یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) وغیرہ کا قیام مولانا آزاد کی اہم ترین تعلیمی خدمات میں شامل ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے تعلیمی تصورات کو عملی شکل دی۔

(5) آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن کی مولانا نے از سر نو تشکیل کی اور کھرک پو میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا۔

(6) یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن (University Education Commission) کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کا جائزہ لیا

گیا اور اصلاحات عمل میں لائے گئے۔ ابتدائی و ثانوی تعلیم کے لیے مدلیار کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کی رپورٹ آزاد ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ ایسے بیٹھاراداروں کا قیام مولانا آزاد کی دوراندیشی کے نتیجے میں عمل میں آیا جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سماجی تعلیم سے متعلق مولانا کی تقریر سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

”ہم سب اپنی قسمت کے معمار ہیں، آج ہم کو ہمارے گھر کو سنبھالنا ہے اور ان حصوں کو جو توجہ چاہتے ہیں، درست رکھنا ہے۔ قومی نظام تعلیم، قومی زندگی کے لیے ایک لازمی ضرورت ہے۔“

(7) آل انڈیا کونسل فار سیکنڈری ایجوکیشن (All India Council for Secondary Education):

کونسل کا قیام مختلف ریاستوں میں تال میل قائم رکھنے کے لیے کیا گیا۔

(8) تعلیم بالغاں (Adult Education)

ناخواندہ بالغ افراد میں تعلیمی فروغ کی غرض سے یہ بورڈ قائم ہوا۔

(9) Rural Higher Education: دیہاتی سطح پر اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لیے یہ بورڈ قائم کیا گیا۔

(10) Central Social Development Board: اس بورڈ کے مقاصد کا تذکرہ پچھلے صفحات میں کیا جا چکا

ہے۔

(11) Educational & Vocational Guidance Bureau: اس بورڈ کی تشکیل اور کارکردگی کا ذکر

پچھلے صفحات میں موجود ہے۔

(12) National Organization for Basic Education: اس ادارے کے تحت بنیادی تعلیم، ہنری

ہندی اور روزگار سے مربوط مہارتیں پیدا کرنا تھا۔

اس کے علاوہ بھی مولانا نے تعلیمی میدان میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جو تفصیل کے متقاضی ہیں۔ مختصراً یہ کہ مولانا نے کئی ایک پروگرامس ہندی کے فروغ کے لیے بنائے اور منعقد کئے جبکہ وہ قومی زبان قرار دے دی گئی۔ مولانا چاہتے تھے کہ بجائے انگریزی زبان کو مقامی زبانوں پر ترجیح دینے کہ ہندوستانی، زبان کو مروج کیا جائے۔ ہندی اور اردو زبان کے امتزاج سے ہندوستانی، زبان کی تشکیل کی انہوں نے تجویز رکھی تھی جو مسترد کر دی گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ علاقائی سطح پر مادری زبان کا فروغ ہو اور قومی سطح پر ہندوستانی زبان رائج ہو۔

علاوہ ازیں متعدد سکیمات بنائی گئیں، جسمانی صحت کے لیے۔ تعلیمی تفریحات کے لیے، ترقی نو جوانان کے لیے، سماجی خدمات کے لیے اور تلیم برائے معذورین کے ضمن میں۔ اس کے علاوہ مولانا کے ہندوستان کی ہمہ جہتی کے پیش نظر تین (3) اکیڈمیاں قائم کیں۔ (1) سہیوہ اکیڈمی (2) آرٹ اکیڈمی (3) ڈانس۔ ڈرامہ اور میوزک اکیڈمی۔

مولانا آزاد کی سرکردگی میں وزارت تعلیم نے ایک نیا شعبہ ثقافتی تعلقات کے فروغ کے لیے بنایا جس کے ذریعہ UNESCO اور دوسرے بین الاقوامی ثقافتی اداروں سے رشتہ قائم ہوا۔ ایک اور ادارہ کے قیام طلباء اور اساتذہ کے درمیان ڈائیلاگ اور اپنے اپنے نقاط نظر کو پیش کرنے کے مقصد سے قائم ہوا۔ ان تمام اداروں کے قیام میں لگن اور دلچسپی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا ایک قوم پرست، اتحاد، آپسی دوستی اور اخوت کے علمبردار تھے۔

مولانا آزاد کے مطابق تعلیم کے مقاصد:

مولانا آزاد تعلیم کے ذریعے انسان کی ہمہ جہت ترقی چاہتے تھے۔ وہ تعلیم کو روزی روٹی حاصل کرنے کا ذریعہ مانتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے ہمہ جہت ترقی کا بھی ایک آلہ سمجھتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ تعلیم ایسی ہو جس سے انسان کی اخلاقیات اور روحانیت کا نشوونما ہو۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیم کے ذریعے لوگوں کو ایک اچھا انسان اور ایک اچھا شہری بنانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ طلباء کے اندر حب الوطنی کا جذبہ اور جدت پسندی کی وکالت کی۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ تعلیم ایسی ہو جو کہ اپنی ثقافت، رسم و رواج اور علم پر فخر کرنا بھی سکھائے۔

مولانا آزاد کے مطابق تعلیم کا نصاب:

مولانا آزاد تعلیم کے نصاب کی میں مشرقی و مغربی دونوں طرح کے مضامین چاہتے تھے اور نصاب میں مختلف زبانوں، تاریخ، جغرافیہ، سماجی علوم، ریاضی الجبرا، سائنس ٹکنالوجی اور جدید علوم کو شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ پیشہ وارانہ اور حرفتی

(Vocational) مضامین کو شامل کر طلباء کو روزی روٹی سے جوڑنے کی بات کہی۔ ان کا ماننا تھا کہ نصاب ملک کے حالات اور وقت و ضرورت کے مطابق بدلتے رہنا چاہئے۔

2.4.5 سر سید احمد خان (Sir Sayyed Ahmad Khan)

(1817-1898)

سر سید احمد 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، وہ دہلی کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے مورث اعلیٰ ہرات سے جہان آباد آئے تھے۔ سید احمد کا نیاہلی تعلق اردو کے مشہور شاعر خواجہ میر درد کے خاندان سے تھا، سید احمد کی تعلیم کا آغاز روایتی انداز میں ہوا۔ سر سید نے ہندوستان کی ذہنی پستی کو ایک نئی تعلیمی ادراک اور نئے نقطہ نظر سے دور کرنے کی سعی کی۔ وہ دیسی زبانوں میں مغربی ترجموں کو لانا چاہتے تھے، چنانچہ اس مقصد سے غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اور 1866ء میں انسٹیٹیوٹ گزٹ نکالا اس گزٹ نے مضمون نگاری میں بہت اہم رول ادا کیا، بعد میں سر سید نے تہذیب الاخلاق رسالہ جس کی وجہ سے مقالہ نگاری کا سلسلہ شروع ہو گیا، جاری کیا، جس میں سر سید اور دوسرے ادبی ذوق رکھنے والے، اخلاقی، اصلاحی اور مذہبی مضامین لکھتے رہے۔

تعلیم کے مقاصد (Educational Aim)

سر سید کے مطابق ”انسان کی تعلیم درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں بلکہ دل کے سوتوں کو کھولنا ہے جو اندرونی قوت کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔

تعلیم کا مقصد انسان کی تربیت کرنا، اس کے لیے سامان مہیا کرنا اور اس سے کام لینا ہے۔ ان کا مقصد قوم کی ذہنی سطح کو بلند کرنا اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانا تھا، انہوں نے واضح علم کے معنی جاننے کے ہیں اور تعلیم کو فائدہ مند ہونا چاہیے، ایسی تعلیم جو دین و دنیا دونوں کے لیے مفید ہو۔ وہ مغربی تعلیم کو سائنسی علوم کے حصول کے لیے ضروری سمجھنے اور اس کے تجربی ہونے کے قائل تھے عوامی تعلیم کے خواہاں تھے جہاں پڑھنے لکھنے کی سہولت حاصل ہو وہ انفرادی کے بجائے قومی تعلیم کے خواہاں تھے۔ اجتماعی اور قومی تعلیم کا جو تصور آج عام ہے ان کے زمانے میں بالکل نیا تھا لیکن سر سید نے ان کی معنویت محسوس کر لی تھی۔ وہ مروجہ تعلیم جو کہ کتابی و روایتی ہو کرتی تھی کو غیر مفید مانتے تھے تعلیم ایسے انسان بنانے جن میں قومی، وطنی، اور ملی شعور بیدار ہو اور یہ صرف لائق اور صاحب کردار اساتذہ کی نگرانی ہی میں ممکن ہے۔ انہوں نے لارڈ میکالے کی تعلیمی کو پسند کیا، سر سید نے تعلیم کو

روزی روٹی سے جوڑا اور اسے معاشی آسودگی کا ذریعہ قرار دیا۔ صرف سرکاری ملازمتوں پر قناعت کرنے کے بجائے وہ چاہتے تھے کہ عوام تجارت اور دوسرے پیشوں کو بھی ترجیح دے۔ اعلیٰ تعلیم کے متمنی بھی تھے۔ مجڈن ایجوکیشنل کانگریس جلسہ منعقدہ 1887ء لکھنؤ میں اعلیٰ انگریزی تعلیم پر انہوں نے زور دیا اور قوم کو مائل کیا۔ ان کی انتھک کوششوں سے قائم کردہ مدرسہ العلوم میں رائج الوقت علوم کی تعلیم کے علاوہ اور نصاب پڑھائے جانے کے علاوہ طلباء کی معلومات کو وسیع کرنے کے مقصد سے علما کے توسیعی خطبات بھی مختلف موضوعات پر ہوا کرتے تھے، مضمون نگاری کے مقابلے تقریری مقابلے، طلباء کے ذہنی، اخلاقی اور جسمانی نشوونما کے لیے کھیل کود کے کلب تھے جہاں طلباء اساتذہ کی نگرانی میں ادبی ذوق کے علاوہ فٹ بال، کرکٹ، گھڑ سواری، نیزہ بازی، جمناسٹک، بنوٹ، لان ٹینس، وغیرہ میں حصہ لیتے، مختلف قسم کے کھیلوں کے علاوہ طلباء کو انگریزی طرز پر فوجی تربیت بھی دی جاتی تھی۔

تعلیم نسواں (Women's Education)

سر سید احمد خان تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے، انہوں نے کہا تھا کہ میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کوشش کرنا لڑکیوں کی تعلیم کی جڑ ہے چنانچہ کافی رد و قبول کے بعد کئی پیچیدہ مراحل سے گذر کر 19 اکتوبر 1904ء میں لڑکیوں کا پہلا مدرسہ علی گڑھ میں قائم ہوا۔ لڑکیاں/خواتین کی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک رسالہ 'خاتون' بھی جاری کیا گیا جس کی وجہ سے عوام میں تعلیم نسواں کے متعلق شعور پیدا ہوا 17-1916 میں لڑکیوں کے لیے بورڈنگ ہاؤس بھی قائم کیا گیا۔ بعد میں گرلس ہائی اسکول 1929ء میں انٹر میڈیٹ ہو گیا۔ 1935ء میں بی اے کی کلاسیس شروع ہو گئیں، اس طرح تعلیم نسواں کا کارواں چل پڑا۔

سر سید کے مطابق نصاب (Curriculum):

سر سید کی زندگی کا مقصد ہی تعلیم کی ترویج رہی ہے لیکن وہ فرسودہ تعلیم اور نصاب کے خلاف تھے وہ تعلیم اور نصاب کے جدید کاری کے قائل تھے تعلیم کے ذریعہ سماجی اصلاح ان کا مقصد تھا، سائنس و انگریزی علوم کو وہ نصاب کا ضروری حصہ بنانا چاہتے تھے اس مقصد سے انہوں نے کئی ادارے، سوسائٹیوں، کلبس، کانفرنس، میٹنگ، رسائل، اخبار قائم و جاری کیئے اور علم جدید کے اشاعت کی ترغیب دی۔ وہ نصاب کو اقلیت پر مبنی، ماڈرن، ہمہ جہت اور حالات سے میل رکھنے والا، وقت کے تقاضوں کے مطابق بنانا چاہتے تھے۔ علمی میدان میں یورپی ممالک کی برابری کرنا بھی ان کا مقصد تھا۔ لیکن وہ مذہبی تعلیم اور مذہبی حدود کے بالکل خلاف تھے انہوں نے ساری زندگی علوم دینیہ کی بھی خدمت کی۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ وہ دنیاوی اور جدید علوم کو شامل

نصاب رکھنا چاہتے تھے۔ کھیل کود، مصوری، ودیگر فنون لطیفہ، تحریری و تقریری صلاحیت پیدا کرنا بھی نصاب کا مقصد ہونا چاہیے۔ 1886 میں انہوں نے سائنٹفک سوٹی کی بنیاد رکھی جس کا عین مقصد سائنسی علوم کو اردو زبان میں ترجمہ کرنا تھا، مغربی علوم کی اہمیت ان کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔ قومی یک جہتی کے علمبردار رہے نصاب کو محدود رکھنے کے خلاف تھے اور تہذیبی اور اخلاقی تعلیم بھی ان کے یہاں طلبا کی روزمرہ کی ٹریننگ کا حصہ تھیں۔ سیکولر نصاب بھی ان کی اولین ترجیح تھی۔

اساتذہ کا رول: (Role of a Teacher)

سر سید کے مطابق اساتذہ کا رول غیر معمولی ہے۔ ان کے مطابق اساتذہ اپنی علمی قابلیت کے علاوہ تہذیب و شائستگی کا نمونہ ہوں وہ چاہتے تھے کہ اساتذہ اپنا ایسا تائثر طلبا پر چھوڑیں کہ وہ تا عمر ایک مثالی اور عمدہ شخصیت کا نمونہ پیش کریں۔ سر سید احمد خان بذات خود بھی تمام عمر لکھنے پڑھنے میں ہی مصروف رہے۔ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر انہوں نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ بے شمار مضامین اور مختلف النوع موضوعات پر انہوں نے لکھا اور عوام میں لکھنے کا ذوق پیدا کیا، رسالے شائع کیے، رپورٹیں لکھیں، وہ بہترین مقرر بھی تھے جید عالم، رہنما، مصلح قوم، ان کی ذات ایک ایسا منبع نور تھی جس کے ہر گوشے سے علم کے سوتے پھوٹے پڑتے تھے بالخصوص مسلمانوں بالعموم ہندوستانیوں میں جدید علوم کی طرف رغبت پیدا کرنے میں ان کا تعاون غیر معمولی اور مثالی رہا ہے۔

اکائی-3- مشرقی نظام اور مغربی فلسفہ مکاتب

Eastern Systems and Western Schools of Philosophy

تعارف Introduction

مقاصد Objectives

3.1 فلسفہ مشرقی نظام (Eastern Systems of Philosophy)

3.1.1 سانکھیہ (Sankhya)

3.1.2 یوگا (Yoga)

3.1.3 نیایا (Nyaya)

3.1.4 صوفی ازم (Sufism)

فرہنگ (Glossary)

خلاصہ (Let Us Sum Up/Points to Remember)

3.2 مغربی فلسفہ مکاتب (Western Schools of Philosophy)

3.2.1 تصوریت (Idealism)

3.2.2 فطرییت (Naturalism)

3.2.3 عملیت (Pragmatism)

3.2.4 وجودیت (Existentialism)

فرہنگ (Glossary)

خلاصہ (Let Us Sum Up/Points to Remember)

اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں (Unit End Activities)

مزید مطالعے کیلئے کتب (Suggested Readings)

تعارف:-

اس سے قبل آپ اس بات کا مطالعہ کر چو کے ہیں کہ ہندوستانی نظام تعلیم زمانہ قدیم ہی سے اپنی گونا گونی خصوصیات کے باعث دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ویدک دور سے لیکر بودھ دور اور فر عہد وسطی سے لیکر عہد جدید تک ہمارے نظام تعلیم نے تبدیلی اور ارتقاء کے مختلف مراحل پار کیئے ہیں۔ ارتقاء کے اس عمل میں مفکرین کے افکار و خیالات اور ان کے خدمات کا مطالعہ بھی آپ کر چو کے ہیں۔

اس اکائی میں آپ دیکھیں گے کہ ہمارے نظام تعلیم کو زمانہ قدیم میں متاثر کرنے والے ہندوستانی فلسفہ میں بھی چند واضح مکاتب فکر رہے ہیں۔ ان میں سائیکھیا فلسفہ، نیایا اور یوگا شامل ہیں۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد اسلامی افکار اور مقامی خیالات کے امتیاز آج سے جنم لینے والے فلسفہ تصوف کو اس ایکائی میں شامل کیا گیا ہے۔

مقاصد:

☆ قدیم بھارت کے فلسفیانہ نظام سے واقف کرانا۔

☆ قدیم بھارتی فلسفوں میں سے سائیکھیا، یوگا، نیایا اور سوئی ازم فلسفہ کا تعارف حاصل کرنا۔

☆ سانکھیہ، یوگا، نیاہ اور سونی ازم فلسفہ اور تعلیم کے رشتوں کا سمجھنا۔

3.1 فلسفہ مشرقی نظام (Eastern Systems of Philosophy)

3.1.1: سانکھیہ (Sankhya)

تعارف:

سانکھیہ فلسفہ بھارت کے چھ فلسفوں میں سے ایک اہم فلسفہ مانا جاتا ہے۔ اس فلسفہ کے بانی مشہور عالم کپیلہا ہے۔ اس فلسفے میں خاص طور پر تخلیق کے سوال پر غور کیا گیا ہے۔ سانکھیہ فلسفے میں سانکھیہ اور یوگا دونوں نظریات کا حسین سنگم نظر آتا ہے واضح رہے کہ سانکھیہ، نظریات کو پیش کرتا ہے اور یوگا ان کے عملی پہلو اجاگر کرتا ہے۔

سانکھیہ دراصل ایک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ”تعداد“ (نمبر) کے ہوتے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم میں سانکھیہ فلسفہ سے مراد وہ فلسفہ ہے جو اس کائنات کی حقیقت اولیٰ سمجھنے کیلئے اس کے اجزاء کی ماہیت (Nature) اور تعداد کو متعین کرتا ہے تاکہ حقیقت کی پردہ کشائی کی جاسکے۔ سانکھیہ کا ایک اور مفہوم، ”مکمل علم“ بھی ہوتا ہے۔

سانکھیہ فلسفہ حقیقت کی تلاش کو دو زاویوں سے دیکھتا ہے۔ ان کے نزدیک دو حتمی حقیقتیں (Ultimate

realities) میں۔

1۔ پراکرتی یعنی مادہ

2۔ پروشا، نفس (روح)

اس فلسفے کے نزدیک مادہ اور روح دونوں بھی مساوی طور پر حقیقی ہیں۔ ان کے مطابق پروشا (نفس) ایک نہیں ہے بلکہ

بہت زیادہ ہیں۔

سانکھیہ فلسفہ:

☆ ہندوستان کے فلسفوں کی چھ شاخیں ہیں اس میں سے سانکھیہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔

☆ اس فلسفہ کے حامی تخلیق کے مسئلہ پر زیادہ غور کرتے ہیں۔

☆ ان کے مطابق کوئی چیز عدم سے وجود میں آتی ہے اور جو چیز موجود ہے وہ غائب نہیں ہو سکتی ہے۔

☆ شے کے وجود میں آنے کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہوتی ہے۔

☆ گویا تخلیق کا مطلب چھپی ہوئی چیز کا اظہار ہے۔ اسی طرح تخریب (توڑ پھوڑ) اس کے ظاہر کو چھپا دیتی

ہے۔ تو اس طرح تعمیر اور تخریب دونوں میں کسی ایک ہیئت (Form) یا خصوصیت کو ہم ترک کر دیتے ہیں اور کسی دوسری

ہیت یا خصوصیت کو اختیار کر لیتے ہیں۔

- ☆ وجہ اور اس کے اثر میں، علت اور معلول میں صرف ہیت (Form) کا فرق ہوتا ہے۔
- ☆ اثر اپنی وجہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے اس کو سٹک در وادا کہتے ہیں۔ یہ لوگ وجہ اور اثر کے آزادانہ وجود کے قائل نہیں ہیں۔

وجہ اور اثر میں یقین رکھنے والے افراد بھی نظریاتی لحاظ سے مزید دو قسموں میں تقسیم ہوئے ہیں

(i) پرینام وادا

(ii) وی وارتا وادا

وی وارتا وادا	پرینام وادا
(۱) وی وارتا وادا کے مطابق وجہ ایک وہم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔	(۱) پرینام وادا کے مطابق وجہ حقیقت میں اثر میں تبدیل ہو جاتی ہے
(۲) وی وارتا وادا کی مثال کسی رسی کا سانپ نظر آتا ہے	(۲) پرینام وادا کی مثال مٹی کا صراحی میں تبدیل ہونا۔
(۳) وی وارتا وادا کے مطابق دونوں الگ الگ ہیں۔	(۳) پرینام وادا کے مطابق وجہ اور اثر یا علت اور معلول ایک ہی ہے۔
(۴) وی وارتا وادا پر ویدک فلاسفر یقین رکھتے ہیں۔	(۴) پرینام وادا پر سانکھیہ فلاسفر یقین رکھتے ہیں۔

رمانجھم کے مطابق کائنات برہمن کی وجہ سے وجود میں آئی ہے جبکہ سانکھیہ کے مطابق کائنات پراکرتی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔

سانکھیہ فلسفہ کے اہم تصورات:

اس فلسفہ کے اہم تصورات ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

(i)

اساد کرانت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز موجود نہیں ہے وہ تخلیقی صلاحیت سے محروم ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز موجود نہیں ہے وہ کسی کی وجہ بھی نہیں بن سکتی ہے۔ گویا اثر وجہ میں بالقوی موجود ہوتا ہے اگر وجہ میں اثر موجود نہ ہو تو وجہ کبھی بھی اثر کو ظاہر نہیں کر سکتی۔

(ii) اپدرا نہ گرهنت:

کسی بھی تخلیق کے لیے ایک مادی وجہ کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ مادی وجہ موجود نہ ہو تو شے بھی پیدا نہیں ہو سکتا گویا اثر مادی وجہ کا اظہار ہے۔ کیونکہ وہ اس کا ناگزیر حصہ ہے۔

(iii) سر و سنجاوت:

اگر اثر کسی بھی مادی وجہ سے تعلق نہ رکھتا ہو تو کوئی بھی وجہ کسی بھی اثر کو ظاہر کر سکتی ہے۔ مگر تجربہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اثر کے اظہار سے پہلے وجہ موجود ہوتی ہے۔

(iv) سکتسیہ ساکیہ کرانت:

اس اصول کے مطابق تخلیق چھپی ہوئی صلاحیت یا ایک وجہ وہی اثر ظاہر کرے گی جو اس کے اندر بالقوی موجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہم ریت سے کھانے کا تیل کا حاصل کر سکتے ہیں۔

(v) کرانہ واہت:

اس کے مطابق اثر اور وجہ کی اپنی اپنی شناخت ہوتی ہے۔ ان کے درمیان کی رکاوٹوں کو دور کر دینے پر اثر وجہ کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اثر وجہ میں اُس کے اظہار سے پہلے ہی موجود ہوتا ہے۔ اس فلسفہ میں موثر وجہ اور مادی وجہ میں فرق کیا جاتا ہے۔ مادی وجہ اثر میں داخل ہوتی ہے جبکہ موثر وجہ باہر کام کرتی ہے۔ مثلاً: تیل نکالنے کے لیے بیج کا توڑنا۔

ویسا کے مطابق درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

i مکان (Space)

ii زماں (Time)

iii حالت (Shape)

iv ہیئت (Form) جب کسی شے کی اندرونی خاصیت تبدیل ہو تو اُسے ہم خصوصی اثر کہتے ہیں۔ اور جب شے ظاہری طور تبدیل ہو تو اُسے ظاہری نتیجہ کہتے ہیں۔

پرا کرتی:

اس فلسفہ کے مطابق اس کائنات کی پہلی وجہ پرا کرتی ہے۔ جس کے بعد تخلیق کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کائنات کے تمام

اثرات کسی پر منحصر ہوتے ہیں۔ پراکرتی یہ کائنات کا سب سے پہلا عنصر ہے اس لیے اُسے ”پردھانہ“ بھی کہتے ہیں۔ لوگ چار یہ کہتے ہیں کہ ہے کہ اسے پراکرتی کہنے کی وجوہات ہیں کیونکہ اس سے تمام تخریب وجود میں آتی ہے۔ اسے ”اودیہ“ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ علم کے مخالف ہے۔ اس کو ”مایہ“ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے مختلف چیزیں تخلیق پاتی ہیں یا ارتقاء کرتی ہے۔ کائنات وجوہات (علت) اور معلول (اثر) کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی بھی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔ بنیادی وجہ (fundamental cause) کوئی ذات نہیں ہو سکتی کیونکہ ذات (self) نہ وجہ نہ ہی اثر اور ذات کی خصوصیات کائنات میں پائے جانے والی اشیاء کے مخالف ہوتی ہیں۔ چارواکہ (فلسفہ)، بدھیست، جین، نیایہ وغیرہ ان فلسفوں کے مطابق یہ کائنات زمین پانی، آگ اور ہوا کے جوہروں سے مل کر بنی ہے۔

اس فلسفہ کے مطابق دماغ، ذہانت اور خودی، ان طبعی عناصر سے مل کر نہیں بن سکتے اس طرح اس کائنات کی وجہ گوکہ طبعی ہوگی مگر اس کائنات کی وجہ اس طرح ہونی چاہیے جس میں اس کی طبعی خصوصیات اور ممکنہ حد تک لامتناہی ہو۔ کائنات کی کوئی ابتداء اور انتہا نہ ہو۔ اور وہ دوسری چیزوں کے وجود میں آنے کا واسطہ (Cause) ہو کیونکہ یہ تمام خصوصیات پراکرتی میں ملتی ہیں۔ لہذا پراکرتی اولین وجہ (علت) ہے۔

پراکرتی اور اشیاء:

پراکرتی	اشیاء
(۱) پراکرتی ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہیگی۔	(۱) اشیاء پراکرتی سے تخلیق پاتی ہیں، وہ فانی ہوتی ہیں۔
(۲) پراکرتی ایک ہی ہوتی ہے۔	(۲) اشیاء ایک سے زیادہ ہوتی ہیں۔
(۳) پراکرتی نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ مرتی ہے۔	(۳) اشیاء پیدا ہوتی ہیں، اور مرتی ہیں۔
(۴) پراکرتی تعمیر اور تخریب (توڑ پھوڑ) سے بے نیاز ہوتی ہے۔	(۴) اشیاء میں تعمیر اور تخریب (توڑ پھوڑ) ہوتی ہے۔
(۵) پراکرتی کے کوئی حصے نہیں ہوتے۔	(۵) اشیاء کے حصے ہوتے ہیں

پراکرتی بہت زیادہ لطیف ہوتی ہے جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے لیکن اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے وہ اپنی تخلیق سے جانی جاتی ہے۔ ایشورا کرشنا کے مطابق پراکرتی کسی سے پیدا نہیں ہوئی۔ وہ لال ہے، سفید ہے اور کالی ہے۔ تمام کی ماں ہے اور سب کو

پالنے پوسنے والی ہے۔ اور جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ بظاہر حقیقت میں پراکرتی ایک نام ہے جس کی موجودگی حقیقت ہے۔ اور اس کا وجود اس کائنات میں ملتا ہے۔ ہم پراکرتی کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ ہمارا علم کائنات کے معروضی وجود تک ہی محدود ہے۔ پراکرتی کا وجود ہی حقیقت اولیٰ ہے۔ اُس کے وجود کا احساس اس کائنات میں تخلیق شدہ اشیاء کے ذریعے ہوتا ہے۔

(1) بھیدانم پر ایمانت:

چونکہ کائنات کی تمام اشیاء محدود ہیں، ایک دوسرے پر منحصر ہیں، اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں اور آخر کار ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے وہ وجہ جو انہیں پیدا کرتی ہے اُس علت (وجہ) کو لا محدود، آزاد اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہونا چاہئے۔

(2) بھیدانم سمنویات:

کائنات کی اشیاء الگ الگ ہونے کے باوجود کچھ خصوصیات یکساں رکھتی ہیں۔ اس لیے ان میں خوشی، غم اور اختلافات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ کوئی ایسی طاقت ہو جو ان تمام وجوہات کی انہیں ایک مشترک دھاگے میں باندھے رکھے۔

(3) کر یا تمھ پراور پتھچھا:

تمام

وجوہات ایک اولین وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جن میں وہ وجہ باطنی طور پر موجود ہوتی ہے۔ تمام اشیاء میں ارتقاء ہوتا ہے۔ اور وہ طاقت جو یہ ارتقاء عمل میں لاتی ہے اُسے کائنات کی تخلیق کی وجہ ہونا چاہیے۔ اور یہ وجہ پراکرتی ہے۔

(4) کر نہ کر یہ وبھا گاتا:

وجہ اور اثر دونوں الگ الگ ہوتے ہیں۔ وجہ اثر کو ظاہر کرتی ہے اور اثر وجہ میں چھپا ہوتا ہے۔ ہر وجہ کا کوئی نہ کوئی اثر ہوتا ہے اس لیے اس کائنات کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہیے۔ گویا ایسی وجہ جس میں کائنات چھپی ہوئی ہو اور یہی پراکرتی ہے۔

(5) اوی بھاگت ویش وارو پاسیہ:

اس فلسفہ میں علت اور معلول کے درمیان ایک شناخت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب ہم حال سے ماضی کی طرف سفر کرتے ہیں تو اثر کی شناخت وجہ میں گم ہو جاتی ہے اس عمل میں ہر اثر وجہ میں حل ہو جاتا ہے۔ اس طرح گویا

کائنات میں یکسانیت برقرار رہتی ہے اور وہ طاقت جو نظر نہیں آتی اُس میں تمام موجودات ضم ہو جاتی ہیں۔

پراکرتی کی خصوصیات:

- ☆ پراکرتی کے تین گن (خصوصیات) ہیں، ستاوا، رجس، اور تمس۔
- ☆ اس فلسفے کے مطابق کائنات میں توازن کی کیفیت ستاوا، رجس اور تمس کو ہم پراکرتی کہتے ہیں۔
- ☆ تجزیہ کرنے پر پراکرتی کو ہم تین ٹھوس اشیاء (Substance) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔
- ☆ یہ تینوں اشیاء بنیادی عناصر ہیں۔
- ☆ انہیں ہم پراکرتی کی مساوی اشیاء کہہ سکتے ہیں۔
- ☆ ان کی مثال ہار میں دھاگے کی سی ہے۔

☆ ستاوا کے معنی اچھائی، رحم دلی، روشن کرنے والا، اور تعمیری کام کے ہوتے ہیں۔ یہ خوشی اور مسرت سے متعلق ہے۔ یہ ایک مثبت عنصر ہے۔

☆ رجس کے معنی انتشار، بد نظمی، جوش و جذبہ، قوت محرکہ اور خیر و شر کی بالقوی قوت ہے۔ یہ عمل سے متعلق ہے

☆ تمس کے معنی اندھیرا، جہالت، تخریب، کاہلی، اور منفی کاموں کے آتے ہیں۔ یہ بے عملی سے متعلق ہے۔

نفس کی حقیقت: Nature of Self

پروشا

سانکھیہ فلسفہ میں یہ ایک مخصوص اصطلاح (Term) ہے اس سے مراد ذات جاننے والا اور فاعل (کام کرنے والا) ہے۔ یہ نہ جسم ہے اور نہ ہی روح، ذہن اور نہ ہی خودی یہ شعور کی کیفیت کا بھی نام نہیں ہے۔ یہ اپنے آپ میں خالص شعور کا نام ہے یہ تمام علم کی بنیاد ہے۔ یہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ علم کی شے نہیں ہو سکتا۔ وہ مشاہدہ کرنے والا غیر جانب دار اور ہمیشہ سے آزاد (Eternally free) اور پُر امن ہے۔ وہ زماں اور مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ وہ خود ہی علم اور شعور کا منبع ہے۔ وہ اپنی ذات میں آپ خود اپنا ثبوت ہے۔ اُس کی کوئی متعین شکل نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے۔ اُس کا انکار ناممکن ہے۔ وہ تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ پراکرتی کی حدود سے دور ہے۔

سائنس کا فلسفہ اور نجات کا تصور:

اس فلسفہ کے مطابق انسانی زندگی دکھوں اور غموں سے بھری پڑی ہے۔
ان کے مطابق مشکلات کی تین بڑی قسمیں ہیں۔

(i) ادھیات مک:

اس میں جسمانی، ذہنی وجوہات ہوتی ہیں مثلاً جسمانی اور ذہنی بیماری، غصہ اور بھوک کا شمار ہوتا ہے۔

(ii) ادھی بھاؤ تک:

یہ مسائل قدرتی آفات انسانی آفات (جنگ فساد مار پیٹ) اور جانوروں کے ذریعے سے مشکلات جیسے۔ سانپ کا کاٹنا یا ہاتھی کا پٹک دینا شمار ہوتا ہے۔

(iii) ادھی رائے وک:

یہ آفات یا مشکلات ستارے شیطان، جن، بھوت، چڑیل (witch) وغیرہ کے ذریعے سے پیش آتی ہیں۔

راہ نجات:

جہالت تمام مسائل کی جڑ ہے (Ignorance is the cause of suffering)۔ اور جہالت کا مطلب اپنی اصل اور حقیقی حیثیت کو نہ جاننا یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ ان کی نزدیک پر اکر تہی اور پروشا (نفس) کے درمیان فرق کرنا نجات کے لیے ضروری ہے۔ جیون مکتی اور دہیہ مکتی جب جیوا (زندگی) پر حقیقت واضح ہو جاتی ہے اُس وقت وہ آزادی حاصل کر لیتا ہے اگرچہ وہ جسم میں رہتا ہے کیونکہ یہ اس کے سابقہ یا پچھلے اعمال کی وجہ ہے۔ ایسا جیو کسی دکھ اور درد کو محسوس نہیں کرتا ایسا جیو تمام مشکلات سے آزاد ہوتا ہے آگے چل کر اُسے جسمانی نجات بھی مل جاتی ہے۔

سائنس کا فلسفہ کا نظریہ علم:

ان کے نزدیک علم کے تین اہم ذرائع ہیں۔

(1) ادراک، (Perception) یعنی شعور، عقل، احساس

(2) استنباط، (Inference) یعنی استدلال، استخراج

(3) شہادت (Testimony) یعنی، گواہی، اعتراف، وحی، تصدیق وغیرہ

سانکھیہ فلسفے کے مطابق علم مہیا کرنے میں مانس (ذہن) مہت (عقل) اور پروشا کا اہم کردار ہوتا ہے۔ جب ہمارے حواس کسی شے کے تعلق میں آتے ہیں تو اُس کے بارے میں احساس/ تاثر ہمارے دماغ تک جاتا ہے۔ دماغ اُن تاثرات/ احساسات پر عمل کر کے اُنھیں مناسب شکل دے کر ایک فیصلہ کن شے کی حیثیت دیتا ہے۔ یہ ادراک مہت یعنی عقل تک جاتا ہے۔ عقل وہاں پر اُسے تبدیل کر کے اُسے ایک مخصوص شکل دیتی ہے۔ اس پر بھی علم کا عمل مکمل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل ایک مادی شے ہے جو شعور سے عاری ہے۔ گو کہ وہ پروشا کے شعور کو منعکس کرتی ہے۔ مثلاً آئینہ اپنے آپ سے عکس پیدا نہیں کر سکتا۔ اُسے عکس کے اظہار کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں شے کے عکس کو ظاہر کر سکے اس طرح علم کے اظہار کے لیے مہت کو پروشا کے شعور کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

فرہنگ: (Glossary)

Ultimate realities	حتمی حقیقتیں	-
Space	مکان	-
Time	زماں	-
Shape	حالت	-
Self	ذات	-
Fundamental Course	بنیادی وجہ	-
Nature of Self	نفس کی حقیقت	-
Inference	استنباط	-
testimony	شہادت	-

خلاصہ: (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

سانکھیہ فلسفے میں خاص طور پر تخلیق کے سوال پر غور کیا گیا ہے۔ سانکھیہ فلسفے میں نظریاتی بحث ہے جب کہ یوگا فلسفے میں عملی پہلو اجاگر کئے گئے ہیں۔ سانکھیہ فلسفے میں دو حتمی حقیقتیں ہیں۔ پراکرتی اور پروشا۔ علت اور معلول میں صرف ہیئت کا فرق ہوتا ہے۔ اثر و وجہ میں بالقوی موجود ہوتا ہے۔ تخلیق کے لئے مادی وجہ کا ہونا ضروری ہے۔ پراکرتی ان کے نزدیک اولین وجہ ہے۔ پراکرتی ایک ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگی۔ اس کے حصے نہیں کئے جاسکتے۔ پراکرتی تمام وجوہات کی وجہ ہے۔ جو

کائنات کو ایک مشترک دھاگے میں باندھے رکھتی ہے۔ تمام اشیاء ارتقاء پذیر ہوتی ہیں۔ پراکرتی کے تین گن ہوتے ہیں، ستاوا، تمس اور رجس۔ پروشاخالص شعور کا نام ہے اور تمام علم کی بنیاد ہے۔ جہالت تمام مسائل کی جڑ بنیاد ہے۔ سانکھیہ علم کے تین ذرائع بتاتا ہے ادراک، استنباط اور شہادت۔

اکستابی جانچ :

- (1) سانکھیہ فلسفے کا بانی..... ہے۔
- (2) سانکھیہ کے نزدیک دو حتمی حقیقتیں..... ہیں۔
- (3) وجہ اور اثر میں..... کا فرق ہوتا ہے۔
- (4) کسی بھی تخلیق کیلئے ایک..... وجہ کا ہونا ضروری ہے۔
- (5) اشیاء..... ہوتی ہیں۔

مختصر جوابی سوالات :

- (1) ستاوا، رجس اور تمس کا مفہوم بیان کیجئے۔
- (2) سانکھیہ فلسفے میں انسانی دکھوں اور غموں کی کیا وجوہات ہیں؟
- (3) سانکھیہ میں علم کے کون سے ذرائع تسلیم کئے جاتے ہیں؟
- (4) اشیاء اور پراکرتی میں فرق بیان کیجئے۔

طویل جوابی سوالات :

- (1) سانکھیہ فلسفہ کے نظریہ علم پر روشنی ڈالیے۔
- (2) پروشا کی خصوصیات بیان کیجئے۔
- (3) پرینام واد اور وی وارتا واد کے درمیان فرق واضح کیجئے۔

3.1.2: یوگا: (Yoga)

تعارف: (Introduction)

یوگا فلسفہ انسان کو آزادی حاصل کرنے اور نجات پانے کا عملی طریقہ یا ذریعہ بتاتا ہے۔ ہندوستان میں کئی طرح کے یوگا پر عمل ہوتا ہے لیکن ان میں پانچ نئی طریقہ زیادہ مشہور ہے۔ یوگا سائنکھیہ فلسفہ کے نظریاتی پہلوؤں کی عملی شکل ہے۔ دونوں فلسفے یہ مانتے ہیں کہ آزادی اور نجات کے لیے علم بہت ضروری یا ناگزیر ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو اُس کی جسمانی اور ذہنی خواہشات کو دباننا ہوگا۔ اپنے جسم، حواس، ذہن، عقل، اور انا (خودی) پر قابو حاصل کرنا ہوگا۔ اس کے ذریعے ہم اپنی حقیقت کو پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ ہماری حقیقی ذات ان سب سے بے نیاز ہے۔

سائنکھیہ فلسفہ میں علم کے جو ذرائع یعنی مطالعہ، ارتکاز (concentration) اور گیان دھیان (مراقبہ) کو یوگا فلسفہ بھی علم کے ذرائع مانتا ہے۔ اس کے ساتھ یوگا فلسفے میں تصورات (Perception)، مشاہدہ سے نتائج اخذ کرنا (Inference) اور مذہبی کتابیں (Scripture) بھی علم کے ذرائع ہیں۔

یوگا فلسفہ میں سائنکھیہ فلسفہ کے 25 نکات کے علاوہ ایک اور نکتہ ”خلا“ کو شامل کیا گیا ہے اس طرح سائنکھیہ فلسفہ اور یوگا فلسفہ دونوں مابعد طبعیات (Meta physics) میں یکساں ہیں اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یوگا سائنکھیہ فلسفہ کی عملی شکل ہے۔

یوگا کے نفسیاتی پہلو:

یوگا میں ستہ کی بڑی اہمیت ہے یہ پراکرتی میں ایک تبدیلی کا نام ہے اس تبدیلی میں رجز اور تمس پرستاوا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مادی کیفیت ہے جو ذات (Self) کی قربت کی وجہ سے روشن ہو جاتا ہے اور یہ جس شے کے تعلق میں آتا ہے اُس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کیفیت کے ذریعے ذات (Self) ان اشیاء کا علم حاصل کرتی ہے ہماری ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جو تبدیلی نظر آتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے گویا ندی کے پانی میں ہمیں چاند حرکت کرنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جب ہماری ذات کو حقیقی علم حاصل ہوتا ہے اُس وقت ہم ستہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اس طرح ہم دنیاوی یا مادی خوشی اور غم کی غلامی یا اثرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ یوگا کے ذریعے ہم ستہ میں ہونے والی تبدیلیوں پر قابو پاسکتے ہیں۔

ستہ کے مراحل:

ستہ کے پانچ مراحل (stages) ہے

(1) کسپتا (Ksipta):

اس مرحلے میں ستہ بنیادی حرص اور ہوس اور لالچ کی بہت زیادہ غلام ہو جاتی ہے۔

(۲) مودھا (Mudha):

جب تمس غالب ہو جاتی ہے یا چھا جاتی ہے اُس وقت سستہ کی کیفیت کو مودھا کہتے ہیں۔

(۳) وی کسپتا (Viksipta):

اس کیفیت میں ستاوا کے چھا جانے کے باوجود سستہ کامیابی اور ناکامی کے درمیان رجس کی وجہ سے چکر کاٹتی رہتی ہے۔

(۴) اکاگرا (Ekagra):

جب ستاوا کیفیت کی وجہ سے کسپتا کسی ایک کام پر جم جاتی ہے یا مرکوز ہو جاتی ہے۔ مثلاً آگ کا شعلہ ہمیشہ

ایک نقطے پر مرکوز ہوتا ہے۔

(۵) نرودھا (Nirudha):

جب سستہ میں تبدیلی کے بعد اُس کا عکس باقی رہ جاتا ہے تو وہ حالت نرودھا کہلاتی ہے اس حالت کو ہم یوگا کہتے

ہیں۔

ستہ میں تبدیلیاں:

ستہ ایک مادی وجود کا نام ہے کیونکہ اس سے ذات (self) کا اظہار ہوتا ہے۔ ستہ میں یہ تبدیلیاں جہالت کی وجہ سے آتی

ہیں جس کا نتیجہ غلامی ہوتا ہے۔ ستہ میں تبدیلیوں کی پانچ قسمیں ہیں۔

(1) پرمانا:

تصورات، خیالات، مشاہدہ، نتیجہ اخذ کرنا اور مذہبی کتابیں علم کے ذرائع ہیں۔ حواس کے ذریعے ستہ ایک فعل یا کام کی

شکل اختیار کر لیتا ہے مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ حواس کے ذریعے تصدیق شدہ مشاہدات ہی علم کا ذریعہ ہیں۔

(2) وی پرپایا:

کسی بھی شے کے بارے میں غلط علم وی پرپایا کہلاتا ہے۔ شک (Doubt) اسی میں شامل ہے۔

(3) وکلپا:

یہ وہ علم ہوتا ہے جس میں جس شے کے بارے میں علم ہوتا ہے موجود نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً شعور اور ذات کا ایک ہونا،

جبکہ ہم شعور اور ذات میں امتیاز کرتے ہیں۔ جب ہم کوئی دو اشیاء کے بارے میں واضح طور پر فرق کریں تو وہ ویکلپا کہلاتی

ہے۔

(4) ندرا:

یہ نیند سے مشابہ کیفیت کا نام ہے جس میں حقیقی علم موجود نہیں ہوتا ہے مگر یہ مکمل جہالت بھی نہیں ہے۔

(5) سمرتی:

سمرتی حافظے کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب پرانے تجربات کو یاد کرنا ہے۔

اس طرح سستہ میں مندرجہ بالا تبدیلیوں کی ایک سائیکل چلتی ہے۔ یوگا کے مطابق سستہ میں تبدیلیوں کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً بیماری، سستی اور کاہلی، شک و غیرہ ان تمام کے لیے یوگا توجہ مرکوز کرنے کے لیے مشق کراتا ہے۔ اس کے ساتھ جانداروں سے محبت، مصیبت میں لوگوں کو ہمدردی کی تعلیم دینا۔ بُرے لوگوں سے نفرت اور نیک لوگوں سے محبت کرنا سکھانا ہے۔

یوگا کے سدھ (اصول):

(۱) انیما: یہ وہ طاقت ہوتی ہے جس کے ذریعے Atom کی طرح باریک ترین اور نظر نہ آنے والے بن سکتے ہیں۔

(۲) لگھیمیا: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے روٹی کی طرح ہلکے بن کر ہوا میں اڑا جاسکتا ہے۔

(۳) مھیمیا: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے پہاڑوں کی طرح بڑا بنا جاسکتا ہے۔

(۴) پراپتی: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے خواہش کی گئی تمام چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۵) پراکٹمیما: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے سے ہم عزائم کی کمزوریوں کو دور کر سکتے ہیں۔

(۶) واستوا: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے تمام جانداروں پر قابو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۷) ایت ذہا: تمام طبعی اشیاء پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

(۸) یا ترا کام واستوا: یہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے سے تمام خواہشات پوری کی جاسکتی ہے۔

یوگا میں ان طاقتوں کے حصول کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یوگا کا اصل مقصد طاقت کا حصول نہیں بلکہ نجات کی

حقیقت کو پانا ہے۔

یوگا کے آٹھ اقسام:

ستہ پر قابو پانے اور دھیان مرکوز کرنے کے لیے یوگا ذیل کے آٹھ سادھن تجویز کرتا ہے۔

(۱) سیمیا: جسم زبان اور ذہن پر قابو پانے کا نام سیمیا ہے۔ سیمیا کی پانچ قسمیں ہیں۔

(i) اہنسا: ہر قسم کے تشدد سے پرہیز۔ کسی بھی جاندار کو تکلیف نہ پہنچانا۔

- (ii) ستیہ: قول اور فعل میں یکسانیت، حق کا اظہار
- (iii) استیہ: چوری نہ کرنا اور دوسروں کے مال پر بھی بری نظر نہ ڈالنا
- (iv) بھرم چاریہ: یہ حیوانی جذبات پر قابو پانا ہے۔
- (v) اپری گرہ: حرص و حوس سے پرہیز

(2) نیما: اس کا مطلب اچھے اخلاق اور کردار کی پیروی کرنا ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

- (i) سوچھ: اندرونی اور بیرونی صفائی کا اہتمام مثلاً غسل کرنا اور مناسب غذا کا استعمال کرنا، ایثار و قربانی خوشی اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔
- (ii) سنتوش: کم چیزوں پر راضی ہونا۔
- (iii) تپا: تپا یعنی وہ سرگرمی جس میں سردی اور گرمی میں رہنے کی کوشش کی جائے تاکہ موسمی اثرات سے متاثر نہ ہوں
- (iv) سوادھیائے (مطالعہ): مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا
- (v) ایشو پروانی دھان: خدا کی یاد اور اس کی فرما برداری اور احکام ماننا۔

(3) آسن: آسن کے ذریعے ہم توجہ مرکوز کرنے اور جسم پر قابو پانے کی مشق کرتے ہیں ستہ پر قابو پانے اور ذہن پر کنٹرول کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

- پدما آسن

- بھدرا آسن

- گروڈ آسن

- آسٹرسا آسن

- میورا آسن

ان آسنوں کے ذریعے جسمانی اعضاء اور دماغ پر قابو پانے میں بہت مدد ملتی ہے ان کے ذریعے ہم سردی اور گرمی سے ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ آسن کے ذریعے ہمارا جسم مضبوط ہوتا ہے۔ ذہنی صحت کے لیے جسم پر قابو بھی ضروری ہے۔

یہ فلسفہ معلم اور طالب علم دونوں سے جسمانی، ذہنی اور عقلی نظم و ضبط کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جسمانی اور ذہنی نظم

وضبط تعلیم کے عمل کی جان ہے۔

یوگا اور تعلیم:

یوگا میں بطور خاص طالب علم کو مادی مشکلات کا حل بتایا جاتا ہے۔ اُس کی ذہنی صحت کو بہتر بنانے، تناؤ کا مقابلہ کرنے، جذبات پر قابو پانے اور بیش فعالیت (Hyperactivity) پر قابو پانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ طلباء میں صبر اور تحمل پیدا کرتے ہیں۔ اُن کی قوت ارادی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اُنھیں اپنے باطن کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ اُن کے اندر کے تخلیقی شعور کو بیدار کر کے اُن کو اپنی انفرادیت کے اظہار کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

یوگا فلسفے میں معلم کی بڑی اہمیت ہے۔ معلم صرف نظریاتی تعلیم ہی نہ دے بلکہ عملی کام کر کے مظاہرہ بھی کرے۔ معلم کو علم کی طاقت، قوت ارادی اور عمل کی قوت سے آراستہ ہونا چاہیے۔ یوگا فلسفہ چاہتا ہے کہ طلباء اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے معلم کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ معلم کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یوگا کے طریقہ تعلیم میں ارتکاز (Concentration) کی بڑی اہمیت ہے۔ یوگا سائنسی اور عملی طریقے اپناتا ہے۔ اس فلسفے میں تعلیم اور نظم و ضبط ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔

فرہنگ: (Glossary)

Concentration	ارتکاز
Perception	ادراک / شعور / دریافت
Inference	استنباط / استدلال / نتیجہ

خلاصہ: (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

- یوگا فلسفہ انسان کی نجات پانے کیلئے عملی طریقوں سے واقف کراتا ہے۔
- انسانی آزادی اور نجات کیلئے علم کی ضرورت کا قائل ہے۔
- یوگا فلسفہ، سماکھیہ فلسفے کی عملی شکل ہے۔
- یوگا نجات کے حصول کیلئے ذہنی اور جسمانی خواہشات کو کنٹرول کرنے کی تلقین کرتا ہے۔
- حقیقی علم کے حاصل ہونے سے ہم سب سے بے نیاز ہو سکتے ہیں اور خوشی اور غم کی غلامی / اثرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

- ادراک، استنباط اور مذہبی کتابوں سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- حواس کے ذریعے تصدیق شدہ مشاہدات ہی علم کا ذریعہ ہیں۔
- یوگا کا مقصد طاقت کا حصول نہیں ہے۔ بلکہ نجات کی حقیقت کو پانا ہے۔
- یوگا کی آٹھ اقسام ہیں۔
- یوگا میں پانچ آسن ہیں۔ آسن کے ذریعے جسمانی مضبوطی اور ذہنی صحت حاصل ہوتی ہے۔
- یوگا معلم اور طالب علم دونوں سے ذہنی جسمانی اور عقلی نظم و ضبط کا مطالبہ کرتا ہے۔

اگتسابی جانچ :

- (1) بھارت میں یوگا کا..... طریقہ مشہور ہے۔
- (2) یوگا فلسفہ، سانکھیہ فلسفے کی..... شکل ہے۔
- (3) یوگا میں..... آسن ہوتے ہیں۔

جوابات:

۱۔ پاتانجلی

۲۔ عملی

۳۔ آٹھ

مختصر جوابی سوالات:

- (1) یوگا میں علم کے ذرائع کون سے ہیں؟
- (2) یوگا کا نفسیاتی پہلو بیان کیجئے۔
- (3) یوگا فلسفے میں ستہ میں تبدیلیوں کی وجوہات اور ان کا حل تحریر کیجئے۔
- (4) یوگا میں ستہ سے بے نیاز ہونے کی کیا شرط بتائی گئی ہے؟
- (5) یوگا میں ستہ کے پانچ مراحل کون سے ہیں؟

طویل جوابی سوالات:

- (1) یوگا فلسفے کے اصول (سدھ) تحریر کیجئے۔

(2) ستہ پر قابو پانے کیلئے یوگا کون سے سادھن تجویز کرتا ہے۔

(3) یوگا فلسفہ اور تعلیم پر اظہار خیال کیجئے۔

3.1.3: نیایہ (Nyaya)

تعارف:

نیایہ سنسکرت لفظ ہے اس کے معنی ”مضمون کی تفصیلات“ میں جانے کے ہوتے ہیں۔ اس میں مضمون کا تجزیاتی مطالعہ منطقی انداز میں کیا جاتا ہے۔ نیایہ کو ترک و دیا یعنی وجوہات کا علم اور دوا دیہ یعنی مباحثے کا علم بھی کہتے ہیں۔ اس فلسفہ نے منطق کے ذریعہ علم پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک علم کا مطلب اشیاء کا اظہار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علم کے ذریعے اشیاء چراغ کی مانند روشن ہو جاتی ہیں۔

انسانی زندگی میں دکھوں سے نجات

ہم جانتے ہیں کہ بھارتی فلسفوں میں انسانی دکھوں کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نیایہ فلسفے کا مقصد اس دکھ سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق یہ دنیا ہمارے سامنے اعمال اور نتائج کے چکر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہمیں دکھوں سے نجات پانے کے لیے چکر کو توڑنا ہوتا ہے۔

اس چکر کی ابتداء غلط فہمی (Misapprehension) سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب اشیاء کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہنا ہے۔ یا حقیقت پر توہمات اور غلط خیالات کا پردہ ڈالنا ہے۔ اور یہ کہ آدمی اپنے آپ کو صرف ذہن اور جسم کا مرکب سمجھے۔ دوسرے مرحلے میں عدم توازن (Imbalance) ہوتا ہے۔ اس میں فرد، انا (ego) کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کیلئے وہ جھوٹے سہارے لیتا ہے۔

تیسرا مرحلہ کرما یعنی عمل کا ہوتا ہے۔ عمل کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ مثبت، منفی اور غیر جانبدار۔ مثبت اور منفی اعمال کا نتیجہ فوری یا دیر سے ضرور ملتا ہے۔ چوتھے دور میں پنر جنم یعنی دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ جو ہمارے سابقہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ آخری مرحلہ دکھوں کا ہوتا ہے۔ اس میں انسان بیماریوں، بے اطمینانی، غم، دباؤ اور یاسیت کا شکار ہوتا ہے۔ اس چکر کو توڑنے کیلئے ہمیں بصیرت اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی سے عدم توازن کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ عمل اور اس کے نتیجے میں پنر جنم کے چکر کو ختم کرنا یعنی نجات حاصل کرنا ہے۔ نجات کے حاصل کرنے کیلئے یہ فلسفہ ہمیں درج ذیل چار تعلیمات دیتا ہے۔

- (1) پرہیز۔ دُکھوں سے
- (2) دُکھ کی وجہ۔ خواہشات، جہالت وغیرہ
- (3) دُکھ سے نجات۔ قطعی پرہیز
- (4) قطعی پرہیز کے ذرائع۔ اشیاء کا حقیقی علم

علم کی خصوصیات:

علم کی دو خصوصیات ہیں۔

- (1) پرما (حقیقی علم)
- (2) اپرما (غیر حقیقی علم)

(1) پرما: (حقیقی علم)

حقیقی علم وہ ہوتا ہے جس میں ہم شے کی حقیقت جانتے ہیں۔ مثلاً (i) سانپ کو سانپ جاننا۔ (ii) کٹورہ کو کٹورہ سمجھنا۔ حقیقی علم کے چار ذرائع ہیں۔

- ادراک

- نتیجہ اخذ کرنا (استنباط کرنا)

- تقابل کرنا

- شہادت حاصل کرنا

(2) اپرما: (غیر حقیقی علم)

ان چار ذرائع کے علاوہ حاصل ہونے والا علم غیر حقیقی علم کہلاتا ہے۔

(1) ادراک Perception

- اس کو قوت مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔

- اس کے ذریعے ہم ذاتی سمجھ کے مطابق ایک احساس بناتے ہیں۔

- اس میں شے ہمارے بیرون میں واقع ہوتی ہے۔

- ہم کسی شے سے خواہ اس خمسہ سے قربت کے نتیجے میں اُس کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اس شے کا حقیقی علم

حاصل کرتے ہیں۔

مثلاً۔ کسی شے کا میری آنکھ کے سامنے موجود ہوتا اُس شے کے بارے میں مجھے کوئی شک نہیں ہوتا ہے۔

کلاس روم میں تختہ سیاہ کی موجودگی وغیرہ۔

- اگر میں دور کسی چیز کو انسان کی طرح دیکھوں تو اس میں مجھے شک ہو سکتا ہے اور اس شے کے بارے میں میرا

علم غیر حقیقی ہوگا۔ لیکن اگر وہ شے میری آنکھوں کے قریب ہو تو میں اُس کی حقیقت کو جان سکتا ہوں۔ اس

طرح ہم کسی رسی کو سانپ سمجھ بیٹھتے ہیں تو وہ حقیقی علم نہیں ہوگا۔

- اس فلسفے کے ماننے والوں نے چھ طرح کی قریبوں کا اظہار کیا ہے۔

- تصور میں غیر معمولی اور وجدانی علم کو شامل نہیں کیا گیا ہے کیونکہ ان کا خمسہ سے تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس طرح ادراک (Perception) میں یا تصور میں اُس شے کو قریب سے دیکھنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ

اُس شے کے بارے میں فوری احساس کا پیدا ہونا ہے۔ گویا اس طرح سے حاصل ہونے والا علم کسی پچھلے تجربہ کا نتیجہ نہیں ہوتا

ہے۔

ادراک کے امتیازات/خصوصیات

اس کی دو خصوصیات ہوتی ہیں۔

(i) عمومی (Ordinary) (ii) غیر معمولی (extraordinary)

(i) عمومی تصور:

عمومی تصور کی بھی مزید دو قسمیں ہیں۔ (i) اندرونی (ii) بیرونی

(1) اندرونی تصور میں شے اور دماغ کا تعلق راست (Direct) ہوتا ہے اور ذہن خوشی، غم، محبت اور نفرت جیسی

خصوصیات کو جنم دیتا ہے۔

(2) بیرونی یہ ہمارے حواس خمسہ سے متعلق ہوتا ہے۔

(i) دیکھنا (ii) سننا (iii) چکھنا (iv) محسوس کرنا (v) چھونا

(ii) غیر معمولی تصور:

غیر معمولی تصور میں ہم حواس خمسہ کے بغیر علم حاصل کر لیتے ہیں۔

عمومی تصور کی خصوصیات:

عمومی احساس، یا تصور کی تین شکلیں ہیں۔

(۱) جب شیخو اس خمسہ کے ربط میں آتی ہے اور ہم اس کے بارے میں کچھ علم حاصل کرتے ہیں مثلاً اُس کا نام اور اس کی خصوصیات وغیرہ یہ تصور کی ابتدائی شکل ہے۔

(۲) اس کیفیت میں ہم یقینی طور پر اُس شے کی ہیئت (Nature) معلوم کرتے ہیں، اس طرح ہم اس شے کے بارے میں حقیقی علم حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ تصور کی ترقی یافتہ شکل ہے اور ہمارے بہت سارے دنیاوی کام اسی وجہ سے انجام پاتے ہیں۔

(۳) سابقہ معلومات کی بنیاد پر شے کو شناخت کرنا مثلاً گزشتہ سال ملاقات کرنے والے کسی شخص کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اُس کے نام اور خصوصیات کی شناخت کرنا۔

غیر معمولی تصور کے مراحل:

اس میں اشیاء کے درمیان مشترک خصوصیات کی بنیاد پر ان کے الگ الگ گروپ تیار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ انسان فانی ہے۔ برف ٹھنڈا ہوتا ہے پتھر سخت ہوتا ہے گھاس نرم ہوتی ہے ان میں ٹھنڈک، سختی اور نرمی ایسی خصوصیات ہیں جو چھونے کے احساس کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے ساتھ ہی ان کو دیکھا بھی جاسکتا ہے۔ اس میں ہم وجدان کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں۔ یہ عام طور پر یوگی لوگ جو مافوق الفطرت صلاحیتوں کے مالک ہوتے وہ اس طرح کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔

استنباط کرنا (نتیجہ اخذ کرنا): (Inference)

اس کا مطلب ہے کسی شے کے بارے میں اندازہ لگانا۔ اس کے لیے ہمیں پہلے سے کچھ علم کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بنیاد پر کسی شے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ مثلاً پہاڑی پر آگ لگی ہے کیونکہ وہاں سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور جہاں دھواں ہوتا ہے وہاں آگ ہوتی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے مراحل:

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ہمیں کم از کم تین مراحل کی ضرورت ہوتی ہے اوپر کی مثال میں ہم نے آگ کے وجود کا پتہ لگایا تھا

جہاں پر دھواں ہمارے نتیجے تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔ دھوئیں سے آگ کا نتیجہ کا اخذ کرنے میں پہلا مرحلہ پہاڑی پر دھوئیں کی موجودگی۔ دوسرے مرحلے میں دھوئیں اور آگ کا قریبی تعلق جس کے بارے میں ہم پہلے سے جانتے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں پہاڑی یعنی وہ مقام جہاں آگ لگی ہوتی ہے۔

تقابل کرنا: (Comparison)

ہم دو اشیاء کے درمیان تقابل کر کے ان کی حقیقت کا علم حاصل کر سکتے ہیں بعض چیزیں اپنی ضد کی وجہ سے بھی سمجھ میں آتی ہیں مثلاً صبح شام، آگ پانی

شہادت حاصل کرنا: (Testimony)

ہم کسی قابل اعتماد شخص کی شہادت یا گواہی کے ذریعے بھی علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ شخص ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے پاک ہو۔ اپنی تعلیمات کے نتائج سے اُس کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہ ہو۔ اور دیگر ذمہ داران اور ماہرین بھی اُس علم کی تائید کریں۔ نیا یہ فلسفے میں علم کے ذرائع بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں علم کی نوعیت ثانوی درجہ رکھتی ہے۔

نیا یہ فلسفے میں حقیقی علم کے ضمن میں 12 نکات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس طرح سے ہیں۔

جسم (body)، نفس (self)، حس (senses)، تجربہ (Experience)، عقل (Intelligence)، ذہن،

Intellect، سرگرمی (activity)، عدم توازن (Inbalance)، نتائج (consequenc) ،

دُکھ (suffering)، پُر جنم (rebirth)، اور نجات (Liberation)

نیا یہ فلسفہ اور تعلیم:

اس فلسفے کی سب سے اہم دین اُس کا طریقہ کار ہے۔ اس کا اپنا ایک منطقی (Logical) طریقہ کار ہے۔ اس فلسفے

میں علم حقیقی، نجات کا ذریعہ ہے اس لیے اس کے ماننے والوں نے علم کے حقیقی اور سچے ذرائع کی شناخت میں کافی محنت کی۔

ساتھ ہی انھوں نے غلط تصورات سے حقیقی علم کو ممتاز کرنے کیلئے بھی کافی کوششیں کیں۔ اس فلسفے نے مذہبی اور فلسفیانہ خیالات

کو منطقی اور اتصال و یک رنگی کے اصولوں پر پرکھنے کی کوشش کی۔ اُن کے نزدیک استدلالی طرز سے مراد وہ ذہنی کوششیں ہیں

جس میں نتائج کے حصول کیلئے ایک ذہنی عمل سے گزرا جاتا ہے۔ جس کی پیروی کی جاسکتی ہو جسے تصدیق کی جاسکتی ہو۔ اور جو

دیگر عقل مندوں کیلئے بھی قابل قبول ہو۔ اس طرح سے حاصل ہونے والا سچائی علم آفاقی ہوگا۔
 نیایہ فلسفہ تنقیدی طرز فکر کو بڑھا دیتا ہے۔ اور ہر طرح کے تعصبات اور غیر عقلی عقائد کو رد کرتا ہے۔ یہ فلسفہ طلباء میں
 تعمیری سوچ پروان چڑھاتا ہے۔ اس فلسفے نے طلباء کو منطقی انداز میں خود شناسی کی ترغیب دی۔ منطق کے علاوہ اس عمل میں وہ
 مطالعہ، غور و فکر، سماعت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو اہمیت دیتے ہیں۔

فرہنگ: (Glossary)

Misapprehension	غلط فہمی
Self	نفس
Senses	حواس
Intellect	ذہن
Activity	سرگرمی
Imbalance	عدم توازن
Consequence	نتائج
Suffering	دُکھ
Rebirth	پنر جنم
Liberation	نجات

خلاصہ : (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

- نیایہ فلسفہ نے حقیقت کی تلاش میں منطق کو بہت اہمیت دی۔
- نیایہ فلسفہ انسانی زندگی میں عدم توازن کیلئے انا (Ego) کو ذمہ دار قرار دیتا ہے۔
- اس فلسفے کے مطابق دُکھوں سے نجات کیلئے حقیقی علم حاصل کرنا ضروری ہے۔
- نیایہ علم کے چار ذرائع تسلیم کرتا ہے ادراک، استنباط، تقابل اور شہادت۔
- نیایہ فلسفے میں علم کی نوعیت، علم کے ذرائع کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔
- اس فلسفے نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (1) پرما یعنی حقیقی علم (2) اپرما یعنی غیر حقیقی علم

- نیایہ فلسفے میں علم کے ذرائع بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔
- استدلال کے ذریعے حاصل سچائی کا علم آفاقی ہوتا ہے۔
- نیایہ فلسفہ طلباء میں تنقیدی فکر اور تعمیری سوچ پروان چڑھاتا ہے۔
- نیایہ فلسفہ طلباء کو خود شناسی کے حصول میں متعلق مطالعہ غور و فکر اور قوت فیصلہ سے مدد لینے کی تلقین کرتا ہے۔

اکتسابی جانچ:

- (1) اندرونی تصوّر میں شے کا تعلق راست سے ہوتا ہے۔
- (2) نیایہ فلسفے میں علم کی دو قسمیں اور ہیں۔

جوابات:

۱۔ دماغ

۲۔ پرما اور اپرما

مختصر جوابی سوالات:

- (1) نیایہ فلسفہ نجات کیلئے کونسی چار تعلیمات دیتا ہے؟
- (2) نیایہ فلسفہ علم کے کون سے ذرائع تسلیم کرتا ہے؟
- (3) استنباط کے تین مراحل بیان کرو۔
- (4) پرما اور اپرما کی وضاحت کرو۔
- (5) استدلال کے قبول ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

طویل جوابی سوالات:

- (1) نیایہ فلسفے میں حقیقی علم کے ضمن میں کن نکات کو اہمیت حاصل ہے؟
- (2) نیایہ فلسفہ اور تعلیم پر مفصل اظہار خیال کیجئے؟
- (3) نیایہ فلسفے کے مطابق ہمیں دکھوں سے نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟
- (4) نیایہ میں ادراک کی حقیقت بیان کرو۔

(5) نیا یہ میں استنباط کے مراحل بیان کرو۔

مزید مطالعے کیلئے کتب:

- U.S. Vashishtha, Hemant khandai and Anshu Mathur, : Educational -
Philosophy, 2013, APH Publishing Corporation, New Delhi.
- Deepsh Chandra Prasad Dr. : Philosophical Foundation of -
Education, 2008, KSK Publisher and Distributor, New Delhi.
- Santosh Vallkkat Dr. : Philosophy of Education, 2014 APH -
Publishing Corporation, New Delhi.

3.1.4 صوفی ازم: (Souism)

تعارف Introduction

یہ اکائی نصاب کی دوسری اکائی کا حصہ ہے اس اکائی میں ہم تصوف کی تعریف معنی، تصور، طریقہ تدریس، نظم و ضبط اور معلم کے رول کا مطالعہ کریں گے۔

صوفی ازم (تصوف) کے تین درجات ہیں ایمان، اسلام اور احسان۔

ایمان اور اسلام عقیدہ و عمل کا نام ہے اور اس سے ماوراء بھی ایک مقام ہے جسے ”اصطلاح حدیث“ میں احسان سے

تعبیر کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسے بھی سلوک و تصوف اور طریقت کا نام دیتے ہیں (لمعات ۲۶-۲۴)

تصوف نفس کی اصلاح و تطہیر کا اہتمام کرتا ہے۔ تصوف (صوفی) تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن پر اسی لیے زور دیتا ہے کہ اس

کے ذریعہ معرفت ربانی کی تحصیل ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب

میں شیخ محمد بن احمد المغربیؒ کے حوالے سے تصوف کی اصطلاح تعریف یوں بنان فرمائی۔

”تصوف احوال کو حق کے ساتھ قائم رکھنے کا نام ہے“

(کشف المحجوب: ۴۰)

تصوف اس طرز زندگی کا نام ہے جس میں بندہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے معبود و محبوب کے ساتھ بے لوث رشتہ قائم

کر لیتا ہے۔ نتیجہً اس تعلق بندگی سے اسے وہ روحانی لذت و انبساط اور لطف و کیف نصیب ہوتا ہے۔ جسے اقبال کی زبان حقیقت

ترجمان نے اس طرح ادا کیا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
المختصر تصوف اس طرز زندگی کا نام ہے جس میں تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے ذریعہ معرفت ربانی کی تحصیل ہوتی ہے
دوسرے لفظوں میں وہ طریق شریعت جس کے ذریعہ تزکیہ نفس اور صفائے باطن کے آداب و احوال معلوم ہوں اور معرفت الہی کا
نور میسر آئے۔ تصوف (صوفی) کہلاتا ہے۔

صوفی کا اشتقاقی معنی

تصوف کے مادہ اشتقاق اور لفظ صوفی وجہ سے تسمیہ کے باب میں علمائے کبار کے مختلف اقوال ہیں۔ اہل علم نے
تصوف کے درج ذیل مادہ ہائے اشتقاق بیان کئے ہیں۔

قول اول الصفاء:

بعض علماء کے نزدیک تصوف کے مادہ اشتقاق الصفاء ہے جس کے معنی صفائی اور پاکیزگی کے ہیں۔ اس مادہ
اشتقاق کی رو سے کسی شے کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک صاف کر کے اجلا اور شفاف بنا دیا تصوف ہے۔
شیخ ابوالشیخ بستی تصوف کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ تصوف وہ کلمہ ہے جو صفا سے مشتق ہے جس کے معنی
صفائی ہے۔ (الشیخ اور سلان الامشقی ۳۹)

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شیخ خضریٰ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ باطن کو مخالفت
حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک و صاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔ (کشفو المحجوب)
”قول ثانی“ الصفو“

تصوف کا دوسرا مادہ اشتقاق ”الصفو“ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی ”محبت اور دوستی میں اخلاص“ کے ہیں۔

جلیس کد صاحب المحمد وم اس مادہ کی نسبت رقم طراز ہیں۔

الصفو کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں اور صفی سے مراد مخلص دوست ہوتا ہے۔ (المنجد تحت مادہ صفو) اس مادہ کے اعتبار
سے صوفی سے مراد وہ شخص ہے جس نے دنیا و آخرت کے اجر و جزا سے بے نیاز ہو کر محبوب حقیقی سے بے لوث محبت اور دوستی کا رشتہ
استوار کر لیا ہو اور جس کی تمام تر مساعی کا محرک فقط رضائے الہی کی طلب ہو۔

تیسرا قول ”الصوف“

تصوف کے باب میں تیسرا قول اس کے ”الصوف“ سے مشتق ہونے کا ہے جس کے معنی ”اون“ کے ہیں باب تفاعل کے

وزن پر تصوف کا معنی ہے۔ اس نے ادنیٰ لباس پہنا۔

اما ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں تصوف (اس وقت کہا جائے) جب کسی نے صوف کا لباس جیسے کسی کے قمیص پہننے پر قمیص بولا جاتا ہے۔

بعض مردان حق نے قرون اولیٰ میں اظہار تذلل (عاجزی کرنا) مجاہدہ اور غایت (غرض مطلب) عجز و نیاز کے خاطر کھودا اونی لباس پہنا چنانچہ اس اونی لباس کی مناسبت سے ان کو صوفی کا لقب ملا۔ شیخ عیاض الدینؒ فرماتے ہیں۔
چونکہ گزشتہ زمانے (قرون اولیٰ) میں مردان حق (تذلل اور غایت عجز و انکساری کے باعث اونی لباس پہننے لگے تھے۔ اسلیے (اس مناسبت سے) ان کے اعمال و افعال کو ”تصوف“ کا نام دے دیا گیا۔

علامہ ابن خلدون اسی موقف کی تائید ان الفاظ سے کرتے ہیں ”تصوف صوف سے مشتق ہے کیونکہ اونی لباس اہل تصوف سے مختص تھا۔ کہا گیا ہے کہ اون کی طرف نسبت اس اعتبار سے ہے کہ یہ لباس اسلاف معتقدین کو زیادہ مرغوب تھا کیونکہ یہ زہد و تواضع کے قریب تر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ انبیاء کا لباس بھی رہا ہے۔
(الشیخ ارسلان الداء مشقی)

چوتھا قول ”الصوف“ الصوف سے اشتقاق کے حوالے سے ایک معنی ”یکسوشدن“ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض کسی طرف سے پوری یکسوئی سے متوجہ ہو جانا۔ اس اعتبار سے تصوف کا مقصود و مطلوب ذات الہی کے ذکر و محبت میں اسقدر یکسوئی اور محویت (خیال میں گھر، غرق ہونا) حاصل کرنا ہے کہ ماسویٰ اللہ کی طلب و خواہش سے دھیان بالکل ہٹ جائے۔
علامہ غیاث الدینؒ فرماتے ہیں، ”ہو سکتا ہے کہ تصوف صوف سے مشتق (وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو) ہو جس کے معنی ہے یکسو ہو جانا اور (ہر طرف سے) منہ پھیر لینا ہے چونکہ اللہ سے وصول واصل ہوتے ہیں اور ماسویٰ اللہ سے رد گردانی کرتے ہیں اس لیے ان احوال کو تصوف کہا جاتا ہے۔

غیاث اللغات ۱۱۳

پانچواں قول ”الصفہ“

بعض علماء نے تصوف کا اشتقاق صفہ سے بھی کیا ہے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ ابوبکر بن اسحاق بخاریؒ فرماتے ہیں ایک گروہ کا کہنا ہے صوفیہ کی وجہ سے تسمیہ (نام رکھنا) ان کا باعتبار اوصاف اصحاب صفہ سے قریب تر ہونا ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھے۔ (ایقاظہ الھم فی شرح الحکم ۱: ۴)

اسی قول کی تائید میں شیخ احمد الحسینیؒ فرماتے ہیں یہ صفہ سے ماخوذ ہے کیونکہ تصوف تمام تر خوبیوں سے متصف ہونے اور اوصاف مذمومہ کے ترک کر دینے پر مبنی ہے۔ (شرح التصرف المذہب التصوف ۲۱)

چھٹا قول: ”الصف“

بعض علماء تصوف کو ”الصف“ سے مشتق قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں امام ابوالقاسم القشیریؒ فرماتے ہیں۔ ”تصوف

صف سے مشتق ہے گویا کہ صوفیہ کے قلوب باری تعالیٰ کی حضور کے اعتبار سے صف اول میں ہوتے ہیں۔ (الرسالۃ القشیریہ
(۱۴۶)

صوفی ازم کا تصور Concept of Sufism

تصوف اور صوفی کا تصور حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے کم و بیش سو سال بعد دوسری صدی ہجری میں رواج پذیر ہوا تاہم اس کی شروعات حدیث تفسیر اور فقہ کی اصطلاحات کے باقاعدہ رواج سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں بھلائی اور اصلاح والے گروہوں کا تذکرہ کیا کسی کو ابراہیمؑ کو مقررین کہا اور کسی کو صادقین کہا اور کسی کو ذاکرین کہا اور کسی کو خجین کے اسم سے نواز اسم صوفی، ان تمام گروہوں پر منطبق (برابر یا موافق) ہوتا ہے۔ جو ان اسماء کے تحت مذکورہ ہیں اور یہ اسم دور نبوی میں موجود نہ تھا تاہم یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسم دور تابعین میں موجود تھا۔ اور حسن بصریؒ (تابعی) سے منقول ہے کہ میں ایک صوفی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور اسے کوئی چیز دی لیکن اس نے نہ لی۔ اور کہا میرے پاس چار روایتیں ہیں حضرت حسن بصری کا دور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین دور سے واصل یا ملا ہوا دور ہے آپ کی ولادت سیدنا حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوئی آپ نے خود حضرت علیؓ کے حضور زانوے تلمذتہہ کیا اور تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور معرفت الہیہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی وفات 110 ہجری میں ہوئی گویا آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ پہلی صدی ہجری میں بسر ہوا اور آپ نے بڑے بڑے نامور صحابہ کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کی صحبت فیض رساں سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کو خلفائے راشدین حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی آپ نے اپنی زندگی کے کئی سال مدینہ منورہ میں گزارے اور بعد میں آپ بصرہ منتقل ہو گئے۔ گویا حسن بصری براہ راست دور صحابہ کے فیض یافتہ ہیں اس لیے آپ کا قول باعتبار روایت واجب تسلیم ہو جاتا ہے۔

بالا ذیل حسن بصری کا قول اس قول کی تائید کرتا ہے جو سفیان ثوریؒ سے روایت کی گئی ہے کہ اگر شیخ ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیوں کو نہ جان پاتا یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ دور قدیم میں اسم صوفی معروف تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسم ہجرت نبوی کے بعد دو سو سال تک معروف نہ تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے صحابہ اس آدمی کو صحابی کا نام دیتے جو آپ کی صحبت سے مشرف ہوتا کیونکہ اس میں صحبت رسول ﷺ کی طرف اشارہ تھا جو ہر اشارے سے بہتر تھا۔ اور عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد جس نے صحابہ سے علم حاصل کیا اسے تابعی کا نام دیا گیا۔ پھر جب عہد رسالت اور آسمانی

وحی کے منقطع ہونے کو عرصہ گزر گیا اور نور مصطفوی ﷺ پوشیدہ ہو گیا اور لوگوں کی آراء مختلف ہو گئی۔ اور ہر صاحب رائے اپنی رائے میں منفرد ہو گیا اور علمی فضا کو نفسیاتی خواہشات نے مکدر کر دیا۔ متقین کی بنیادیں ہل گئیں اور زاہدوں کے عزائم متزلزل ہو گئے۔ جہالتوں کا غلبہ ہونے لگا اور تاریکی کے پردے دلوں پر گہرے ہو گئے۔ عادات بگڑ گئیں اور ارباب دنیا خرافات دنیا میں گھر گئے اور خطا کار یوں میں مبتلا ہو گئے تو ایک گروہ نیک اعمال اور روشن احوال اور عزیمت (طلسمی دُعا) میں صدق اور دین میں قوت کے ساتھ الگ ہو گیا انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے کنارہ کشی اختیار کی اور عزلت و تنہائی کو غنیمت جانا اور انہوں نے اپنے لیے خانقاہ بنائی جہاں وہ کبھی جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے ان میں اصحاب صفہ کا نمونہ موجود تھا۔ انہوں نے اسباب کو ترک کر دیا اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تو ان کے نیک اعمال ان کے لیے روشن و منور احوال کے لئے ثمر آور ہوئے اور علوم الہیہ کے قبول کرنے کے لیے فہم کی صفائی مہیا کی اس طرح ان کو ظاہری زبان کے ساتھ ساتھ باطنی زبان اور عرفان حاصل ہوا اور ایمان ظاہری کے ساتھ ساتھ ایمان سے بھی بہرہ ور ہو گئے جس طرح کہ حضرت حارثہ نے فرمایا سے جب مجھے ایمان کے غیر معمولی مرتبہ کا کشف ہوا جو عام لوگوں میں نہیں پایا جاتا تو میں حقیقی اور صحیح معنوں میں مومن بن گیا بس جب ان علوم نے ان گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا تو انہوں نے ان علوم جدیدہ کے لیے اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدان و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں پھر اختلاف نے اپنے اسلاف سے اس کی تعلیمات حاصل کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہو گیا یہاں تک کہ زمانہ مابعد میں اس نے ایک باقاعدہ علم اور مستقل رسم کی صورت اختیار کر لی تو یہ اسم صوفی ان میں رائج ہو گیا اور یہ لوگ خود بھی اسی نام سے موسوم ہو گئے بس اس وقت سے یہ اسم ان کی نشانی ہے اور علم الہی ان کی صفت ہے عبادت الہی ان کا زیور ہے اور تقویٰ ان کا شعائر اور حقیقت الہیہ کے حقائق ان کے اسرار ہیں یہ حضرات قبیلوں کو چھوڑ کر غیرت کے قبول میں رہتے ہیں اور حیرت کی دنیا میں آباد ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لُحظہ بہ لُحظہ (پل بہ پل) ترقی کی طرف رواں ہیں اور محبت الہی کی آگ ان کے دل میں شعلہ زن ہے اور وہ پھر بھی تشنگی کے عالم میں ہل من مزید کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ (عوارف المعارف: ۲۰۴-۲۰۵)

یہ طویل اقتباس اصطلاح تصوف و صوفی کے آغاز و راج کی بطریق احسن وضاحت کرتا ہے اور اصحاب صوفیاء کے ہوس، نفس پرستی قلبی و ذہنی آلودگیوں اور استخوان گیری کے دور میں عشق الہی اور خالص دین کی شمعیں جلانے کی دلیل ناطق ہے اور ان اصطلاحات کے مدلولات کے بے مثال بیان ہے اس اقتباس پر جس قدر غور و فکر کیا جائے اہل تصوف بطور فلسفہ روحانیت عبادات و ریاضات کا مقصد مدعا ٹھہرتا ہے۔

شیخ ابونصر سراج نے کتاب الملعح میں لکھا ہے کہ بے شک یہ اسم (صوفی) نیا نہیں ہے کیونکہ حسن بصریؒ نے جنہوں نے

صحابہ کی ایک جماعت کو پایا۔ ایک صوفی کو کعبہ کے طواف میں مشغول دیکھا۔ (الشیخ ارسلان مشقی ۲۵)

لفظ صوفی کا بے ساختگی سے یہ استعمال اس حقیقت کا غماز ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے زمانے میں کسی کو (صوفی) کے نام سے پکارنے کا رواج اس قدر عام تھا کہ لوگ اس اصطلاح سے بخوبی آشنا اور مانوس ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کمال بے تکلفی سے اس اصطلاح کی تفصیل میں جائے بغیر کہہ دیا کہ میں ایک صوفی کو کعبے کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ظاہر ہے کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جس کو یقین ہو کہ جو کچھ وہ کہے گا اس کا سامع بلا تاثر سمجھ لے گا۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ اور شیخ ابوالہاشم صوفی اور پہلی خانقاہ

حضرت امام سفیان ثوریؒ صاحب حال بزرگ اور جلیل القدر امام اور صاحب حال بزرگ ہوئے جو امام ابوحنیفہؒ کے استاد بھی اور شاگرد بھی تھے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے متقی، پرہیزگار محدث، مورخ تھے۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ابو عبد الرحمن السلمیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب رافع ثوری آپ عبد المنانہ کے قبیلہ ثور سے ہیں اور کہا گیا کہ آپ ہمدان کے قبیلہ ثور سے آپ ابو عبد اللہ الکوئی، ان ائمہ میں سے ہیں جو علم کا سمندر تھے اور آپ کوئی بات نہ سنتے تھے مگر یہ کہ آپ کو حفظ ہو جاتی۔ خطیب کہتا ہے۔ امام ثوری ائمہ مسلمین میں بڑے جلیل القدر امام تھے۔ اور دین مبین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ کی امامت پختگی، ضبط، حفظ اور معرفت پر سب متفق ہیں ۱۴۱ھ میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا اور ۷۷ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۷) (تذہیب الکمال)

حضرت سفیان ثوریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب تک میں نے شیخ ابوالہاشم کو نہیں دیکھا تھا مجھے پتہ نہ تھا کہ صوفی کیسے ہوتے ہیں آپ کے وصف کی وجہ سے آپ کو صوفی کہا گیا۔ آپ سے پہلے کسی شخص کو اس نام سے نہیں پکارا گیا اسی طرح سب سے پہلے صوفیوں کے لیے آپ (شام) میں پہلی خانقاہ قائم کی گویا سفیان ثوری جیسے بزرگ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اگر شیخ ابوالہاشم صوفی جیسے عارف کامل نہ ہوتے تو ریا کاری کے بارے میں بہت سے باریک اور پیچیدہ باتوں کو ہم نہ جان پاتے اور ان کے عرفان سے محروم رہتے۔ سفیان ثوریؒ جلیل القدر تابعی تھے آپ کی وفات 141ھ میں ہوئی۔ علماء دیوبند کا سلسلہ بیعت و ارشاد چشتی ہے اسی بناء پر یہ تمام حضرات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے روحانی وابستگی رکھتے ہیں۔ علماء دیوبند کے خواجہ سے تعلق کے سلسلے میں سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کا مضمون اہم ہے کہ درحقیقت مدرسہ دیوبند حضرت خواجہ صاحبؒ کے نظر کرم کا طفیل ہے اور دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرسہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا یعقوب دیوبندیؒ نے حضرت خواجہ کے ایماء پر دیوبند میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ مولانا قاری طیب صاحبؒ نے اپنے مضمون میں آگے لکھا ہے کہ مولانا یعقوبؒ نے کامل

کسب فیض کے لیے باضابطہ اجمیر شریف کا سفر کیا۔ اور خواجہ صاحبؒ کی درگاہ کے پاس ایک ٹیلے پر اپنا ٹھکانہ بنا لیا اور مسلسل

مراقبہ کے ذریعہ اپنا حال جاننے کی کوشش کرتے رہے، آخر میں ان کو کشف کے ذریعہ یہ ہدایت ملی کے جو بھی کمی ہے وہ دیوبند کے مدرسہ میں حدیث پڑھانے سے مکمل ہو جائے گی۔ (بحوالہ المیعة خواجہ غریب نواز نمبر)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند تصوف کے حامی اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بہت بڑے بڑے علماء اجمیر شریف گئے اور وہاں فاتحہ پڑھا۔ ان علماء میں سے کچھ کے بارے میں وہاں انہوں نے بہت دیر تک فاتحہ پڑھی تھی مجاہد ملت مولانا حفظہ الرحمن بھی کئی بار تشریف لے گئے تھے، غالباً ۱۹۵۹ء میں آخری بار حاضر ہوئے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظہ الرحمن سب نے ہی اجمیر میں حاضری دی ہے۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا صفحہ اول اتوار 13 نومبر 2016) بالاذیل مضمون سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ علماء دیوبند کا صوفیوں اور تصوف سے گہرا تعلق رہا ہے۔

تصوف کے بنیادی اصول: Fundamental Principles of Sufism

اگر شریعت و طریقت میں سے کسی ایک کا فقدان ہو تو معمول بہ دین نامکمل و ناتمام رہتا ہے۔ شریعت کا تعلق ان احکام اور انفرادی و اجتماعی امور سے ہے۔ جن کی بنا پر فرد اور جماعت کی خارجی زندگی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ عبادات و معاملات دو انواع (قسموں) پر منقسم ہیں۔ جب کہ طریقت کا تعلق ان روحانی لذات اور معنوی کیفیات سے ہے۔ جو اطاعت و نیکی کے نتیجے میں انسان کے دل پر مرتب ہوتی ہیں اسے ہی عام زبان میں تصوف کہا جاتا ہے۔ شریعت و طریقت اپنی اپنی ذات میں مستقل ہونے کے باوجود باہم لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں جدائی و افتراق (جدائی پیدا کر دینا) ناممکن و محال ہے۔ تصوف کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) ایمان

(2) اسلام

(3) احسان

(1) ایمان

ایمان کا تعلق عقیدہ سے ہے۔ جس شخص کا اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کے رسولوں پر جنت اور جہنم پر ایمان لانے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر بھی یقین رکھے۔ ایمان کے معنی ہے کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسولوں اور تمام غیب کی چیزوں پر یقین رکھنا یا یقین ہونا۔

(2) اسلام

اسلام سے مراد ہے شریعت پر چلنا یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا۔ یہ درجہ ایمان سے ایک درجہ آگے ہے۔ یعنی آپ اللہ اور اس کے رسولوں و غائب کی چیزوں پر ایمان لاتے ہوئے شریعت پر عمل کرنا اور اس پر چلنا۔ اسے شریعت اور طریقت بھی کہتے ہیں۔

بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی ”شریعت و طریقت کے درمیان کوئی تھانفا یعنی باہم مخالف نہیں بلکہ تمام اکابر طریقت نے تصریح کی ہے کہ کمال شریعت ہی کا نام طریقت ہے اتباع رسول ﷺ جب تک محض ظاہری شکلوں تک محدود رہے اس کا نام شریعت ہے، اور جب قلب و باطن بھی نورانیت رسول ﷺ سے منور ہو جائے تو یہی طریقت مثال جس شخص نے نماز کتب، فقہ میں لکھے قواعد کے مطابق پڑھ لی شریعت کی رو سے یہ نماز مکمل ہو گئی مگر طریقت اسے کافی نہ سمجھے گی وہ اس پر مصر ہوگی کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی جانب متوجہ رہا قلب بھی رب کعبہ کی جانب متوجہ اور جس طرح جسم حالت نماز میں ظاہری نجاستوں سے پاک رہا روح بھی باطنی آلائشوں اور پریشان خیالوں سے پاک رہے۔

مذکورہ صدر بیان کی تائید میں بخاری شریف کی مشہور حدیث کو جو اہل علم میں حدیث جبرائیل کے نام سے مشہور ہے پیش کی جا رہی ہے حضرت جبرائیلؑ نے حضور ﷺ سے پوچھا اسلام کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ (صحیح البخاری: ۱۲)

(3) احسان

احسان سب سے اعلیٰ اور تیسرے نمبر پر ہے احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس تصور کے ساتھ کہ اس کے حسن مطلق کے جلوؤں کا نظارہ کر رہے ہو اور تمہیں اس بے مثل و بے عدیل ذات کا وصال نصیب ہو رہا ہے اگر اس اعلیٰ کیفیت تک رسائی نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تصور تو ضرور ہو کہ خدائے علیم و خبیر تمہیں دیکھ رہا ہے اور جس طرح تم عبادت کر رہے ہو اس کی نظریں تم پر ہیں۔

مذکورہ بیان کی تائید میں بخاری شریف مشہور حدیث کو پیش کیا جا رہا ہے جسے اہل علم اور محدثین حدیث جبرائیل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے آپ حضور ﷺ سے پوچھا احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اس طرح خدا کی عبادت کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا تو خدا تجھ دیکھ رہا ہے۔

تصوف: صوفی ازم کے مقاصد Aims of Sufism

تصوف کے مقاصد وہی مقاصد ہیں جو شریعت اور طریقت کے ہیں اس کا سب سے اہم مقصد ہے اللہ کی یاد میں خدا کو مشغول رکھنا۔ جو بھی شے اللہ کے عبادت میں خلل پیدا کرے اسے روکنا، تصوف کے مقاصد کو ہم مندرجہ ذیل نکات سے با آسانی سمجھ سکتے ہیں۔

- (۱) تزکیہ نفس
- (۲) تصفیہ قلب
- (۳) طریقت
- (۴) فنا و بقا
- (۵) معرفت ربانی

(۱) تزکیہ نفس:

تزکیہ کے لفظی معنی ہیں پاکی۔ نفس انسانی میں حیوانی قوتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس روح ملکوتی قوتوں کی مظہر ہے۔ نفس کے ذریعہ تمرد (سرکشی یا بغاوت) انحراف کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم اس حقیقت کی نسبت صراحت کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتا ہے۔ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے خود کو پاک کر لیا اور اپنے رب کا نام پکارا اور نماز ادا کی۔

(الاعلیٰ، ۸۷: ۱۴-۱۵)

شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ ”نقصان کا آغاز غفلت سے ہوتا ہے۔ اور غفلت آفات نفس سے پیدا ہوتی ہے“ (قوت القلوب ۱: ۱۷۴)۔ اس لیے آفات نفس سے نجات و ملاح اس کے تزکیہ و تربیت اور اصلاح و تطہیر ہی سے ممکن ہے۔ تصوف نفس کی اصلاح و تطہیر (پاکی) کا اہتمام کرتا ہے۔ اور جب نفس انسانی اصلاح پذیر ہو کر منرکی و منقاد یا فرماں برداری ہو جاتا ہے۔ تزکیہ نفس کو حدیث میں ”جہاد اکبر“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تزکیہ نفس چہارگانہ فرائض نبوت میں شامل ہے۔ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں فرمایا آپ ﷺ تلاوت فرماتے ہیں ان پر اس کی آیات کی اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

(2) تصفیہ قلب

تصفیہ کے لفظی معنی ہیں صاف کرنا و واضح کرنا، صفائی تصوف میں تصفیہ قلب ایک اہم مقصد ہے اس کا مقصد ہے اعمال قبیحہ کے ارتکاب سے قلب انسانی پر سیاہی و ظلمت غالب آجاتی ہے۔ اور اس طرح باطن تاریک ہو جاتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ تصفیہ تجلیہ باطن یعنی باطن کو روشن کرنے اہتمام کیا جائے تاکہ قلب انسانی اور معرفت الہی کا منبع و سرچشمہ بن سکے

اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہرگز نہیں بلکہ انکے کسب کی بناء پر ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔

(3) طریقت:

صوفیاء کرام نے شریعت و طریقت کو ہمیشہ لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ اس موقف کی تائید میں چند اقوال ملاحظہ ہوں۔
امام مالک بن انس فرماتے ہیں جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف سے بے بہرہ رہا پس وہ فاسق ہو اور جس نے تصوف کو اپنایا مگر فقہ کو نظر انداز کر دیا وہ زندیق ہو اور جس نے دونوں کو جمع کیا پس اس نے حق کو پالیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ۱: ۲۵۶)
اما ابوالقاسم القشیری فرماتے ہیں جس شریعت کو حقیقت کی مدد حاصل نہ وہ غیر مقبول ہوتی ہے اور جو حقیقت شریعت سے مقید (پابند) نہ ہو وہ غیر حاصل رہتی ہے۔ (العرسائقہ لقصیر یہ ۴۳)

(4) فنا و بقا

اللہ رب العزت کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ کم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی ہمیشہ رہنے والا ہے فنا و بقا کے تصورات کی اساس ہے۔ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کشف المحجوب میں فنا کے مقامات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جہاں کی ابتداء عدم سے ہوئی اور انتہاء عدم پر ہے۔ اور جو ان دونوں صورتوں کی درمیان ہے وہی بقا ہے۔ بقا سے مراد دوام و ابدیت وجود ہے۔ وہ علم جو اس دنیا میں ہے فانی ہے اور باقی علم وہی ہے جو کہ آخرت کی زندگی میں دار و مدار رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اہل ولایت بقا و فنا کے علم کو تصوف کا ایک درجہ کمال جانتے ہیں اور اسے اس مقام کے سوا اور کہیں استعمال نہیں کرتے۔

اہل صفا مقام حال کے تغیرات سے رہائی اور مطلوب کے حاصل کر لینے کے بعد فنا کو پہنچتے ہیں اور وہ ہر محسوس شے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں جو باصرہ اور سامعہ کے راستے ان پر وارد ہوتی ہے۔ فنایت کے اس درجے میں وہ اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ خواہشات کا کاٹنا بھی ان کے دل سے یکسر نکل جاتا ہے حتیٰ کے صادر ہونے والی کرامتیں بھی ان کے نزدیک حجاب بن جاتی ہیں۔ پھر اپنی خواہشات کی اپنے وجود سے نفی کر کے وہ اپنے اوصاف کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اوصاف کا فنا کر دینا گویا بقائے دوام کا دروازہ ہے جس سے گزر کر ان کی فنا بقا کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے اور وہ قرب و بعد ہوش و مدہوش، صمود و سکون، فراق و وصال سب کیفیات سے بے خبر و بیگانہ ہو جاتے ہیں۔

(5) معرفت ربانی:

تصوف تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن پر اسی لیے زور دیتا ہے کہ ذریعہ معرفت ربانی کی تحصیل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کی غرض و غایت ہی ”معرفت رب“ کو قرار دیا ہے۔ معرفت ربانی وہ امتیاز خوبی ہے جس کے ذریعہ عارف وہ غیر عارف کے مابین تمیز ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھر اپنی اساس پر قائم ہوتا ہے۔ اور دین کی اساس خدا کی معرفت اور اس کا یقین ہے۔

صوفیائے کرام کا نقطہ یہ ہے کہ معرفت حق کا واحد ذریعہ معرفت نفس ہے اس لیے تصوف کی جدوجہد معرفت ہے اور نتیجہ معرفت حق۔

تصوف یا صوفی کا فلسفہ تعلیم

صوفی فلسفہ کے مطابق سچا علم، ہمیشہ رہنے والی روشنی اور سب سے اعلیٰ حسن و جمال یعنی اللہ کا حسن و جمال یہ سب ہمیں فطرت میں نظر آتی ہیں۔ دنیا کی حقیقت ایک دھوکا ہے یا یہ کہیں کی یہ حقیقت نہیں ہے ان کے مطابق اصل اور حقیقت انسانی علم سے اوپر ہے۔ دنیا کے نظام میں ایک پیدا کرنے والا خالق ہے اور دوسری تمام جو پیدا کی گئی سب مخلوق ہے۔ مخلوق کو دیکھ سکتے ہیں لیکن خالق کو نہیں۔ انسان کے اندر خدا اور صلاحیت ہوتی ہے۔ لیکن یہ مکمل اور صحیح نہیں ہوتی۔ انسان خوبصورت ہوتا ہے لیکن اسکی خوبصورتی اتنی مکمل نہیں ہے۔ وہی خدا کی خوبصورتی سب سے اعلیٰ اور مکمل ہے۔ اور اس کی اس خوبصورتی سے محبت ہے اس لیے صوفی محبت کی بات کرتے ہیں۔ عشق الہی سے اللہ تک پہنچنے کا طریقہ اپناتے ہیں۔ صوفی فلسفہ میں اللہ اور اللہ کی مخلوق سے

محبت کرنا بہت اہم ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق دنیا کی تخلیق محبت پر مبنی ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی تمام اشیاء فنا ہونے والی ہیں اور باقی رہنے والی اشیاء ہے علم اور اللہ کی محبت۔ جس نے خدا سے حقیقی محبت کی اس نے دنیا کی طلب اور خواہش کو کم کیا۔ صوفی دنیا میں اس طرح رہتا ہے۔ جیسے پانی میں بلبے۔ دریا میں حباب ہوتا ہے۔ لیکن دریا کا پانی اس کے اندر نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح صوفی بھی دنیا میں موجود ہوتا ہے۔ تمام کاروبار کرتا ہے لیکن دنیا ان کے اندر نہیں ہوتی۔ مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک صوفی کے پاس آیا اس نے اس صوفی سے کہا کہ حج کرنے چلتے ہیں۔ اس صوفی کے پاس بہت بڑا باغ تھا بہت سارے کام کرنے والے تھے۔ آپ نے اس کی بات سنی اور مصلیٰ کا ندھے پر ڈالا اور کہا چلیے۔ اس شخص نے کہا سامان سفر بھی تو رکھنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو بلا یا کچھ سمجھایا کام کرنے والوں کو کوئی ہدایت دی۔ کچھ نہیں کیا اور اللہ کی طرف چل پڑا۔ یعنی جب اللہ کی طرف چلنا ہے تو دنیا کی تمام شے کو بھول جانا ہے۔

صوفی فلسفہ کے مطابق انسان کی تخلیق کا اہم مقصد ہے خدا کو جاننا یعنی خدا کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ خدا کو جاننے سے مراد ہے۔ تخلیق کرنے والے اور تخلیق کی ہوئی تمام شے کا علم حاصل کرنا۔ اس میں انفرادی انسان سے لے کر تمام کائنات شامل ہے۔ خدا کو جاننے کا راستہ ہے روح اور دنیا کی تمام چیزوں کا علم حاصل کرنا۔

اس فلسفہ کے مطابق خدا کے حقیقی علم کو الہام و جہان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ صوفی کے مطابق انسان کا دل ایک

آئینہ ہے۔ جس میں وہ اللہ کی بصارت کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جب انسان کا دل دنیا کی خواہش اور لالچ سے آلودہ یا ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کے اس آئینہ میں شکل نہیں دکھائی دیتی اور وہ بصارت سے محروم ہو جاتا ہے۔ صوفی اس دنیاوی حوس اور لالچ کو نفس کہتے ہیں۔ نفس ایک لمحہ کے لیے بھی ختم نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے ختم کرنے کے دو طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا اور اللہ کی محبت کو دل میں قائم کرنا۔

(۲) اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے مراقبہ اور محاسبہ کرنا۔

3.71 صوفی یا تصوف اور طریقہ تدریس

صوفی جس طریقہ تدریس کو اپناتے ہیں وہ طریقہ تدریس پوری طرح سے تعلیمی نفسیات پر مبنی ہے۔ صوفیوں نے تعلیم فراہم کرنے کے لیے خانقاہ قائم کی اور ہر شخص کو انفرادی طور پر تعلیم دی۔ صوفی کے پاس جو بھی آتا وہ اس کی انفرادیت کو سمجھتے اور اسی کے مطابق اسے تعلیم دیتے تھے۔ ان کے طریقہ تدریس کے مندرجہ ذیل طریقے تھے۔

(۱) حلقہ یا گروہی طریقہ تدریس

(۲) انفرادی طریقہ تدریس

(۳) عملی طریقہ تدریس

(۱) حلقہ یا گروہی طریقہ تدریس

اس قسم کے طریقہ تدریس میں شیخ یا معلم کے چاروں طرف حلقہ میں طلباء بیٹھ جاتے اور شیخ کے ساتھ قرآن اور حدیث کا مطالعہ کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طریقے میں معلم اپنے طلبہ کو صحیح تلفظ اور اس کا معنی سمجھاتے ہیں۔ آج کل اسے Study Circle کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے جدید طریقہ معنی جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار تمام خانقاہوں میں آج بھی رائج ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں حضرت خواجہ حسن نظامی نے ایک حلقہ نظام المشائخ قائم کیا۔

اس بات کو سن کر علامہ اقبال نے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۱۸ کو خواجہ حسن نظامی کو ایک خط لکھ کر خوشی ظاہر کی۔ آپ نے لکھا کہ مجھے

بہت خوشی ہے کہ آپ نے حلقہ نظام المشائخ کے قائم کیا۔

(۲) انفرادی طریقہ تدریس

انفرادی طریقہ تدریس وہ تدریس ہے جس میں معلم طلبہ کو اسکے نفسیاتی حالت کو سمجھ کر تدریس کرتے ہیں۔ انفرادی طریقہ تدریس ان طلبہ کے لیے بہت مفید ہوتا ہے جو طلبہ شرمیلے ہوتے ہیں ایسے طلبہ معلم سے تنہائی میں اپنی بات کو مکمل طور پر بیان کرتا ہے۔ اور اپنے مسائل کو حل کرنے میں معلم کی مدد کرتا ہے۔ اسی طرح شیخ اپنے طلبہ کو تنہائی میں ان کے مسائل کو سمجھتے ہیں اور ان کی رہبری کرتے ہیں۔ شیخ طلبہ کی نفسیات کو سمجھ کر اسکو اس کے سمجھ اور ورداک کے مطابق رہبری کرتا ہے۔ طلبہ کے

تلفظ صحیح کرتے ہیں قرآن اور حدیث کو سمجھاتے ہیں تاکہ طلبہ کو صحیح علم حاصل ہو سکے۔

(۳) عملی طریقہ تدریس

عملی طریقہ تدریس سے مراد ہے جس قدر علم رکھو اس پر عمل کرو۔ تعلیم کی معروف تعریف ہے کہ تعلیم انسان کے طرز عمل میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ صوفی اپنی خانقاہ میں طلبہ کو سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنے کا درس دیتے ہیں۔ مثال ہم سب جانتے ہیں اور پڑھتے ہیں کی پلاسٹک کا استعمال ماحول کو خراب کرتا ہے۔ لیکن ہم سب اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علم حاصل کرنا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اسی لیے صوفی اپنی خانقاہوں میں سیکھے علم پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔

/تصوف اور نظم و ضبط

صوفی کے درس و تدریس میں نظم و ضبط ادب سے پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ طلبہ کو کسی بھی طرح کا جسمانی سزا کے خلاف تھے۔ تصوف میں طلبہ کے اندر شیخ سے محبت کے ذریعہ ادب پیدا کیا جاتا ہے۔ شیخ اپنے اخلاق، کردار شفقت اور محبت کے ذریعے طلبہ میں نظم و ضبط خود بہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ طلبہ اپنے معلم یا مرشد سے رہبری اور باطنی علم حاصل کرتے ہیں۔ مرشد اپنے طلبا میں اعلیٰ اخلاق اور کردار پیدا کرتے ہیں۔ انکے اندر ایسے اخلاق پیدا کرتے ہیں کہ طلبا خانقاہ میں اس طرح کا نظم ضبط قائم رکھتے ہیں کہ کسی بھی طرح کے مسائل پیدا نہیں ہوتی۔ شیخ کے طلبا کسی بھی عمر کے ہو سکتے ہیں۔ یہاں ایک غیر رسمی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس کا تعلق روحانیت سے ہوتا ہے۔

تصوف اور معلم

تصوف کی تدریس اللہ کی یاد میں فنا کرنے والی ہوتی ہے۔ اسی لیے یہاں معلم ایک مرشد اور شیخ ہوتا ہے۔ شیخ اپنے طلباء کو روحانی علم سے روشناس کراتا ہے۔ معلم طلباء کو اس کی صلاحیت کے مطابق علم فراہم کرتا ہے طلباء اپنے معلم کو اپنا رہبر، دوست اور والد کی طرح مانتا ہے اس لیے معلم یا شیخ کا درجہ بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ طلبہ اپنے معلم کو روحانی شیخ مانتے ہیں۔ معلم اپنے طلبہ کو دینی اور روحانی علم دیتا ہے۔ اس لیے اس سے روحانی لگاؤ ہو جاتا ہے۔ طلبہ اپنے معلم کی بات کو مکمل طور پر اپناتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیخ کی نگاہ میں تمام طلباء مساوی ہوتے ہیں۔ نہ کوئی امیر نہ کوئی غریب ہوتا ہے۔ سبھی ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اور ایک ساتھ درس سنتے ہیں۔ معلم طلباء کو مختلف قسم کے طریقہ تدریس کے ذریعے طلبہ کی نشوونما کرتے ہیں۔ اس طرح معلم کا مقام بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ تمام طلباء اپنے شیخ کا بہت ادب اور احترام کرتے ہیں۔

تصوف یا صوفی ازم اور نصاب

نصاب کا پورا فلسفہ دین اسلام پر مبنی ہے اس لیے انکے نصاب میں مندرجہ ذیل مضامین ہوتے ہیں۔

(۱) قرآن

(۲) حدیث

(۳) فقہ

(۴) اردو عربی فارسی اور مقامی زبانیں۔

صوفی اپنی خانقاہ میں طلبہ کو قرآن پڑھتا اور سمجھنا سیکھاتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ حدیث کا مطالعہ کرایا جاتا ہے تاکہ طلبہ شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ اس کے ساتھ ساتھ فقہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس سے طلبہ کو اسلامی قانون کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ مقامی زبانیں اور جدید تعلیم کے مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ آج بھی تمام خانقاہوں میں دینی اور جدید تعلیم کا درس دیا جاتا ہے۔ اس طرح تصوف یا صوفی ازم میں دی جانے والی تعلیم کوئی اسلام سے الگ نہیں بلکہ ایک ہی اسکے دو پہلو ہیں۔

خود کو چانچنے کے لیے سوال

سوال ۱ لفظ صوفی کا ارتقاء کیا ہے؟

سوال ۲ لفظ الصفاء کے معنی کیا ہیں؟

سوال ۳ الصوف سے کیا مراد ہے؟

سوال ۴ علامہ ابن خلدون لفظ الصوف کی تائید میں کیا کہتے ہیں لکھیے؟

سوال ۵ لفظ الصنفہ کی تائید میں شیخ احمد الحسینی کیا فرماتے ہیں بیان کیجئے؟

سوال ۶ تصوف سے آپ کیا سمجھتے ہیں تفصیل سے وضاحت کیجئے؟

سوال ۷ تصوف یا صوفی ازم کے مقاصد کیا ہیں تفصیل سے لکھیے؟

سوال ۸ دو عالم دین نے کیوں اور کیسے پہلی خانقاہ قائم کی تفصیل سے لکھیے؟

سوال ۹ صوفی ازم کے تعلیمی فلسفہ کو بیان کیجئے؟

سفارش کردہ کتابیں (Suggested Books)

(۱) پروفیسر محمد طاہر القادری (2000): حقیقت تصوف جلد اول منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور

(۲) امام ابوالقاسم القشیری الرسالة التفسیرہ

- (۳) شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ شرح الرسالة القشیریہ
- (۴) امام جلال الدین سیوطیؒ جلالین
- (۵) حضرت مخدوم علی ہجویری العروف داتا گنج بخشؒ: کشف المحجوب
- (۶) خواجہ سید اشرف جہاں گیر سمنانیؒ ۱۲۰۸ھ: اخلاق و تصوف
- (۷) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز معراج العاشقین

3.2 مغربی فلسفہ مکاتب (Western Schools of Philosophy)

تعارف:

اس اکائی میں فطریت، تصوریت، عملیت، وجودیت کے مابعد الطبعیات، علمیات، اقداریات کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوگی اور ان کے تعلیمی مضمرات پر غور کیا جائیگا۔

مقاصد:

- (۱) فطریت، تصوریت، عملیت اور وجودیت جیسے مکاتب فکر کی بنیادیں بیان کر سکیں۔
- (۲) فطریت، تصوریت، عملیت اور وجودیت کے مابعد الطبعیات کے مسائل پر روشنی ڈال سکیں۔
- (۳) فطریت، تصوریت، عملیت اور وجودیت کے علمیاتی (Educational Problems) مسائل کی وضاحت کر سکیں۔
- (۴) فطریت، تصوریت، عملیت اور وجودیت کے قدریاتی مسائل کی وضاحت کر سکیں۔
- (۵) فطریت، تصوریت، عملیت اور وجودیت کے تعلیمی مضمرات بیان کر سکیں۔

3.2.1 تصوریت (Idealism)

تعریف: (Introduction)

تصوریت انسان کے علم کی تاریخ کا قدیم ترین نظام فلسفہ ہے۔ مشرق میں اس کا آغاز قدیم ہندوستان سے ہوتا ہے۔ جبکہ مغرب میں افلاطون (Plato) سے ہوتا ہے۔ فلسفہ تصوریت اس نظریہ پر مبنی ہے کہ تصورات یعنی Ideas ابدی ہوتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ ہم مادی چیزوں کے بارے میں جانتے ہیں۔

فلسفہ تصوریت کے اہم فلاسفہ: (Prominent Idealist Philosophers)

- (۱) افلاطون (Plato)
- (۲) سقراط (Socrates)
- (۳) ہیگل (Hegel)
- (۴) کانٹ (Kant)
- (۵) اسپنوزا (Spinoza)
- (۶) ٹیگور (Tagore)
- (۷) گرونانک (Gurunanak)
- (۸) گاندھی جی (Gandhiji)
- (۹) سوامی وویکانند (Swami Vivekananda)
- (۱۰) ڈاکٹر رادھا کرشنن (Dr. Radha krishnan)

فلسفیانہ پیش قیاسی: (Philosophical Pre-Suppositions)

- (۱) فلسفہ تصوریت کا مابعد الطبعیات Metaphysics of Idealism
تصوریت زہن کو حقیقت مانتا ہے۔ تصوریت میں حتمی حقیقت زہن / خیال / سوچ / روح ہے۔
- (۲) فلسفہ تصوریت کا نظریہ علم Epistemology of Idealism :-
حقیقی علم کا نتائج استدلال ہے۔ تصوریت کے مطابق حقیقت Spiritual World میں ہے نہ کہ مادی دنیا -
(Material World) میں۔

- (۳) فلسفہ تصوریت اور علم الاقدار Axiology of Idealism :-
تصوریت میں اقدار عالم گیر (Universal) ہیں اور تبدیل ہونے والے نہیں ہیں۔ سچائی، اچھائی اور خوبصورتی عالم گیر
قدریں ہیں۔

تصوریت کی تعریف: (Definition Of Idealism)

فلسفہ تصوریت، بہت ساری اور متنوع شکلیں اختیار کرتا ہے لیکن ان سب کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ ذہن یا روح دنیا کا لازمی مادہ ہے اور یہ کہ اصل حقیقت ذہنی کردار ہے۔

Idealist philosophy takes many and varied forms , but the postulate underlying all this is that mind or spirit is the essential world- stuff , that true reality is of a mental character . (Ross)

فلسفہ تصوریت، اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ حقیقت، خیالات، تصورات (Ideas)، ذہن اور نفس پر مشتمل ہوتی ہے نہ کہ مادی چیزوں اور قوت پر۔

Idealism asserts that reality consists of ideas, thoughts, minds , or selves rather than material objects and force . (Harold B. Titus)

تصوریت کی اہم خصوصیات: (Salient features of Idealism)

- ۱) تصوریت کے مطابق تصورات ابدی اور کلی اہمیت کے حامل ہیں۔
- ۲) تصوریت کے مطابق روحانی علم ہی حقیقی علم ہے۔
- ۳) تصوریت میں پہلے ذہن کا مقام ہے اسکے بعد مادی چیز ہیں۔
- ۴) تصوریت کے مطابق ذہن کا وجود حقیقی ہے۔
- ۵) زندگی کی اعلیٰ اقداروں کا حصول تصوریت کا مقصد ہے۔
- ۶) تین حقیقی اقدار ہیں سچائی، اچھائی اور خوبصورتی۔

تصوریت کی قسمیں: (Types of Idealism)

۱) موضوعی/فاعلی تصوریت Subjective Idealism

۲) مادی/حقیقی تصوریت Objective Idealism

(۳) مطلق تصوریت Absolute Idealism

(۴) مادرانی تصوریت Transcendental Idealism

تصوریت اور تعلیمی مقاصد: (Idealism and Aims of Education)

(۱) شخصیت کا فروغ Development of Personality

(۲) حصول خودی Self- Realisation

(۳) آفاقی تعلیم Universal Education

(۴) اخلاقی تعلیم Moral Education

تصوریت اور نصاب: (Idealism and Curriculum)

(۱) نصاب میں ادب، تاریخ، فنون لطیفہ، اخلاقیات، ریاضی، ثقافت، سماجی علوم، مذہبیات جیسے مضامین شامل ہیں۔

(۲) اس نظریہ کے مطابق انسان کو اعلیٰ اقدار سے روشناس کیا جائے۔

(۳) تصوریت کا نصاب ایسا ہو کہ وہ انسانیت کے فروغ کا موجب بنے اور بچے کے اندر ذہنی، اخلاقی اور مذہبی اقدار فروغ پائیں۔

تصوریت اور طریقہ تدریس: (Idealism and Methods of Teaching)

(۱) مباحثہ کا طریقہ (Discussion Method)

(۲) خطابت کا طریقہ (Lecture Method)

(۳) سوال و جواب کا طریقہ (Question and Answer Method)

(۴) استقرائی طریقہ (Inductive Method)

تصوریت اور نظم و ضبط: (Idealism and Discipline)

نظم و ضبط بیرونی دباؤ سے قائم نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ خود سے تحریک یافتہ ہونا چاہیے۔ نظم و ضبط سے بھری زندگی نظم و ضبط کا حاصل دماغ تیار کرے گا۔

Kant اور Hegel کے بموجب تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ بچوں میں نظم و ضبط پیدا کر سکے اور اس بات کے احکام کی پابندی کی جائے جبکہ Froebel کے نزدیک محبت، تجربہ، اخلاق نظم و ضبط کے عناصر ہیں۔

تصوریت اور اسکول: (Idealism and School)

فلسفہ تصوریت اسکولوں کو مثالی ہونے کی وکالت کرتا ہے۔ وہاں کے اساتذہ کے اعمال و اخلاق Immitate کرنے کے لائق ہو اور اسکول میں بچوں کی ہمہ جہت ترقی ہو اور انکے اندر سچائی، اچھائی اور خوبصورتی کے اقدار پیدا ہو۔

تصوریت اور معلم: (Idealism and Teacher)

- ۱) معلم طلبا نمونہ (مثالی شخصیت) ہوتا ہے۔ طلباء میں قوت فیصلہ، خود اعتمادی، مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- ۲) معلم طلباء کا روحانی باپ ہوتا ہے۔
- ۳) معلم اعلیٰ کردار کی ہم شخصیت کہلاتا ہے۔ وہ ایک مثالی نمونہ ہونا چاہیے تاکہ طلبا اس سے سیکھیں۔
- ۴) معلم دوستانہ تعلقات رکھنے والا، رہبر اور فلسفی ہونا چاہیے۔

تعلیمی مضمرات: (Educational Implications)

- ۱) بچے کو سب سے پہلے انسان (Human) بنانا ہے۔
- ۲) اسکول معاشرے کے لئے ایک ایجنسی کی طرح کام کرے اور بچے شخصیت کے فروغ کے لئے مناسب اقدامات کریں۔
- ۳) تصوریت میں بچہ ایک روحانی وجود رکھتا ہے اور اسکی زندگی کا اہم مقصد خود شناسی (Self-Realisation) ہے۔
- ۴) تصوریت میں ریاست (State) شخصیت کے مقابلے میں زیادہ قدر رکھتی ہے اور بچے کو ریاست (State) کے لئے تیار کرنا ہوگا۔
- ۵) اسکول کو آفاقی تعلیم پر زور دینا چاہئے۔

اکتسابی جانچ:

- ۱- تصوریت کی تعریف لکھئے اور کوئی پانچ مفکرین کے نام بتائیے۔
- ۲- تصوریت کے مابعد الطبیعیات، علمیات اور اقداریات پر نوٹ لکھئے۔

- ۳۔ آج کے دور میں تصوریت فلسفہ مکاتب کس حد تک مناسب ہے، اپنے الفاظ میں لکھئے۔
- ۴۔ تصوریت کے تئیں تعلیمی مقاصد بیان کیجئے۔
- ۵۔ تصوریت میں معلم کے کردار کو بیان کیجئے۔
- ۶۔ تصوریت کے تعلیمی مضمرات پر روشنی ڈالئے۔
- معروضی سوالات:

- ۱۔ تصوریت میں..... دنیا کو زیادہ اہمیت دی گئی۔
- ۲۔ تصوریت کے دائمی اقدار..... شامل ہیں۔
- ۳۔ تصوریت میں..... اور..... ہی اصل حقیقت ہیں۔
- ۴۔ تصوریت کا بانی..... ہے۔

جوابات:

- ۱۔ روحانی/ذہنی
- ۲۔ سچائی، اچھائی اور خوبصورتی
- ۳۔ روح اور دماغ
- ۴۔ پلاٹو

3.2.2 فطریت (Naturalism)

فطریت ایک قدیم مکتبہ فکر ہے۔ یہ فطرت کو مکمل مانتا ہے۔ انسان کی تخلیق اور فطرت میں اس کے مختلف کی نویت اور ان کے احساسات حیرت اور مختلف موضوعات سے آہستہ آہستہ فطریت کی تشکیل ہوئی۔ اور فطریت کے بانی روسو (Rousseau) ہے۔

فطریت کے اہم فلاسفہ: ((Prominent Naturalism Philosophers))

(۱) لیوسی پس (leucippus) اور ڈیما کریٹس (پانچویں صدی قبل مسیح)

(۲) اپی کیورس Epicurus (قبل مسیح 270-341)

(۳) لیو کرٹس (Lucrtius) (قبل مسیح 96-55)

(۴) تھامس ہابلس (Thomas Hobbes) (1588-1697)

(۵) جے جے روسو (J.J. Rousseau) (1712-1778)

(۶) ہربرٹ اسپینسر (Herbert Spenser) (1820-1903)

فلسفیانہ پیش قیاسی: (Philosophical pre-suppositions)

(۱) فلسفہ فطریت کا مابعد الطبعیات (Metaphysics of Naturalism)۔

فطریت میں حتمی حقیقت (Ultimate Reality) فطرت ہے اور مادیت سے پرے کوئی چیز نہیں ہے۔

(۲) فلسفہ فطریت کا نظریہ علم (Epistemology of Naturalism)۔

علم حسی اعضاء کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ حسی اعضاء حصول علم کے دروازے ہیں۔

(۳) فلسفہ فطریت اور علم الاقدار (Axiology of Naturalism)۔

فطریت زندگی کے اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ انسان اپنی متعین ضرورتوں کے مطابق اقدار کو تخلیق کرتا ہے۔ انسان کو فطرت

میں رہ کر اپنی زندگی کو فطرت سے ہم آہنگ کرنا ہوگا ہے۔

فطریت کی تعریف: (Definition of Naturalism)

فطریت وہ نظریہ ہے جو فطرت کو خدا سے الگ کرتا ہے۔ روح کے طبعی عناصر کو کے ماتحت مانتا ہے۔ اور قوانین کو برتر بناتا ہے

۔ (وارڈ)

Naturalism is a doctrine which separates nature from God , subordinates spirit to matter and sets up laws as supreme (Ward).-

روسو (Rousseau) کے مطابق ہر شے اچھی ہے۔ جب وہ فطرت کے خالق کے ہاتھوں سے آتی ہے اور ہر شے انسان کے ہاتھوں سے بگڑ جاتی ہے۔

فطریت کی اہم خصوصیات: (Characteristics of Naturalism)

- (۱) فلسفہ فطرت، فطرت کی طرف واپس ہونے پر زور دیتا ہے۔
- (۲) بچہ تعلیم کے لئے نہیں ہے، تعلیم بچے کے لئے ہے۔ اس لئے تعلیم بچے کو مرکز مان کر دی جاتی ہے اسی کو طفل مرکز کہتے ہیں۔
- (۳) فلسفہ فطرت کے مطابق بچوں کو تعلیم الفاظ کی شکل میں نہیں بلکہ عملی طور پر دی جائے اور بچوں کو خود کر کے سیکھنے اور تجربات کے ذریعے اپنی رفتار سے تعلیمی ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔
- (۴) لڑکے اور لڑکیوں کو علاحدہ تعلیم نہیں بلکہ ان کو اجتماعی طور پر تعلیم دینی چاہئے۔
- (۵) بچوں کو آزادانہ ماحول فراہم کیا جائے۔
- (۶) بچوں کو فطرت کی کتاب سے حسی اعضاء کے ذریعے تجربات پر مبنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے راغب کیا جائے۔
- (۷) فطرت تمام علوم کا ذریعہ ہے۔
- (۸) مادی دنیا حقیقی دنیا ہے۔
- (۹) ذہن مادہ کے ماتحت ہے۔
- (۱۰) تمام اقدار فطرت میں موجود ہیں۔

فطرت کی قسمیں: (Forms of Naturalism)

- (۱) طبعی فطرت (Physical Naturalism)
- (۲) مکانیکی فطرت (Mechanical Naturalism)
- (۳) حیاتیاتی فطرت (Biological Naturalism)

فطرت اور تعلیمی مقاصد: (Naturalism and Aims Of Education)

- (۱) بچے میں اظہار خودی کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- (۲) بچے کو اطراف کے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے قابل بنانا۔
- (۳) بچے کو زندگی کی جدوجہد کے لئے تیار کرنا۔
- (۴) بچے کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا۔
- (۵) بچے کی مکمل انفرادیت فروغ دینا۔

فطریہ اور نصاب: (Naturalism and Curriculum)

نصاب میں سائنس کے مضامین کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے ساتھ علم فلکیات، جغرافیہ، پیشہ وارانہ تعلیم، ریاضی، زبان، تاریخ، اموارِ خانہ داری، جسمانی تعلیم فطریہ میں ہم نصابی سرگرمیاں بچے کے ارتقائی مراحل اور اس کی دلچسپی کے مطابق منتخب کی جاتی ہیں۔ فطریہ کا نصاب لچکدار اور طفل مرکوز ہوتا ہے۔

فطریہ اور طریقہ تدریس: (Naturalism and Methods of teaching)

- (۱) عمل کے ذریعہ اکتساب
- (۲) تجربات کے ذریعہ اکتساب
- (۳) انکشافی طریقہ
- (۴) کھیل کے ذریعہ تدریس
- (۵) انفرادی تدریس

فطریہ اور نظم و ضبط: (Naturalism and Discipline)

- (۱) فطریہ میں بچوں کو مکمل آزادی دی جاتی ہے۔
- (۲) نظم و ضبط (Self-Discipline) پر زور دیا جاتا ہے۔
- (۳) Self-Governance خود انتظامیہ سے سیکھتا ہے۔

فطریہ اور معلم: (Naturalism and Teacher)

- (۱) استاد کی حیثیت ثانوی ہے۔
- (۲) استاد کا کام یہ ہے کہ بچوں کے فطری فروغ کے لئے مناسب ماحول تیار کرے۔
- (۳) استاد ایک نگہبان اور مشاہد کار کی طرح ہے۔

فطریہ اور اسکول: (Naturalism and School)

اسکول ایسے ہونا چاہئے جہاں بچے کو آزادانہ ماحول فراہم کریں اور فطری اور ہمہ جہت نشوونما پر زور دیں۔ بچے کو اپنی دلچسپیوں اور خواہشات کے مطابق تعلیم ملنی چاہئے۔

تعلیمی مضمرات: (Educational Implications)

- ۱) تعلیم فطری عمل اور ذہنی ترقی کے مطابق ہونی چاہیے۔
- ۲) تعلیم خوش گوار ماحول میں دی جانی چاہئے۔
- ۳) بچے کو تعلیم مسلسل خود سرگرمیوں کے ساتھ دی جانی چاہئے۔
- ۴) حصول علم تعلیم کا ایک حصہ ہے۔
- ۵) بچے کی ذہن اور جسم کے نشوونما کیلئے تعلیم دی جانی چاہئے۔
- ۶) استقرائی طریقہ درس و تدریس کے طریقوں میں سے ہونا چاہئے۔
- ۷) بچے کی غلطی پر سزا فطری نتائج پر مبنی ہونی چاہئے۔

خلاصہ: (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

اس اکائی میں ہم فطرت کو جاننے کی کوشش کی۔ اس بات سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ طلباء کو طفل مرکز تعلیم پر زور دیا، آزادانہ ماحول فراہم کیا۔ ہم نصابی سرگرمیوں کی بھی اہمیت کے ساتھ ساتھ Heuristic طریقہ تدریس کی اہمیت دی۔ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ اور ایک جیسی تعلیم کی وکالت کی۔

اکتسابی جانچ:

- ۱۔ فطرت کی تعریف لکھئے اور اس کے بانی کا نام بتائیے۔
- ۲۔ فطرت کے مابعد الطبیعیات، علمیات اور اقداریات پر نوٹ لکھئے۔
- ۳۔ آج کے دور میں فطرت فلسفہ مکاتب کس حد تک مناسب ہے، اپنے الفاظ میں لکھئے۔
- ۴۔ فطرت کے تین تعلیمی مقاصد بیان کیجئے۔
- ۵۔ فطرت میں معلم کے کردار اور طریقہ تدریس کو بیان کیجئے۔
- ۶۔ فطرت کے تعلیمی مضمرات پر روشنی ڈالئے۔

معروضی سوالات:

- ۱۔ فطرت کی خوبی..... ہے۔
- ۲۔ فطرت میں معلم کی حیثیت..... ہے۔
- ۳۔ فطرت کے بانی..... ہے۔
- ۴۔..... اعضاء حصول علم کے دروازے ہیں۔

جوابات:

۱۔ Child Centered Education

۲۔ ثانوی (Secondary)

۳۔ روسو (Rousseau)

۴۔ حسی

3.2.3 فلسفہ عملیت (Pragmatism)

تعارف:

اب تک آپ مغربی فلسفہ تعلیم کے تحت فلسفہ تصوریت اور فلسفہ فطرتیت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس اکائی میں فلسفہ عملیت (Pragmatism) کا مطالعہ کیا جائے گا۔ موجودہ دور کے نظام تعلیم پر اس فلسفے نے گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ اس لیے اس فلسفہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کا شمار جدید فلسفوں میں ہوتا ہے۔ اس فلسفہ کی پیدائش اور اس کے پھلنے پھولنے میں امریکی تعاون کی وجہ سے اسے امریکی فلسفہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ فلسفہ عملیت کے مطابق تمام چیزیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں کسی بھی چیز کو ثبات حاصل نہیں ہے۔ ہم حقیقت اولیٰ کا علم حاصل نہیں کر سکتے یا یہ ہمارے لیے ناممکن ہے۔ مفروضات کو تجربات کی کسوٹی پر پرکھ کر ہم قریب ترین علم حاصل کر سکتے ہیں۔ فلسفہ عملیت کے مطابق انسان کے تمام مسائل کا حل سائنسی طریقے اور تجربات کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ فلسفہ کسی بھی تصور کے معانی اور مفہوم معلوم کرنے کے لیے اسے تجربے سے گزار کر حاصل ہونے والے نتائج کو ذریعہ بناتا ہے۔ اس فلسفے نے جدید دور کے تعلیمی نظام کو نہ صرف امریکہ بلکہ دیگر ممالک میں بھی غیر معمولی حد تک متاثر کیا ہے۔

Pragmatism یہ لفظ یونانی لفظ Pragma کے مادے سے نکلا ہوا ہے جس کے معانی Practical یعنی عمل

ہے۔ یہ فلسفہ عملی زندگی کے تجربات کو ہی حقیقت تسلیم کرتا ہے ان کے نزدیک ”تجربہ ہی تمام اشیاء کی کسوٹی ہے“۔

ماہرین، فلسفہ عملیت کی جڑیں تلاش کرتے ہوئے ہیراکلیٹس Heraclitus تک پہنچتے ہیں۔ اس کا دور 530 تا 570 قبل مسیح کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چوتھی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں ہمیں صوفسط (Sophist) گروہ کا پتہ معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اسکول اور کارگاہ کے درمیان کی دوری کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کئی صدیوں کا سفر طے کر کے ہمیں جان ڈیوی، فرانسس بیکن (1561-1626) کو اس فلسفہ کے بانیوں میں شامل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد مشہور فرانسیسی فلسفی آگسٹ کومے (1798-1857) کا نام بھی اس فلسفے کے مبلغین میں شمار کیا جاتا ہے۔ تین امریکیوں یعنی چارلس سینڈرس پیرس، ولیم جسس اور جان ڈیوی نے اس فلسفے کو گویا بام عروج تک پہنچایا، اس نے نہ صرف تعلیم کو بلکہ امریکی سماج کو اس قدر متاثر کیا کہ امریکیوں کی شناخت اب عملیت پسندوں کی ہو گئی۔

اب ہم اختصار سے فلسفہ عملیت کے تین اہم عنوانات کے تحت مطالعہ کریں گے۔

مابعد الطبیعات (Meta physics):

جان ڈیوی نے اپنی کتاب کریٹیو انٹیلیجنس (Creative Intellegence) میں واضح الفاظ میں کہا کہ ”عملیت پسندی میں کسی حقیقت کبری (reality) کی عموماً نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے“۔ چونکہ عملیت کا سارا زور اشیاء کو تجربے کے نتائج کے ذریعے سمجھنے کا ہے اس لیے وہ باتیں جن سے مابعد الطبیعات بحث کرنی ہے اور جسے ہم تجربے کی کسوٹی پر پرکھ نہیں سکتے۔ وہ ان کے نزدیک خارج از بحث ہو جاتی ہے۔ دنیا اور انسان کی حقیقت کے بارے میں اس فلسفے کے خیالات ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

(1) دنیا ہمارے لیے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس سے مراد ان کی یہ ہے کہ اس دنیا کا کوئی پس منظر نہیں ہے جس کے ذریعے ہم اس کو سمجھنے کی کوشش کریں (جیسے تصور میں دو حصے ہوتے ہیں ایک اس کا اہم قابل توجہ پہلو اور دوسرا وہ پس منظر جس میں وہ شے نظر آتی ہے)

(2) اعمال اور تبدیلیاں اس دنیا کی اہم خصوصیت ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں جتنے تجربات سے دوچار ہوتے ہیں ان کی مثال ایک ندی کی سی ہے جو ہمیشہ رواں دواں اور تبدیلیوں سے دوچار رہتی ہے۔ گویا عملیت پسند کسی بھی شے یا قدر کے ثبات یا اس کے مستقل ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(3) دنیا ایک غیر یقینی جگہ ہے جو ہر وقت اتفاقات اور ہنگامی حالات سے دوچار رہتی ہے۔ یہاں پر کوئی محفوظ نہیں ہے

اور ہمیں ہر وقت ناگہانی حالات کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

(4) دنیا نامکمل ہے اور اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ گویا اس دنیا کے ارتقاء کا عمل جاری ہے۔ عملیت پسند انسان کو اختیار کی آزادی سے محروم سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے تجربات کی بنیاد پر ان حالات کے رخ تبدیل کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

(5) دنیا ایک تکثیری حالت میں ہے۔ یعنی فلسفیانہ انداز میں کہا جائے تو وہ حالت جس کی رو سے حقیقت کی پوری تعمیر کسی ایک اصول پر نہ کی جاسکے۔ اس کی تشریح میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ ہر آن تبدیل ہوتی دنیا اور اس کائنات کے نظام میں کوئی ربط نہیں ہے۔ کوئی ایسی وحدت (Monoism) نہیں ہے جو اس کے نظام کو ایک لڑی میں پروسکے۔

(6) دنیا کے اعمال کے اندر ہی ان کا انجام پوشیدہ ہے۔ اس اصول کے ذریعے وہ یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اغراض و مقاصد اور اقدار نہ عالمی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی زماں و مکاں سے بے نیاز۔ وہ صرف اور صرف عارضی اور وقتی ہوتے ہیں۔ گویا اقدار مستقل نہیں ہوتے۔ وہ ہر وقت بدلتی رہتی ہیں۔ اس طرح وہ روحانیت اور مذہبیت کا رد کرتے ہیں۔

(7) دنیا میں کوئی حقیقت اولیٰ نہیں پائی جاتی۔ اس اصول کے تحت وہ مذہب اور روحانیت کی نفی کرتے ہیں اس طرح ان کے نزدیک انسان کی زندگی صرف اسی دنیا تک محدود رہتی ہے۔ مرنے کے بعد دوسری دنیا کا ان کو یقین نہیں ہے۔

(8) انسان فطرت کا ایک جز ہے اور وہ اسی کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ جان ڈیوی نظریہ ارتقاء کو درست مان کر انسان کو فطرت (Nature) کا ایک اٹوٹ حصہ مانتا ہے۔ وہ انسان کی اس فطرت سے ہٹ کر اعلیٰ اور ارفع تخلیق کو تسلیم نہیں کرتا۔

(9) انسان اس دنیا میں متحرک وجہ نہیں ہے۔ فلسفہ کا ایک اہم سوال جبر و قدر کا ہے۔ یعنی انسان اپنے اعمال اور تقدیر میں آزاد ہے یا مجبور محض۔ عملیت پسندانہ دونوں انتہاؤں کے بین بین موقف رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان محدود طور پر آزادی رکھتا ہے مگر اس میں دنیا کے حالات کو مخصوص رخ پر ڈالنے کی پوری طاقت نہیں ہے۔

(10) دنیا میں ہمیں ترقی کی ضمانت حاصل نہیں ہے۔ جس طرح اس سے پہلے کے اصول میں عملیت پسندوں نے

درمیانی راہ اختیار کی تھی اسی طرح وہ یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں محفوظ طریقے سے ترقی حاصل کرنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ناامید ہو کر کوشش کرنا چھوڑ دیں۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی کو ایک بہادر شخص کی طرح گزارے اور اس میں ان بلند یوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کی وہ اپنے اندر صلاحیت پاتا ہے۔ وہ صرف کوششیں کر سکتا ہے متوقع نتائج اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

فلسفہ عملیت کا نظریہ علم (Epistemology of Pragmatism)

یہ فلسفہ مابعد الطبعیات کے نظریہ حقیقت (Theory of Reality)

اس فلسفے کے نزدیک نظریہ علم بنیادی طور پر اشیاء کو کام میں لانا ہے تاکہ ان کی موجودہ قدر (Value) کو جانا جاسکے۔ ان کا علم کے بارے میں نظریہ روایتی فلسفوں سے کافی ہٹ کر ہے۔

ان کے نزدیک جاننے کے لیے صرف وجہ یا دلیل کافی نہیں ہے اور نہ ہی وہ حواس کو علم کا مکمل ذریعہ مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم حواس کے ذریعے دنیا سے لینے اور دینے کا عمل کرتے رہتے ہیں۔ صرف فاعل اور شے کے درمیان کے تعلق یا عمل سے ہم شے کے بارے میں علم حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس شے کی خصوصیات سے ہم اس وقت واقف ہوتے ہیں جب ہم اس شے کے ساتھ عملاً تجربہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تجربہ بذات خود بنیادی طور پر علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اولاً یہ عمل کرنا ہے۔ کام کرنا ہے اور اس کے ساتھ بسر کرنا ہے۔ اس طرح سے ہم کام کرنے کے اتفاق کے نتیجے میں علم حاصل کرتے ہیں۔ فلسفہ عملیت کے نزدیک علم حقائق کے جمع کرنے کا نام نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو فطرت کا راست مشاہدہ کرنا چاہیے۔ لیکن کے مطابق ”حقائق جیسے کے وہ ہیں ان کا مشاہدہ کرنا حقائق کو جمع کرنا اور اس بنیاد کو پانا جس پر ہم نتائج اخذ کر سکیں علم کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ حقائق کائنات سے ہم آہنگ ہونے چاہیے۔

☆ تجرباتی طریقہ کار:۔ اس سے ان کی مراد انسان کا ہمیشہ اپنے تجربات سے گذر کر باہوش و حواس نتائج اخذ کرنا ہے۔

اس میں وہ سابقہ صدیوں سے چلے آ رہے انسانی تجربات کے نتائج کو شامل کرتے ہیں۔

جب تجربہ کامیابی سے اطمینان بخش رخ پر جا رہا ہو تو اس سے ہمیں ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

(1) زندگی ہر وقت رواں دواں رہتی ہے۔ زندگی پر کبھی جمود طاری نہیں ہوتا۔ بعض وقت یہ سفر آسان ہوتا ہے اور بعض

اوقات ہمیں رکاوٹوں / مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ہم کچھ نیا یا الگ کرتے ہیں۔

(2) زندگی کی یہ رکاوٹیں اور مشکلات کتنی ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہوں وہ ہمارے لیے بہت اہم ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کی

وجہ سے ہمیں نئے رخ (direction) ملتے ہیں جو سابقہ تجربات سے حاصل نہیں ہو سکے تھے۔

(3) رکاوٹوں / مشکلات سے افراد کو حقائق پر نظر ثانی کرنے کا نادر موقع ہاتھ آتا ہے۔ وہ حقائق یا نتائج جو سابق میں

انہوں نے حاصل کیے تھے۔ اس طرح زندگی حتمی نہیں بلکہ اپنی روش کو بدل کر نئے سرے سے متحرک ہوتی ہے۔

(4) یہ نئی روش کی سوچ ہمیں معلومات (Data) کا نئے حالات میں جائزہ لینے، مزید تجربات اور مزید معلومات

حاصل کرنے پر اکساتی ہے۔ جن کے ذریعے مسئلے کے حل کے لیے ہم کچھ مفروضات (hypotheses) پر کام کر کے صحیح نتیجے

تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(5) اس طرح حاصل ہونے والے مفروضات کی جانچ ہماری منزل ہوتی ہے۔ اس طرح ہم کامیابی سے تجربے کو مکمل

کرتے ہیں۔

فلسفہ عملیت اور علم الاقدار (Axiology of pragmatism)

اخلاقیات کے بارے میں فلسفہ عملیت کے خیالات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

☆ اقدار (Values) کا قطعی اور حتمی وجود نہیں ہوتا ہے

☆ اقدار کا وجود، فرد کے سماجی اعمال کے مطابق ہوتا ہے

☆ اقدار کی معنویت صرف اس وقت ہوتی ہے جب تک وہ فرد اور سماج کے لیے کارآمد ہوتی ہیں۔

☆ جب انسان اپنے آپ کو ایک موثر عامل (agent) تسلیم کر لینا ہے تب وہ اس بات کو بھی جان لیتا ہے کہ وہ اپنے

اعمال کے لیے جوابدہ ہے اور اسے اپنی ذمہ داری قبول کرنی ہوتی ہے۔ اس پس منظر میں اقدار وجود میں آتی ہیں

☆ عملیت میں اقدار بہت زیادہ معروضی و تنقیدی اور کم سے کم ذاتی ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اقدار کا تنقیدی

جائزہ لے کر ان میں سے عقلمندانہ انتخاب کرنا چاہیے۔

☆ فلسفہ عملیت کے ماننے والے انسان کی نیت و ارادے کے درست ہونے اور اس کے عمل کا طے شدہ اصولوں کے

مطابق ہونے کو اہمیت دیتے ہیں۔

☆ جان ڈیوی نے اس حالت کو حاصل کرنے کے لیے کہا کہ ہمیں ہر موقع کو ایک نئے موقع یا صورت حال سمجھ کر نیت و

ارادے کو قطعی نہ مانتے ہوئے اسے صرف مفید نتائج کے حصول کے آلے کے طور پر ماننا چاہیے۔ ان کے نزدیک ہمارے اعمال

کے نتائج جو ارادے کی وجہ سے وجود میں آئیں ان کی اصل اہمیت ہے۔

☆ فلسفہ عملیت سماج کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ وہ سماج کو صرف افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک اساسی عمل مانتے ہیں

جس پر فرد کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ انحصاریت ان کے لیے بنیادی قدر ہے اور اسی جڑ سے دیگر اقدار کی نشوونما ہوتی ہے۔

سماج کو چاہیے کہ وہ فرد کو مختلف میدانوں میں اتنی کارگزاری کا موقع دے، جس کے ذریعے وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور انداز میں

اظہار کر سکے اور اپنی ذات کے علاوہ سماج کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہو سکے۔

☆ سماجی زندگی میں سیاسی نظریے کے طور پر جمہوریت ایک بہترین طرز عمل ہے۔ اسی نظریے کے تحت فرد کو ایک سماج

کا حصہ ہونے کا احساس ہوتا ہے اور وہ انفرادی طور پر سماجی زندگی میں حصہ لیتا ہے۔

فلسفہ عملیت اور تعلیم: (Pragmatism and Education)

فلسفہ عملیت، اس وقت نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا فلسفہ تعلیم بنا ہوا ہے۔ اس فلسفے نے تعلیم کو سماجی زندگی میں مرکزی مقام عطا کیا۔ اس سلسلے میں جان ڈیوی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

(الف) تعلیم ایک سماجی ادارہ:-

دیگر روایتی فلسفوں کے مقابلے میں فلسفہ عملیت نے تعلیم کے ایک سماجی کام ہونے کے تصور کو پوری شدت سے پیش کیا۔ جان ڈیوی کے مطابق تعلیم اس وقت تک کچھ نہیں ہے جب تک ہم اسے ایک سماجی ادارے کے طور پر قبول نہ کریں۔ یہ کہتے ہیں کہ سماج کو ایک ایسے ادارے کی ناگزیر ضرورت ہوتی ہے جس کا کام خالصتاً تعلیم و تعلم کے عمل کو آگے بڑھانا ہے۔ تعلیم کے رسمی اداروں میں تعلیم بجائے خود غیر رسمی ہونی چاہیے۔ تعلیم کا سماج سے گہرا ربط ہو اور وہ سماج کی نشاۃ ثانیہ کا کام انجام دے۔

(ب) اسکول کی ضرورت:-

(1) ہم اپنی نسلوں کو صرف غیر رسمی تعلیم اور اتفاقی تجربات / اکتسابی عمل جو وہ روزمرہ کی سماجی زندگی سے حاصل کرتے ہیں، کے بھروسے پر نہیں چھوڑ سکتے۔

(2) موجودہ دور کی پیچیدگیاں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہم صرف ان تجربات پر منحصر نہ رہیں جو ہمیں آسانی سے حاصل ہو جائیں بلکہ ہمیں وقت اور فاصلوں کی پرواہ کیے بغیر ضروری تجربات حاصل کرنے چاہیے۔

(3) اسکول، ماضی کے تجربات کو حال میں مفید بنا کر پیش کرتا ہے اور ہمارا ماضی کا یہ تہذیبی سرمایہ تحریری شکل میں محفوظ ہے۔ لہذا طالب علم کو زبان پر عبور حاصل ہونا چاہیے تاکہ وہ اس سرمایے سے فائدہ اٹھا سکے۔

ان بنیادوں پر فلسفہ عملیت اسکول کو سماج کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دیتا ہے اور یہ بھی ضروری مانتا ہے کہ اسکول کو سماج سے قریبی تعلق رکھنا چاہیے تاکہ وہ اپنا کردار بہتر طریقے سے ادا کر سکے۔

(4) اسکول، ادارے کی ایک سادہ شکل ہے۔ جب کہ سماج ایک پیچیدہ نظام ہے۔ اسکول سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسکول کو وہ ”خورد سماج“، "Miniature of Society" کہتے ہیں۔ عملیت پسند اسکول کو سماجی برائیوں سے بچانے کے لیے اس اختیار کی آزادی دیتے ہیں تاکہ وہ پسندیدہ تجربات ہی طلباء کو دے۔

(5) عملیت پسند چاہتے ہیں کہ اسکول، طلباء کو سماج سے متعلق متوازن تجربات دے۔ اسکول کو کسی بھی طرح اور کبھی بھی کسی مخصوص گروہ کو دوسروں پر فوقیت نہیں دینی چاہیے۔ اسکول کبھی بھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ علاقہ واریت اور مخصوص یا

محدود تہذیبی تجربات کو فروغ دے گا۔ اسکول کو طلباء میں ذات پات اونچ نیچ اور مادی لحاظ سے طبقاتی کشمکش سے دور رکھنا چاہیے۔

فلسفہ عملیت اور مقاصد تعلیم: (Pragmatism & Aims of Education)

عملیت پسند تعلیم کے کسی متعین پہلے سے طے شدہ اور قطعی و آخری اور عمومی مقاصد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک چونکہ انسانی زندگی کے مقاصد خود زماں و مکاں کے تحت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لیے وہ تعلیم کے پہلے سے طے شدہ مقاصد کے قائل نہیں ہیں۔ روس (Ross) کہتا ہے کہ ”چونکہ ہماری زندگی خود تجرباتی ہے، اس لیے ہم طالب علم کو کسی متعین مقصد کی طرف نہیں لے جاسکتے“۔ تعلیمی مقاصد ہر طالب علم کے لحاظ سے اور وقت و حالات کے تحت تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جان ڈیوی کا کہنا ہے کہ ”تعلیم کا بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہوتا ہے۔ تعلیم کا تصور ایک مجرد یا خیالی (abstract) تصور ہے۔ مقاصد افراد کے ہوتے ہیں اور افراد کے مقاصد لازمی طور پر مختلف ہوتے ہیں متعین مقاصد جن کو ہم بیان کرتے ہیں وہ طلباء کو فائدے سے زیادہ نقصان کا باعث بنتے ہیں تا آنکہ ہم انہیں صرف سفارشی نوعیت کا سمجھیں۔

(1) ایک متحرک ذہن کی تربیت جو حالات کے مطابق ڈھل سکے:-

عملیت پسند چاہتے ہیں کہ بچے کو ایک متحرک رخ اور رہنمائی دی جائے تاکہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں، رجحانات اور دلچسپیوں کے تحت اپنی ذات کا ارتقاء کرے۔ وہ اس طرح بچے کو اس قابل بنانا چاہتے ہیں کہ وہ زندگی کے تبدیل ہوتے مطالبات اور مسائل سے کامیابی سے نبرد آزما ہو سکے اور ایک کامیاب زندگی گزار سکے۔

تعلیم کے ذریعے نئے اقدار کی تخلیق:-

عملیت پسند ”تعلیم برائے تعلیم“ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تعلیم نئی نئی قدروں کے پیدا کرنے میں معاون ہو۔ وہ تعلیم کی عملی افادیت پر زور دیتے ہوئے چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے طالب علم اپنی حیاتی اور سماجی ضرورتیں پوری کرے۔ عملیت پسند طالب علم کا ہمہ جہتی ارتقاء یعنی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور سماجی ترقی چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تعلیم کو قدروں کے لیے حاصل نہ کیا جائے بلکہ اسے طالب علم کی خواہشات کو اس کے ماحول کے مطابق پورا کرنے میں مددگار ہونا چاہیے۔

(2) تجربات کی تعمیر نو کے لیے تعلیم:-

تعلیم عملیت پسندوں کے نزدیک صرف کتابی تعلیم نہیں ہے اس سے آگے بڑھ کر وہ اسے ترقی اور تعمیر مانتے ہیں۔ علم جامد یا پہلے سے طے شدہ نہیں ہو سکتا۔ علم وقت اور مقام کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ علم مسیحا ہے جو تجربے اور

تجربات سے حاصل ہو۔ ایک تجربہ دوسرے کا اور دوسرا تیسرے کی بنیاد بنتا ہے۔ اس طرح طالب علم کے علم کے خزانے میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور طالب علم ان تجربات کی روشنی میں اپنے رویے میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس طرح تجربات کی تعمیر نو جاری رہتی ہے۔

فلسفہ عملیت اور نصاب: (Pragmatism and curriculum)

عملیت پسندوں نے تعلیم و تعلم کے عمل میں طلبہ پر بالغوں کے اثرات ڈالنے یا بالغوں کی طرف سے انھیں ”کچھ دینے“ کے تصور کو سختی سے رد کیا اور تعلیم کے عمل میں بڑوں کی مرکزیت ختم کی۔

عملیت پسندوں نے تعلیم کے عمل میں طالب علم کو مرکزی حیثیت دی۔ اس روایتی نظام میں طالب علم کا نصاب اور درسیات کا تعین اس کی دلچسپیوں، رجحانات اور ضرورتوں کو نظر انداز کر کے چند پڑھے لکھے بالغوں (Logical minded adults) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم اس نصاب کا اسیر بن جاتا ہے۔ اس طرح کی درسیات طالب علم کو ایک چھوٹا انسان یا ایک ناپختہ بالغ تصور کرتی ہیں اور اسے اپنے بڑوں کے ذریعے جمع کردہ علم کو سیکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

فلسفہ عملیت کے سب سے بڑے مبلغ جان ڈیوی نے اس روایتی طرز کی درسیات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ انھوں نے کہا کہ تعلیم طالب علم میں موجود چھپی ہوئی صلاحیتوں کو شناخت اور ان کی ترقی کا نام ہے۔ اس طرح اب تعلیم ”طالب علم مرکوز“ ہوگی۔ بقول ڈیوی ”طالب علم ہی ابتدا، مرکزی کردار اور اختتام ہے“۔ جان ڈیوی کہتے ہیں کہ تعلیم ایک متحرک عمل ہے۔ ان کے نزدیک اکتسابی عمل میں تجربات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ طلبہ اپنے تجربات کی بنیاد پر نئے نئے تجربات کرتے چلے جائیں۔ تجربہ سے مراد ان کے یہاں ”انسان کا اپنے ماحول سے تعامل (interaction) ہے“۔ جب انسان اپنے ماحول کو کسی شے سے تعامل کرتا ہے تو اسے اس عمل کے کچھ نتائج حاصل ہوتے ہیں اور اس طرح اکتساب کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس لیے وہ درسیات میں ایسا ماحول اور محرکات رکھتے ہیں جو طالب علم کو زیادہ سے زیادہ تجربات پر ابھارے جس طرح ایک مسافر نقشے کے ذریعے اپنے سفر کو آسان بناتا ہے یعنی سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح عملیت پسند چاہتے ہیں کہ طالب علم بھی سابقہ علم اور تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس نئی بلندیوں کو حاصل کرے۔

فلسفہ عملیت اور طریقہ تعلیم: (Pragmatic Methods of Teaching)

عملیت پسندوں کا طریقہ تعلیم طالب علم مرکوز ہوتا ہے۔ وہ کتاب معلم اور مضمون کے مقابلے میں طالب علم کی سرگرمیوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اکتساب سرگرمی اور حرکت سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ معلم سے چاہتے ہیں کہ

وہ طلباء کی سرگرمیوں کو اکتسابی عمل میں ایک رخ دے۔

تعلیم کا مرکز طالب علم اور اکتساب کا مرکز سرگرمی ہے۔ طالب علم خود سے معلومات/علم حاصل کرے بجائے اس کے ہم اس پر معلومات/علم کی بارش کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم طلباء کو زندگی کے حقائق کو جاننے اور معلوم کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کریں۔ طریقہ تعلیم تجرباتی ہو۔ ڈیوی آگے کہتے ہیں کہ معلم وہ طریقہ تعلیم اختیار کرے جس کے ذریعے طلباء میں غور و فکر اور تنقیدی رجحان پروان چڑھے۔ ان کے اندر سوال کرنے و جوابات جاننے کی جرات پیدا کرنی چاہیے۔ معلم کو نفس مضمون کے مطابق طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ پروجیکٹ میتھڈ (Project method) عملیت پسندوں کا پسندیدہ طریقہ تعلیم ہے۔ یہ نتیجہ ہے ”اقتساب بذریعہ عمل“ (Learning by doing) کے اصول کا۔ دوسرا اصول جس پر یہ حضرات زور دیتے ہیں وہ ہے ”اقتساب بذریعہ زندگی“ (Learning by living) اس سے مراد یہ کہ وہ پروجیکٹ ہے جو طالب علم اپنی عملی زندگی سے متعلق مسائل کے حل کے لیے روبہ عمل لاتا ہے۔

فلسفہ عملیت اور طالب علم: (Pragmatism & Student)

طالب علم ایک زندہ اور متحرک وجود ہے وہ فطرتاً تعمیر پسند ہوتا ہے۔ طالب علم، تعلیمی عمل میں صرف غیر متحرک سننے والے کا کردار نہیں ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ طلباء کی سرگرمیوں کو سیکھنے کے عمل میں مدد و معاون بنائے۔ طالب علم کا ایک سماجی وجود بھی ہے۔ اس طرح تعلیمی عمل تین ستونی (Tri Polar) ہو جاتا ہے۔ طالب علم، معلم اور سماج۔ اس لیے تعلیمی عمل کے دوران ہمیں طالب علم کو سماجی زندگی، رسوم و رواج، ضوابط، اقدار اور رویوں کی تعلیم دینا چاہیے۔ ہر طالب علم ایک منفرد شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس لیے ان انفرادی اختلافات کا احترام کرنا چاہیے۔ ہر فرد ایک ”موثر عامل“ (Agency) ہے۔ لہذا فرد کو اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے کیونکہ اسے اختیار کی آزادی حاصل ہے۔

فلسفہ عملیت اور معلم: (Pragmatism & Teacher)

گو تعلیم کا مرکز توجہ طالب علم ہے۔ اس کے باوجود معلم کی حیثیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ عملیت پسند، معلم کو ایک بہت ہی ذمہ دارانہ حیثیت دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری طلباء کو زندگی کی پیچیدہ راہوں پر کامیابی سے گزرنے کی راہ نمائی کرنا ہے۔ معلم سے یہ توقع ہے کہ وہ اکتسابی ماحول پیدا کرے گا، ضروری وسائل مہیا کرے گا، ضروری تجربات اور سرگرمیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے طلباء کو سیکھنے اور علم حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ معلم طلباء کے لیے ایک دوست، فلسفی اور راہ نما ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ طلباء کو جمہوری طرز حیات کا عادی بنائے۔ طلباء کی ذہنی، سماجی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ جان ڈیوی

نے اساتذہ کو درسیات اور نصاب کے طے کرنے میں آزادی دی، اسکول کے انتظام میں بھی آزادی دی۔ اس اہتمام کے ساتھ کہ وہ (معلم) طلباء پر خواہشات کو لادنے سے پرہیز کرے گا۔

فرہنگ (Glossary)

فلسفہ عملیت	Pragmatism
مابعد الطبعیات	Metaphysics
نظریہ علم	Epistemology
علم الاقدار	Axiology
تین ستونی	Tripolar

خلاصہ : (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

- (1) فلسفہ عملیت تعلیم کے عمل میں عملی افادیت / استعمال کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ ان کے نزدیک سچائی، خیالات اور اقدار کو ان کے عملی نتائج کی بنیاد پر پرکھنا چاہیے۔
- (2) عملیت پسند تعلیم کو ایک سماجی ضرورت مانتے ہیں اور جمہوری طرز کو رائج کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔
- (3) کام کر کے سیکھنے پر زور دینا اس فلسفے کی ایک اہم خصوصیت ہے ان کا نصاب عملی سرگرمیوں پر منحصر ہوتا ہے۔
- (4) مکمل طالب علم کی نشوونما اس فلسفہ کا مطمح نظر ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ طالب علم کی دماغی، جذباتی اور جسمانی تمام صلاحیتوں کا ارتقاء ہو۔
- (5) پروجیکٹ میتھڈ: اس فلسفے کے حامی طریقہ تدریس میں پروجیکٹ میتھڈ کو استعمال کرتے ہیں۔
- (6) فلسفہ عملیت بچوں کو مفت اور ہمہ گیر تعلیم کی فراہمی کی بات کرتے ہیں۔
- (7) معلم بحیثیت مددگار، صلاح کار اور راہ نما۔

اكتسابی جانچ: (Unit End Activity)

- (الف): ذیل کے سوالات کے مختصراً (دو سو الفاظ میں) جواب لکھئے۔
- ۱۔ فلسفہ عملیت کے نظریہ علم پر مختصر نوٹ لکھئے۔

۲ فلسفہ عملیت کے مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالیے۔

۳ فلسفہ عملیت کے علم الاقدار پر روشنی ڈالیے۔

۴ فلسفہ عملیت اور تعلیم پر نوٹ لکھئے۔

۵ فلسفہ عملیت کے مقاصد تعلیم بیان کیجئے۔

(ب): ذیل کے سوالات کا تفصیلی جواب لکھئے۔ (چار سوال الفاظ)

۱ فلسفہ عملیت دنیا کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

۲ فلسفہ عملیت میں نصاب اور طریقہ تدریس پر روشنی ڈالیے۔

۳ فلسفہ عملیت کے علم الاقدار کو بیان کیجئے۔

۴ فلسفہ عملیت کے منفی پہلو کون سے ہیں۔

(ج) معروضی سوالات

(۱) فلسفہ عملیت کا سارا زور اشیاء کو — کے نتائج کے ذریعے سمجھنے کا ہے۔

(۱) خدا (۲) مشاہدہ (۳) تجربے (۴) خصوصیات

(۲) فلسفہ عملیت انسان کو دنیا میں — طور پر آزاد سمجھتا ہے۔

(۱) مکمل (۲) محدود (۳) کسی قدر (۴) لامحدود

(۳) فلسفہ عملیت اقدار کو — نہیں مانتا۔

(۱) قطعی اور حتمی (۲) مکمل (۳) ناقابل تغیر (۴) ادھورا

(۴) فلسفہ عملیت تعلیم کو — کام تصور کرتا ہے۔

(۱) رفاہی (۲) حکومتی (۳) مذہبی (۴) سماجی

(۵) معلم طلبہ کے لیے ایک — ہے۔

(۱) دوست (۲) فلسفی (۳) دشمن (۴) باپ

سفارش کردہ کتابیں: (Suggested Books)

☆ J. Donald Bultler, Four Philosophier & there practice in education & religion. 3rd edition Itarper & Row Publishers N.York

☆ Ghanta Ramesh Dash B.N. Foundation of education (2006). Neel Kamal Publications. N.Delhi

☆ Santosh Valikkat, Philosophy of education (2012), APH Publishing Corporation N.Delhi

Seether Ramu A.S. Philosophy of education (2014) APH Publishing Corporation N.Delhi ☆

☆ ساجد جمال، عبدالرحیم: ابھرتے ہندوستانی سماج میں تعلیم (2012)، شیرا پبلیکیشن، نئی دہلی

3.2.4 فلسفہ وجودیت (Existentialism)

تعارف:

اب تک آپ مغربی فلسفہ تعلیم کے تحت فلسفہ تصوریت، فلسفہ فطرت پسندی اور فلسفہ عملیت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اب اس اکائی میں آپ فلسفہ وجودیت (Existentialism) کا مطالعہ کریں گے۔ موجودہ دور میں فلسفہ وجودیت نے تعلیم پر قابل لحاظ اثرات ڈالے ہیں۔ اس لیے اس کا مطالعہ ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ فلسفہ دراصل ایک فکری نظریہ ہے جو انسانی وجود پر زور دیتا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق انسان ایک آزاد فرد کی حیثیت سے جینے کا حق رکھتا ہے۔ فلسفہ وجودیت انسان کو اپنی شخصیت کی آزادانہ تعمیر کا اہل اور حق دار سمجھتا ہے یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ فلسفہ وجودیت مکمل فلسفہ تعلیم کے تمام تقاضوں کو پورا نہیں کرتا مگر اس کے باوجود ہم اس کے تعلیم پر اثرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور فلسفہ تعلیم کے اساتذہ اور طلباء اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ موجودہ دور میں اس فلسفہ کے تعلیم پر واقع ہونے والے ہمہ گیر اثرات کا مطالعہ کرنا ہماری ضرورت بن گیا ہے۔

فلسفوں کی تاریخ میں فلسفہ وجودیت قدرے جدید دور رکھتا ہے۔ فلسفہ وجودیت کی اہمیت کو بیسویں صدی میں تسلیم کیا گیا اور اسی صدی میں اس کو فروغ حاصل ہوا۔ اس فلسفے کی ترویج میں اہم نام سورین کریگارڈ (Soren Kierkegard) کا آتا ہے۔ اسے اس فلسفے کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس فلسفے کے فروغ میں ایڈمنڈ ہسرل (Edmund Husserl) (1859-1938) کے شاگرد مارٹن ہیڈگر (Martn Heidegger) کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس کے علاوہ

جین پال سارترے Jean Paul Sartre نے بھی فلسفہ وجودیت کو سنوارنے میں خاصا کام کیا ہے۔

تاریخی طور پر فلسفہ وجودیت کی جڑیں ہمیں دو عالمی جنگوں میں ملتی ہیں۔ ان دونوں عالمی جنگوں نے انسانی جان اور مال کی جو تباہی مچائی وہ عدیم المثال ہے۔ اس کے نتیجے میں مصنفین نے ایسی کہانیاں، ناول اور ڈرامے لکھنے شروع کیے جس میں موت، مصائب، بے چینی، غصہ، تباہی، بربادی جیسے مضامین کے ساتھ ان جنگوں میں لاکھوں انسانوں کی جانی قربانیوں کو موضوع گفتگو بنایا گیا۔ ان مخصوص حالات نے انسانوں کو اپنی حالت اور حقیقت پر ایک نئے سرے سے غور و فکر کرنے کی دعوت دی کیونکہ عموماً عام حالات میں جب کہ ہم خوش اور شاد کام ہوں ہم اپنی حقیقت کو کم ہی تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح کی تحریروں نے عالمی پیمانے پر اپنے اثرات ڈالے۔ اسی طرح اس وقت مختلف ممالک کے فلاسفر بھی اس سے متاثر ہوئے اور انھوں نے سابقہ فلسفوں کے خلاف آواز بلند کی۔ گویا اسے ہم روایتی فلسفوں کے خلاف بغاوت قرار دے سکتے ہیں۔

چونکہ یہ وجودیت کے حامی فلاسفر روایتی فلسفوں کے نظام اور رویے سے نالاں ہیں اس لیے یہ معروف معانی میں وجودیت کو ایک فلسفہ نہیں کہتے۔ اس لیے ہم اس فلسفہ کا مطالعہ روایتی انداز سے نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے ہمیں اس طرز فکر کے اہم تصورات کو سمجھنا ہوگا۔

فلسفہ وجودیت کے اہم تصورات:

(۱) فلسفہ زندگی کی حقیقت :- وجودیت کے حامی فلاسفر 'فلسفہ' کو نئے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ روایتی فلسفوں کی طرح ان کے نزدیک فلسفہ صرف حقیقت کو جاننے یا معلوم کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ سچائی کو وجود میں لایا جائے ان کے نزدیک زندگی کوئی معمہ نہیں ہے جسے ہمیں صرف حل کرنا ہے بلکہ زندگی کی حقیقت کا ہمیں تجربہ حاصل کرنا چاہیے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کو اپنے تجربات کی حقیقت کی روشنی میں خود اپنا فلسفہ زندگی طے کرنا چاہیے۔ انسان کو اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے زندگی کے عملی مسائل سے نبرد آزما ہو کر اس حقیقت کی تلاش کرنی چاہیے جو 'موجود' ہے۔

(۲) فلسفہ بحران :- وجودیت کو فلسفہ بحران بھی کہا گیا (Philosophy of crisis) کیونکہ یہ فلاسفر یہ بات پیش کرتے ہیں کہ کوئی فرد یا گروہ جب بحرانی حالات سے دوچار ہوتا ہے تو اسے اپنی حقیقت کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہی موقع فلسفہ زندگی کے طے کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) جوہر اصلی یعنی روح پہلے یا وجود پہلے؟ :- (Essence first or Existance first)

فلسفہ وجودیت کا یہ بنیادی مسئلہ ہے۔ ان کے نزدیک 'وجود پہلے ہے اور جوہر اصلی یعنی روح بعد میں' جبکہ سابقہ فلاسفر اس کے برعکس جوہر اصلی کو اول مانتے ہیں اور اس کی تلاش کرتے ہیں۔ سارترے کے مطابق انسان پہلے وجود میں آتا ہے،

پھر منظر نامے پر ظاہر ہوتا ہے اور بعد میں وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق انسان کی تعریف بڑی پیچیدہ ہے کیونکہ انسان صرف وہی نہیں ہے جو وہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے بلکہ انسان وہ بھی ہے جو وہ اپنے آپ کو بنانا چاہتا ہے۔ انسان اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے آپ کو بناتا ہے یعنی حقیقتاً وجود میں لاتا ہے۔

(۴) وجود کی حقیقت:۔ انسانی وجود کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت کے درمیان کا

عرصہ ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ پیدائش سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا اور موت کے بعد بھی کچھ نہیں رہے گا۔ پیدائش سے موت تک کے عرصے میں ہم سماجی زندگی کے اتفاقی حالات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں بحرانی کیفیت، خوف و دہشت، غیر یقینی حالات سے دوچار ہو کر انسان آخر کار موت سے ہم کنار ہو کر اس سے نجات پاتا ہے۔ اس ضمن میں بطور خلاصہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی دن مرنا ہے۔ موت کی یہ اٹل حقیقت مستقبل کے بارے میں انسان کے امکانات کی دنیا کو محدود کر دیتی ہے۔ مستقبل محدود ہونے کے ساتھ متعین بھی ہے۔ انسان اس بات کو جانتا ہے اور یہی اس کی دنیا میں حقیقت ہے۔ انسانی وجود مختصر ہے اور یہ کسی بھی لمحے ختم ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے انسان ایک ہیجان انگیز اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے اس طرح وہ خوف اور دہشت سے دوچار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فلاسفہ انسان کن حالات میں جی رہا ہے اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

(۵) اقدار:۔ فلسفہ وجودیت کے قائلین کسی بھی طرح کی آفاقی قدروں کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ہر فرد یہ

صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی اقدار خود وضع کرے۔ ہر فرد اپنے طرز زندگی کا خود انتخاب کرے تاکہ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزار سکے۔ ان کے نزدیک حقیقت ظہور پذیر حالت میں ہے۔

(۶) انسان کی حقیقت:۔ فلسفہ وجودیت کا کہنا ہے کہ انسان کا کوئی خالق (پیدا کرنے والا) نہیں ہے۔ انسان وجود پاتا

ہے۔ منظر نامے پر ظاہر ہوتا ہے اور بعد میں اپنا تعارف حاصل کرتا ہے۔ اس کا وجود پہلے ہوتا ہے اور بعد میں وہ اپنے جوہر اصلی (Essence) معلوم کرتا ہے۔ اس فلسفے کی نظر میں انسان آزاد اور ذمہ دار نہ وجود رکھتا ہے جو اپنے وجود کی تکمیل کے لیے پر عزم ہوتا ہے۔ انسان کوئی بے یار و مددگار اور طفیلی وجود نہیں ہے جو اسے کیا دیا گیا ہے یہ تلاش کرتا رہے۔ انسانی فطرت کے بارے میں ہم کوئی آفاقی نظریہ قائم نہیں کر سکتے کیونکہ انسان اس کے فہم سے معذور ہے۔ یہ فلسفہ خدا کے وجود کا انکار کرتا ہے۔ انسانی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال میں انتخاب کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہے اور اسے اپنے انتخاب کی آزادی کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔

(۶) اضطراب انگیز ہیجان (Anxiety):۔ فلسفہ وجودیت میں اس تصور کی بڑی اہمیت ہے۔ آئیے اس کی اہمیت کو

سمجھنے کی کوشش کریں۔ اضطراب انگیز ہیجان (anxiety) کا مطلب صرف غیر یقینی حالات اور اس کے نتائج کے بارے میں

فکر مند ہونا نہیں ہے۔ یہ اصطلاح ایک وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ اس کے مطابق انسان اپنی ذات کی تکمیل کے مراحل سے گذرتا رہتا ہے اس درمیان اسے ان ناگہانی حالات کا ادراک ہوتا ہے جو اس کے وجود کے لیے خطرہ ہوتے ہیں۔ اگر میری تشویش کسی مخصوص شے یا واقعے سے متعلق نہ ہو تو میرے وجود کے لیے امکان موجود ہوتا ہے۔ ایسا وجود جو ہر طرح کے اقدار اور معیار اور میری ذات کے معانی سے خالی ہو۔ اس تصور میں کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے نفس کو تنہا کر لیتا ہے اور تمام اشیاء، واقعات اور افراد سے اپنے تعلق سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ گو انسان ایک آزادانہ وجود رکھتا ہے مگر وہ دنیاوی بندشوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے جس پر اس کا کوئی قابو نہیں ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان کو ایک اجنبی اور دشمن سمندر میں پھینک دیا گیا ہے۔ اس طرح انسان کی اپنے وجود کے مالک ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً انسان دکھوں اور غموں سے راہ فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے تحریک حاصل کر کے انسان اپنے ڈر اور خوف کو دور کرنے کے لیے اجتماعی طور پر روایتوں کے لگے بندھے طریقے پر عمل کرنے لگتا ہے۔

(۷) موت اور فنا:۔ اس تصور کے تحت فلسفہ وجودیت کے خیالات اختصار کے ساتھ ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

✽ موت سے گذر کر انسان فنا سے ہمکنار ہوتا ہے۔

✽ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی موت کو بالکل ذاتی انداز میں لے مثلاً کسی عزیز/ دوست کی موت کا سنتے ہیں۔ اس کے جنازے میں بھی شریک ہوتے ہیں مگر ہم اپنی موت کو یاد نہیں کرتے۔ ہم اسی موت کے تصور سے بھاگتے ہیں جبکہ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔

✽ انسان کو اپنی موت کو ایک ناگہانی حقیقت کے طور پر قبول کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے ”وجود“ کے ثبوت کے لیے اس کے خاتمے یعنی موت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم موت کے تصور سے بھاگ کر اپنے وجود کو مکمل طور پر نہیں منوا سکتے۔ ہمیں موت کو اپنے وجود کی ایک مرکزی شے تسلیم کرنا چاہیے۔

✽ ہمیں موت کو ایک ناگزیر حادثہ سمجھنا ہوگا جو ہماری زندگی یعنی وجود کی سرحد ہے جس طرح اسکے کے دورخ ہوتے ہیں اسی طرح زندگی اور موت بھی دونوں قابل تفریق رخ ہیں۔

✽ وجودیت کے حاملین کہتے ہیں کہ ہمیں موت کو پوری اہمیت دینی چاہیے کیونکہ ہم زندگی کے جودن گزارتے ہیں وہ ہمیں موت کے عمل سے قریب تر کرتے رہتے ہیں۔ یعنی ہم مرنے کے لیے جی رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا کیونکہ یہ کبھی بھی آسکتی ہے۔ ان کا فنا ہونا ہمارے وجود پر چھائی ہوئی حقیقت ہے۔ یہ ہمیں حیران بھی کرتی ہے اور دکھ بھی دیتی ہے انسان چاہے جتنے عیش و آرام میں زندگی گزارے مگر آخر وہ فنا ہونے والا ہے۔

فلسفہ وجودیت اور تعلیم:

وجودیت نے تعلیم میں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ دیگر تعلیمی فلسفوں کی طرح وجودیت کے تعلیمی فلسفے کی تشریح نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود ہم وجودیت کے فلسفے کے تعلیم پر واقع ہونے والے اثرات سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ ذیل میں ایسے ہی چند پہلوؤں پر گفتگو ہوگی۔

☆ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ وجودیت کے حامل فلاسفر نے ان کے تعلیمی فلسفے کی کوئی توضیح نہیں کی ہے۔ ہمیں تعلیمی فلسفے کے جوابات ان کے فلسفے سے اخذ کرنے ہوں گے۔

☆ تعلیم کا مفہوم:۔ فلسفہ وجودیت میں تعلیم کا مفہوم متعین کرنے میں ہمیں کافی مشکل ہوتی ہے کیونکہ اس فلسفے کے مقلدین نے اس نکتہ پر راست کوئی بات نہیں کی۔ البتہ بعض افراد نے اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر تعلیم کی تعریف کی کوشش کی۔ اس فلسفہ کا جائزہ لے کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک تعلیم کا مفہوم ”فرد کا اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کا ادراک کرنا ہے“۔ تعلیم کو فرد میں مربوط واقعیت، اتفاقی حوادث، ناگہانی حالات اور ان واقعات کو سمجھنے میں مدد دے جو ہمارے حال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

تعلیم انسان کے اندر اس کے وجود کو لاحق خوف، دہشت، فکر اور تشویش کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرے تاکہ وہ موت کا خوشی خوشی استقبال کر سکے۔ یہ فلاسفر کہتے ہیں کہ انسانی زندگی ایک بڑے خطرے سے دوچار ہوتی ہے اور وہ خطرہ ہے زندگی کی طرف دعوت دینا یا تباہی کے لیے لہانا۔

تعلیم برائے خوشی و مسرت (Pleasure) کو وہ خطرناک تصور کرتے ہیں۔ ہم بغیر دکھ اور درد (Pain) کے خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کا کہنا ہے تعلیم کے ذریعے ایک بالغ فرد اپنی وجود کی (زندگی) کے آزمائشوں دکھ، مصائب اور آزمائشوں سے نبرد آزما ہونا سیکھے۔

مقاصد تعلیم:-

فلسفہ وجودیت چونکہ انفرادیت پر غیر معمولی زور دیتا ہے اس لیے ان کے نزدیک تعلیم کا پہلا زینہ خود شناسی ہے تعلیم کا اہم کردار زندگی (وجود) کے ساتھ احسن انداز میں غور و فکر کرنا ہے۔ طلباء کو زندگی کے تمام پہلوؤں کو جاننا ضروری ہے۔ حال کے تجربات ماضی کی روشنی میں انجام دیے جاتے ہیں اور مستقبل کا شعور حال سے لگایا جاتا ہے۔ اس لیے طالب علم کو زندگی کے

معانی جاننے کی خود کوشش کرنا چاہیے جو اس میں ناکام ہو جائے یا مستقبل کے امکانات کے انتخاب میں ناکام ہو جائے تو وہ مایوسی اور اضطراب کا شکار ہو کر اپنے وجود کی افادیت کھودیتا ہے۔

وجودیت فرد میں جرأت (Courage) پیدا کرتی ہے۔ یہ جرأت انتخاب کی آزادی (Freedom of Choice) کے استعمال کے لیے ضروری ہے۔ فرد کو مخالفتوں کا حتی الامکان ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے قابل بنانا ہے۔ فلسفہ وجودیت انسان کے اندر اپنی آزادانہ حیثیت کا شعور پیدا کرنا چاہتی ہے۔ آزادی ذمہ داری کے ساتھ وجودیت کا اہم اصول ہے۔ اس لیے وہ فرد میں ذمہ داری کا شعور بیدار کرتے ہیں۔

طریقہ تعلیم:

- ☆ وجودیت طریقہ تعلیم کے بطور سوال جواب کے طریقہ کو ذرا اصلاح کے ساتھ اپناتے ہیں۔ وہ سوال کے جواب جواب کی اصلاح اور مزید سوالات اور جوابات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ کسی متفقہ نتیجہ تک رسائی ہو سکے۔
- ☆ وجودیت کے حامی سقراط کے استقرائی طریقے (Inductive Method) کی بھی وکالت کرتے ہیں۔
- ☆ وجودیت کے حاملین طلباء کی انفرادیت پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس لیے انفرادی توجہ ان کے لیے ایک ضروری امر ہے۔ وہ اسکول میں تعلیم کے بجائے اسی انفرادیت کے پیش نظر گھر پر تعلیم کو پسند کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک طلباء سے ذاتی تعلق اہم تر ہے بہ نسبت نظام الاوقات کے۔
- ☆ وجودیت کے حاملین چاہتے ہیں کہ معلم کو طلباء پر اپنے خیالات، عقائد اور اقدار کو ٹھونسنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔
- ☆ ان کے نزدیک طلباء میں تخلیقیت (Creativity) پیدا کرنے والے طریقے استعمال کرنا چاہیے۔

نصاب تعلیم:

درج بالا مقاصد کے حصول کے لیے وجودیت پرست ایک آزاد نصاب کی سفارش کرتے ہیں۔ اس سے مراد ان کا اذہان کو شک و تردید اور جہالت سے آزادی دلانا ہے۔ وہ طالب علم کے لیے مخصوص نصاب تجویز نہیں کرتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ طالب علم خود اپنی ضرورت اور اہلیت کے مطابق نصاب کے انتخاب میں آزاد ہو۔ ان کے نزدیک طالب علم کا اپنی زندگی میں درپیش سیاسی، سماجی، معاشی و عمرانی (وجود) مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ہارپر، پڑھنے، لکھنے، ریاضی کے اعمال اور تاریخ کے مطالعے کو ضروری قرار دیتا ہے۔

وہ منطق کے مطالعہ کو حقیقت کی تلاش کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

سار کرے اور ہسڈگر کے نزدیک سماجی علوم کو سائنسی علوم پر فوقیت حاصل ہے۔

ان کے نزدیک کائناتی علم سے زیادہ اہم انسان کی خود شناسی ہے۔ اس لیے وہ نصاب میں خود شناسی کے لیے اہتمام

کرتے ہیں۔

فلسفہ وجودیت اور معلم:

- ☆ معلم کو چاہیے کہ وہ ہر لمحہ اپنے وجود کو منوائے۔ اسے اپنی اقدار کو طے کر کے ان سے چمٹے رہنا چاہیے۔ اسے اپنی ذات، خیالات، عقائد اور اقدار کو طلباء پر ٹھونسنا نہیں چاہیے۔
- ☆ معلم کو چاہیے کہ وہ طلباء کو ان کے وجود کے فہم کے لیے تنقیدی نقطہ نظر اختیار کرنے اور تجزیاتی مطالعہ کرنے پر ابھارے
- ☆ معلم اپنے طلباء کی آزادی اور انفرادیت کا بھرپور احترام کرے۔
- ☆ معلم کو اپنے طلباء کے جذباتی علاقوں تک رسائی حاصل کرنی چاہیے۔
- ☆ معلم اپنے طلباء کے حالات، ضرورت اور دلچسپیوں سے واقف رہے۔

فرہنگ (Glossary)

فلسفہ وجودیت	Existentialism
روح	Essence
وجود	Existance
اضطراب، ہیجان	Anxiety
جرأت	Courage

خلاصہ (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

- ☆ فلسفہ وجودیت عمومی مذہب، عمومی سماج، عمومی تعلیم اور عمومی ابلاغ و ترسیل کے خلاف ہے۔
- ☆ یہ فرد کی انفرادیت پر بہت زور دیتے ہیں۔
- ☆ حقیقت کا صرف علم کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں اسے وجود میں لانا چاہیے۔
- ☆ اس فلسفہ کو فلسفہ بحران بھی کہتے ہیں۔
- ☆ ان کے نزدیک وجود جو ہر اصلی (روح) سے پہلے آتا ہے۔
- ☆ یہ لوگ آفاقی قدروں کی بجائے انفرادی قدروں کے قائل ہیں۔

- ☆ ان کے نزدیک حقیقت اب بھی ظہور پذیر ہے۔
- ☆ ان کے مطابق انسان کی حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہیں تھا اور نہ مرنے کے بعد کچھ رہے گا۔
- ☆ فلسفہ وجودیت خدا کا انکار کرتے ہیں۔
- ☆ انسان کو آزادی اس کی ذمہ داری کے ساتھ حاصل ہے۔
- ☆ انسان اپنی زندگی (وجود) میں ناگہانی آفات کا شکار ہوتا رہتا ہے۔
- ☆ ان کے نزدیک انسان کو موت کا ہنسی خوشی استقبال کرنا چاہیے۔

اگتسابی جانچ: (Unit End Activities)

- (الف) ذیل کے سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔ (دو سوالفاظ)
- ۱ فلسفہ وجودیت کی تاریخ پر نوٹ لکھئے۔
 - ۲ فلسفہ وجودیت کے نزدیک انسان کی حقیقت بیان کیجئے۔
 - ۳ فلسفہ وجودیت میں زندگی سے کیا مراد ہے؟
 - ۴ فلسفہ وجودیت میں موت اور فنا کے تصور کو واضح کیجئے۔
 - ۵ فلسفہ وجودیت کا کوئی مستقل فلسفہ تعلیم نہیں ہے۔ واضح کیجئے۔

(ب) ذیل کے سوالوں کا تفصیلی جواب لکھئے۔ (چار سوالفاظ)

- ۱ فلسفہ وجودیت کے تعلیم پر اثرات لکھیں۔
- ۲ فلسفہ وجودیت کو فلسفہ بحران کیوں کہتے ہیں۔

(ج) معروضی سوالات:-

- (۱) وجودیت معروف معانی میں ایک — نہیں ہے۔

(۱) فلسفہ (۲) علم (۳) مضمون (۴) کتاب

- (۲) وجودیت کو — کہا گیا۔
- (۱) فلسفہ خوشی (۲) علم الکلام (۳) فلسفہ بحران (۴) فلسفہ
- (۳) انسان کو اپنی موت کو ایک — حقیقت کے طور پر قبول کرنا چاہئے۔
- (۱) ناگہانی (۲) بڑی (۳) عمومی (۴) مذہبی
- (۴) فلسفہ وجودیت کے حامی تعلیم برائے خوشی و مسرت کو — سمجھتے ہیں۔
- (۱) ناممکن (۲) ممکن (۳) خطرناک (۴) حقیقت
- (۵) وجودیت فرد میں — پیدا کرتی ہے۔
- (۱) بزدلی (۲) جرأت (۳) کم ہمتی (۴) ڈر

سفارش کردہ کتابیں (Suggested Books)

- ☆ I Donald Butler, Four philosophis & their practice in educational religion. 3rd edition. Harper & Row publishers N.York
- ☆ Ghanta Ramesh, Dash BN, Foundation of education Neelkamal Publications 2006 New Delhi
- ☆ Seetharamu, AS philosophies of education. 2014, APH publishing corp. N.Delhi-110002
- ☆ Santhosh Valikkat, Philosposhy of education. 2012, APH Publishing Corporation New Delhi

اکائی ۴۔ اقدار کی تعلیم

(Value Education)

خاکہ	Structure
تعارف	Introduction
اکائی کے مقاصد	Objectives of the unit
اقدار کا تصور	Concept of value 4.1
تعلیم اقدار کی ضرورت	Need for value Education 4.1.1
اقدار کی درجہ بندی	Classification of Values 4.2
اقدار میں بحران	Value Crisis 4.3
فراہمی اقدار کے طرز رسائی	Approaches to inculcate values 4.4
اقدار اور خوشحال زندگی	Values and Harmonious life 4.5
مخلصہ	Let us sum up/conclusion
اہم نکات	Points to Remember
اکتسابی جانچ	Unit End Activities
سفارش کردہ کتابیں	Suggested Readings

مقاصد: (Objectives)

☆ اقدار کے بارے میں آگاہی پیدا کرانا اور واسدا یو کٹمبکم (Vasudaiv kutumbakam) کے تصور کو فروغ

دینا۔

- ☆ معاشرے میں مثبت مطابقت (Positive Adjustment) کے لیے تیار کرانا۔
- ☆ شخصیت سازی کے indicators کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے میں مدد کرنا۔
- ☆ انسانی زندگی کے اہم مقصد کی تفہیم کرانا اور اقدار کو روزمرہ زندگی میں عمل کرنے کی ترجیح دینا۔
- ☆ جسم، ذہن اور روح کی اہم آہنگ ترقی کے لئے سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مدد کرنا۔
- ☆ نئی حکمت عملی اور اقدار پیدا کرنے کی تکنیک سے آگاہ کرانا۔

تعارف : Introduction

تعلیم ایک زیور ہے خوشحالی میں اور مصیبت میں ایک پناہ گاہ۔ تعلیم کی قدر کے ذریعہ ہم سب ایک زندہ مثال کے طور پر اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے کام کریں اور مستقبل میں ہماری ثقافت کی حقیقی روایت کو با اختیار بنائیں۔ اس اکائی میں آپ اقدار اور اسکی درجہ بندی، اقدار میں بحران اور کیسے ہم اپنی کھوئے ہوئے روایتی اقدار کو پھر سے واپس لا سکتے ہیں اس پر روشنی ڈالینگے۔ ساتھ ہی ساتھ ہم نئی حکمت عملی اور اقدار پیدا کرنے کی تکنیک سے آپ کو آگاہ کرائینگے۔ سب سے پہلے ہر انسان اپنی زندگی میں کچھ مقاصد کا تعین کر لیتا ہے اور ہر انسان کی زندگی کا مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔ کچھ کو دولت چاہیے کچھ کو علم کی پیاس ہوتی ہے کچھ کو اقتدار چاہیے اور کسی کو آزادی میں کسی کو نام وغیرہ چاہیے کچھ کو پیار و محبت چاہیے اور کسی کو دوسروں کی خدمت کی۔ اور اگر دیکھا جائے تو انسان اپنا مقصد پورا کرنے میں اپنی ساری زندگی صرف کر دیتا ہے صرف وہ مقصد جو اپنی خواہش پوری کرے نہ کہ دوسرے انسان کے لئے فائدہ مند ہو۔ اس پر زیادہ زور نہ دیا جائے۔ ایسے اقدار کو فروغ کیا جائے جو انسانیت قائم رکھنے کے لیے کام آئیں اور اقدار کی تعلیم ہی اس مقصد کو پورا کرنے کی خواہش پیدا کر سکتی ہے۔ آپ جانتے ہیں اقدار کی تعلیم حاصل کرنے والا انسان دوسرے انسان سے بہتر ہوگا۔ وہ جانے گا کہ انسانیت کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے اور اس کے اندر انسانیت برقرار رکھنے کی سوچ پیدا ہوگی۔

4.1 اقدار کا تصور : (Concept of Values)

لفظ قدر (value) کی ابتدا Latin زبان کے لفظ Valerei سے ہوئی ہے جس کا مطلب ہے اہمیت (Importance)۔ عام طور پر سماج جن معیارات (Standards) کو اہمیت دیتا ہے اور جن کے ذریعے انسان کے کردار (Character) پر قابو (control) پایا جاتا ہے وہ اس سماج کے اقدار کہلاتے ہیں۔ لیکن فلسفہ ماہرین بشریات (Anthropologists)، ماہرین سماجیات (sociologists)، ماہرین نفسیات (Psychologists) اور دیگر

ماہرین نے اقدار کو الگ طرح سے بیان کیا ہے۔ کبھی کبھی ہمیں لگتا ہے کہ اقدار کے بارے میں بات کیوں کریں؟ لیکن انسان کو اقدار کا مفہوم سمجھنا اور اسکو اپنی زندگی سے جوڑنا بے حد ضروری ہے۔

Value Education is Education in values and Education towards

Inculcation of values

تعلیم اقدار، اقدار میں تعلیم اور اقدار پیدا کرنے کی تعلیم ہے۔

The True purpose of Education is to make minds, not careers.

William Deresiewicz کا کہنا ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد ذہن بنانا ہے نہ کہ کیریئرز (careers)۔ اقدار کے تصور پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم اقدار کی ضرورت اور درجہ بندی پر معلومات حاصل کریں گے۔

4.1.1 تعلیمی اقدار کی ضرورت: (Need for value education)

دور حاضر میں اقدار کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ جسکی درج ذیل ضروریات ہیں۔

(۱) انسان اقدار کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔

(۲) آج پوری دنیا میں اقدار کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

(۳) ہم اقدار کا علم رکھتے ہوئے بھی تاثراتی طور پر اقدار کی تعلیم سے وابستہ نہیں ہیں۔

(۴) سچائی، عدم تشدد، ہمدردی، تعاون، ایک دوسرے کی مدد اور خدمت خلق سے واقفیت کے باوجود فوری زندگی میں ان اقدار کا فقدان نمایاں ہے۔

(۵) لوگوں میں خود غرضی کی وجہ انسانی ہمدردی، خوش اخلاقی، بھائی چارگی، حسن سلوک کے جذبات موہوم ہو چکے ہیں۔ سماج میں غنڈہ گردی اور لاقانونیت کا دور نمایاں نظر آ رہا ہے۔ جس کا ہر دفتر میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

(۶) انسان کے اندر انسانیت کے جذبات مفقود ہونے کی وجہ سے انسان صرف ایک مشین بن کر رہ گیا ہے۔ جس میں

Emotion لفظ کا نام نہیں ہے۔ لوگوں کے پاس ایک دوسرے کی تکلیف کو سمجھنے کا احساس نہیں رہ گیا ہے۔

(۷) قومی تعلیمی پالیسی 1986 اور چوہان کمیٹی 1999 نے بھی اقدار کی تعلیم کی سفارش کی ہے اور اس کو ضروری اور اہم قرار دیا ہے۔

(۸) تعلیم کے ذریعہ اقدار کی ادراک سے کہیں زیادہ اس پر عمل آوری پر زور دینا ضروری ہے۔

(۹) انسانی اقدار حب الوطنی، قومی یکجہتی، شخص فرانس، باہمی امداد کا جذبہ، رحم دلی، رواداری، راست بازی، ہمدردی اور

ہندوستانی ثقافت سے محبت اقداری تعلیم میں ضروری ہیں۔

طلباء کے اندر کون سے اقدار کو پیدا کیا جائے اس پر مختلف لوگوں نے الگ الگ رائے ظاہر کی ہے۔ NCERT نے اس سلسلہ میں 83 اقدار کا ذکر کیا ہے۔ اسکے علاوہ کچھ ماہرین تعلیم نے صرف پانچ اقدار کا ہی ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان کو طلباء میں پیدا کرنا ہی کافی ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں رائے ٹھیک نہیں ہے اور عام خیال میں ہے کہ طلباء کے اندر مندرجہ ذیل 20 اقدار کو پیدا کرنا چاہئے۔ (۱) تعاون کا جذبہ (۲) صفائی (۳) آزادی (۴) محنت کرنے کی عادت (۵) ایمانداری (۶) وطن سے محبت

(۷) انصاف (۸) عدم تشدد (۹) سائنسی مزاج (۱۰) سیکولرزم (۱۱) خودضابطگی (۱۲) دوسروں کی خدمت (۱۳) سچائی (۱۴) محنت کرنے والوں کے وقار کا احترام (۱۵) امن (۱۶) عوامی ملکیت کی دیکھ بھال (۱۷) محبت (۱۸) ہمدردی (۱۹) ثقافتی تحمل اور (۲۰) فرض شناسی (Dutifulness)۔

4.2 اقدار کی درجہ بندی : (Classification of values)

قدیم ہندوستانی فلسفیوں نے اقدار کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے ایک روحانی اقدار دوسرے مادی اقدار ہے۔ روحانی اقدار وہ ہیں جو ہمارے روحانی کردار کا تعین کرتے ہیں۔ ان کی چار قسمیں ہیں (۱) دھرم (۲) ارتھ (۳) کام (۴) موکش۔ مادی اقدار ہماری سماجی زندگی کی سمت کا تعین کرتے ہیں جیسے محبت، ہمدردی تعاون اور حب الوطنی وغیرہ۔ اس کے علاوہ روحانی اقدار بھی ہیں جو ہماری زندگی سے متعلق ہیں۔ اقدار کی درجہ بندی میں Lewis نے انہیں چار درجوں میں تقسیم کیا ہے (۱) داخلی اقدار (Intrinsic values) (۲) خارجی اقدار (Extrinsic values) (۳) پیدائشی اقدار (Inherent values) (۴) کلیدی (آلاتی) اقدار (Instrumental values)۔

(۱) داخلی اقدار وہ ہیں جنہیں ہم جان بوجھ کر اپناتے ہیں یا عمل کرتے ہیں۔
(۲) خارجی اقدار وہ ہیں جو دوسروں کے تعریف حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔
(۳) پیدائشی اقدار سے مراد وہ اقدار ہیں جو انسان کی پیدائش کے وقت حاصل ہوتے ہیں اور فطرت بن جاتے ہیں جیسے محبت نفرت، ہمدردی تعاون وغیرہ۔

(۴) کلیدی یا آلاتی اقدار وہ ہیں جو دوسرے اقدار کے احساس میں مددگار ہوتے ہیں جیسے عدم تشدد وغیرہ۔
اقدار کی درجہ بندی کا کام ماہرین نفسیات اور ماہرین سماجیات نے کیا ہے جیسے Spranger کی درجہ بندی مقبول ہوئی ہے اسے چھ درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) نظریاتی اقدار (Theoretical values)

(۲) معاشی اقدار (Economic values)

(۳) جمالیاتی اقدار (Aesthetic values)

(۴) سماجی اقدار (Social values)

(۵) سیاسی اقدار (Political values)

(۶) مذہبی اقدار (Religious values)

(۱) نظریاتی اقدار۔ وہ اقدار ہیں جنہیں زندگی کے اصولوں پر اپنایا جاتا ہے اور ان کی مدد سے دوسرے اقدار کو حاصل کرتا ہے۔

(۲) معاشی اقدار۔ وہ اقدار ہیں جو انسان کو معاشی شعبہ میں مدد کرتے ہیں۔

(۳) جمالیاتی اقدار۔ یہ وہ اقدار ہیں جو جمالیاتی شعبہ میں رہنمائی کرتے ہیں۔

(۴) سماجی اقدار۔ یہ وہ اقدار ہیں جو انسان کو سماجی شعبہ میں مددگار ہوتے ہیں۔

(۵) سیاسی اقدار۔ یہ وہ اقدار ہیں جو انسان کی سیاسی زندگی میں مددگار ہوتے ہیں۔

(۶) مذہبی اقدار۔ یہ وہ اقدار ہیں جو انسان کو مذہبی شعبہ میں رہنمائی کرتے ہیں۔

ماہرین سماجیات نے اقدار کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مثبت اقدار (Positive values)

(۲) منفی اقدار (Negative values)

مثبت اقدار۔ یہ وہ اقدار ہیں جنہیں سماجی سرگرمیوں میں شریک ہو کر سیکھتے ہیں۔ ان اقدار سے انسان کے ذاتی اقدار کو رہنمائی

حاصل ہوتی ہے۔

منفی اقدار۔ یہ وہ اقدار ہے جو سماجی طور پر منظور نہیں ہوتے جسے سماج قبول نہیں کرتا ہے۔

ان سب کے علاوہ کچھ اقدار ایسے ہوتے ہیں جن کی نوعیت عالم گیر (Universal) ہوتی ہے یعنی وہ ہر سماج اور ہر ملک کے لوگوں کے لئے ہر وقت اور حالات کے مطابق موزوں ہوتے ہیں۔

4.3 اقدار میں بحران: (Value Crisis)

آج ہمارا معاشرہ اقدار کے لحاظ سے بحران (value crisis) میں مبتلا ہے۔ شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو جس میں ہمیں اقداری بحران سے متعلق کوئی خبر نہ ملتی ہو پر ہو۔ یہ بحران سماجی اخلاقی، معاشی اور سیاسی اقدار میں تمام سطحوں پر پایا جاتا ہے۔ ہر طرف خود غرضی، لامحدود دلچ، کرپشن، تشدد اور تباہی کا منظر، انسانی حقوق کی لڑائی، مایوسی اور اخلاق میں کمی ہو رہی ہے۔ یہ اقداری بحران پر دھیان نہ دینے پر نظام تعلیم (Education System) کے دھیرے دھیرے collapse ہونے کا ڈر رہے گا۔ اب سوچنے کا وقت آ گیا ہے کہ کونسے عوامل ہمارے معاشرے میں اقداری بحران کے ذمہ دار ہیں۔ ہم کو قبول کرنا چاہیے کہ یہ پورے معاشرے کا مسئلہ ہے اور کھوئے ہوئے اقدار (lost values) کو دوبارہ حاصل کرنا اور بنائے رکھنا ہمارا فرض بنتا ہے۔

اقدار میں بحران کا ذمہ دار کون ہے؟

(۱) **تعلیمی نظام کی:** کہیں ہم ہماری نوجوان نسل کو درکار تعلیم فراہم کرنے میں ناکام تو نہیں ہو رہے ہیں۔ اس بات پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۲) **خاندان:** خاندان بچے کے لئے پہلا اسکول ہے جہاں بچے اچھی عادتیں سیکھتے ہیں۔

بچے کا تعامل (Interaction) سماج کے لوگوں سے کم ہو رہا ہے کیوں کہ بچے زیادہ وقت نئے الیکٹرانک گجٹ کے ساتھ گھر میں اور کم وقت اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بیتا رہے ہیں۔ ایک متوازن طرز رسائی (balanced approach) کی ضرورت ہے جسکی مدد سے ہم بچوں کے اندر اقدار پیدا کریں۔ والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت بیتائیں اور انہیں یتیم خانے، بزرگوں کے ادارے خصوصی بچوں کے اداروں کا دورہ کرائیں۔ آج بچوں کو اچھی زندگی گزارنے کی تعلیم دینا ضروری ہے۔

(۳) **سماجی و معاشی حالات (Socio-Economic Conditions)**

انسان جو بنیادی انسانی ضروریات سے محروم اور پریشاں ہیں انکو تعلیم کی قدر پر لکچر دینا مناسب نہیں ہوگا۔ اگر معاشرے میں

انصاف ہو اور کوئی ایسی غیر امتیازی سلوک نہ ہو ذات پات کا نسل (Race) کا، دولت کا تو اس معاشرہ میں تعلیم کی اقدار کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

(۴) مادہ پرست رویہ (Materialistic Attitude)

کچھ لوگ مادہ پرست بن چکے ہیں۔ وہ کسی بھی طریقے کو اپنا کر پیسہ کمانے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں انہیں تعلیم کی قدر کی سخت ضرورت ہے۔

(۵) پالیسی پر عمل (Policy Implementation) :

عملی طور پر ہم پالیسی کے نفاذ کے لئے کاغذی خاکے تو خوب بناتے ہیں لیکن اس کے نفاذ کے لئے درکار لازمی پالیسی پر عمل آواری کے لئے تخلیقی کاوشیں اختیار نہیں کرتے۔

(۶) مسابقتی سماج (Competitive Society) :

اس دور مسابقت میں ہر انسان چوٹی کے مقام (Top position) پر رہنا چاہتا ہے اور یہ بھاگ دوڑا اسکے لئے مشکل کیوں نہ ہو، وہ کم وقت میں آسان طریقوں سے سب کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسکو اقدار کی کوئی پرواہ نہیں بتائیے ایسے حالات میں کیا کریں؟ اچھا جینے کے لئے اقدار کی تعلیم کی ضرورت ہے یا نہیں؟

انگریزی میں To Live یعنی زندہ رہنے سے متعلق ایک معنی خیز جملہ اس طرح ہے۔۔

To LIVE we need Lessons In Value Education

(۷) سیاسی استحصال (Political Exploitation) :

سیاسی رہنماؤں میں سے کچھ لوگ اپنے خود غرض مقاصد کے حصول کے لئے عوام کا استحصال کرتے ہیں اور اسکی بیداری لوگوں میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس قسم کے مفاد پرست سیاسی رہنماؤں کے استحصال (Exploitation) سے بچے رہیں۔

4.4 فراہمی اقدار کے طرز رسائی (Approaches to inculcate values)

(i) اساتذہ کو وسیع النظری سے کام لیتے ہوئے اپنے نظریاتی حدود (Ideological limitations) کے آگے کام کرنا چاہئے۔

(ii) ماہرین سے اقدار کی تعلیم پر توسیع خطبات (Extension Lectures) کا انتظام کرنا۔

(iii) نصاب میں ایسے تعمیری منصوبے (constructive Projects) کو فروغ دینا جس سے اقدار کا فروغ ہو۔

(iv) تعلیمی اداروں میں باقاعدہ مقابلوں کا انتظام ہو جس میں سمینار، مباحثوں، خطابت، مضمون نویسی اور ورک شاپس وغیرہ کا انتظام ہو

(v) طلبہ کو دنیا میں وسیع امن کے فروغ دینے میں اقوام متحدہ (UNO) کا کردار اور UNO کی کوششوں کی جانکاری دینا۔

(vi) اسلامی تعلیمات کے مطابق ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ہندوستان میں بھی یہ تصور رہا ہے کہ واسدا یو کٹما کم یعنی ساری دنیا ایک خاندان ہے، اس بات کی اہمیت کو سمجھنے میں طلبہ کی مدد کرنا۔

(vii) تعلیم اقدار (value education) تمام تعلیمی اداروں میں ہر سطحوں پر (K.G to P.G) لازمی ہونا چاہیے۔

(viii) تعلیمی ادارے امن کو فروغ دینے کی سمت میں کام کریں۔

(ix) اساتذہ social media کے ذریعہ اچھے videos طلباء کو send کریں جن سے طلباء میں اقدار کا فروغ ہو۔

(x) نظریہ (theory) عمل کے بغیر بیکار ہے اور عمل کے بغیر نظریہ خطرناک ہے۔ نظریہ اور عمل دونوں سے اقدار کا فروغ ہوتا ہے۔

اقدار کو نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں سے فروغ دینا چاہئے۔

4.5 اقدار اور ہم آہنگ زندگی: Values and Harmonious life

دھرم، ارتھ، کاما اور موکشا ہندوستان کے قدیم اقدار ہیں۔ اقدار ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں سے جڑے ہیں۔ ہمارے ملک کا ہر بچہ سچائی، عدم تشدد، ہمدردی، تعاون اور خدمت خلاق کا جذبہ اپنی حقیقی زندگی میں اپناتا ہے تو اسکی زندگی ہم آہنگ زندگی بن جاتی ہے۔ "Behave Politely to those who do not know you; forgive those who

have oppressed you; give to those who have never given you anything; and make brothers of those who have denied their brotherhood with you"

- Islam

اسلام نے پیار، محبت، بھائی چارے پر زور دیا ہے۔

"We should all live together, work together and there should be no

jealousy" - Hinduism

ہندو دھرم نے واسدا ایو کٹمبکم کا تصور پیش کیا۔

All of you have unity of spirit, sympathy, love for one another, a tender heart, and a humble mind" - Christianity

عیسائی مذہب نے پیار، محبت، ہمدردی، اور خدمات پر زور دیا ہے۔

ہر مذہب کا اشارہ تحمل (Tolerance)، ہمدردی یا رہم (Compassion) اور ایک دوسرے کو سمجھنے (Mutual Understanding) پر ہے۔ کیوں نہ ہم سب ان کو اپنی زندگی میں اپنا کر خوشحال زندگی بنائیں۔

Core Values For Harmonious Life

Once you can achieve peace within yourself, you are a step closer to to live a harmonious life your goal

ایک بار جب آپ اپنے اندر امن حاصل کرتے ہیں آپ ایک قدم حدف کے قریب ہو خوشحال زندگی کے لئے۔
مختلف کمیٹی اور کمیشن نے بھی اقدار کے فروغ کے لئے زور دیا۔ NPE-1986 کے مطابق دس اہم اقدار یہ ہیں۔

۱۔ تحریک آزادی ہند کی تاریخ (History of India's Freedom Movement)

۲۔ آئینی معاہدہ (Constitutional Obligations)

۳۔ فطری شناخت، کلاسیکی فطرتی تشفی (Classical content essential to nurture natural identity)

۴۔ عام ہندوستانی تہذیب ورثہ (Indian common cultural heritage)

۵۔ مساوات پسندی (Equalitarianism)

۶۔ جنسی مساوات (Equality of Sexes)

۷۔ ماحولی تحفظ (Protection of Environment)

۸۔ سماجی رکاوٹوں کی علحدگی (Removal of Social Barriers)

۹۔ چھوٹی فیملی کا تصور (Observance of Small Family Norms)

۱۰۔ سائنسی رجحانات کی ذہن نشینی (Inculcation of Scientific Trends)

فرہنگ: (Glossary)

اقدار (Value) :

عام طور پر سماج جن معیارات (Standards) کو اہمیت دیتا ہے اور جن کے ذریعے انسان کے کردار

(Behaviour/character) پر قابو (control) پایا جاتا ہے۔

اقدار کی تعلیم (Value Education) :

تعلیم کے ذریعے طلبہ کی شخصیت میں اقدار کو پروان چڑھانا۔

مثبت اقدار (Positive Value) :

یہ وہ اقدار ہیں جنہیں ہم جسے سماجی سرگرمیوں میں شریک ہو کر سیکھتے ہیں اور جن سے ہمارے اقدار رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

منفی اقدار (Negative Value) :

یہ وہ اقدار ہیں جو سماجی طور پر قبول نہیں کئے جاتے ہیں۔

بنیادی اقدار (Core value) :

صحیح برتاؤ (Right Conduct)، عدم تشدد (Non-violence)، محبت (Love)، امن (Peace)، سچائی

(Truth)

خلاصہ: (Let Us Sum Up/ Points to Remember)

اگر ہم اپنے سماج کو غور سے دیکھیں تو یہ پائیں گے کہ لوگوں کا ایک دوسرے پر سے اعتبار اٹھ رہا ہے اور سماج میں بعض

لوگ ہر چھوٹی بات پر تشدد پر اتر آتے دکھائی دیتے ہیں۔ انساں اپنی کچھ تہذیب اور انسانیت کو چھوڑ کر منفی رویہ

(Negative Attitude) اختیار کر رہے ہیں اور Materialistic world کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔ آپ سمجھ

لیجئے کہ تعلیم بینک (Bank) کی طرح ہے جسمیں اقدار، رقم کرنسی (currency) اور مان لیجئے کے آپ کے

Education System میں values نہیں ہیں تو Education system کس کام کا؟ طلباء میں اقدار کو

فروغ دینے کے لیے اساتذہ، خاندان، Peer Group، Court & Law، سماج، Mass Media کا اہم کردار

ہوتا ہے۔ ہر شخص اقدار پر مبنی سماج کو (value based society) قائم کرنے میں مدد کریں اور اپنی زندگی ہم آہنگ

زندگی بنائیں۔ اس اکائی میں ہم اقدار کا تصور، اسکی درجہ بندی، اقدار میں بحران، اقدار کے طرز رسائی اور خوشحال زندگی کے

لئے اقدار پر روشنی ڈالی گئی۔

اہم نکات: Points to remember:

- ☆ لفظ قدر (value) کی ابتدا Latin زبان کے لفظ Valerei سے ہوئی ہے۔ جس کے معنی ہے اہمیت۔ یعنی اقدار سے صرف نظر کر کے ساری تعلیم صفر ہے۔
- ☆ تعلیم اقدار (value education) اقدار کی تعلیم اور تعلیم کے ذریعے اقدار کو پروان چڑھاتا ہے۔
- ☆ تعلیم کا اصل مقصد ذہن بنانا ہے نہ کہ کیریئرز (careers)
- ☆ Lewis نے اقدار کو چار درجوں میں تقسیم کیا۔ (۱) داخلی اقدار (Intrinsic values) (۲) خارجی اقدار (Extrinsic Values) (۳) پیدائشی اقدار (Inherent values) اور (۴) کلیدی رآلاتی اقدار (Instrumental values)
- ☆ ماہرین سماجیات (Sociologists) نے اقدار کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ (a) مثبت اقدار (Positive values) اور (b) منفی اقدار (Negative values)
- ☆ عالمی اقدار (universal values) ہر سماج اور ہر ملک کے لوگوں کے لئے ہر وقت اور حالات کے مطابق موزوں ہوتے ہیں۔

☆ آج سماجی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی اقدار میں تمام سطحوں پر بحران پایا جاتا ہے۔

To live we need Lessons in Value Education

(یعنی زندہ رہنے کے لئے ہمیں تعلیم اقدار کے اسباق کی ضرورت ہے۔)

☆ تعلیم اقدار (value education) تمام تعلیمی اداروں میں ہر سطحوں پر (K.G to P.G) لازمی ہونا چاہئے

☆ ہر مذہب کا اشارہ تحمل (Tolerance)، ہمدردی (Compassion) اور ایک دوسرے کو سمجھنا (Mutual Understanding) پر ہے۔ کیوں نہ ہم سب اسکو اپنی زندگی میں اپنا کر خوشحال زندگی بنائیں

اكتسابی جانچ: (Unit End Activities)

: Essay Type

(1)

اقداری تعلیم کو انسان میں پیدا (Inculcate) کرنے کے لیے مختلف طرز رسائی (approaches) کی فہرست تیار کیجیے ؟

- (2) اقدار پر مبنی سماج value based society پیدا کرنے کے لیے معلم کے کردار (role) پر روشنی ڈالیے؟
 (3) مشہور شخصیتوں زندگی کے کسی ایک واقعہ کو لیکر سچائی ایک قدر (truthfulness as a value)۔ اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کیجیے ؟

: Short Type

- (4) کوئی پانچ واقعات کی فہرست تیار کیجیے جس میں آپ نے دوسرے مذاہب کے افراد کی مدد کی؟
 (5) اقدار کی تعریف بیان کیجیے ؟
 (6) اقدار کی تعلیم (Value education) کی وضاحت کیجیے؟
 (7) اقدار کی درجہ بندی (Classification) پر ایک نوٹ لکھیے؟

Objective type

- (8) فلسفہ میں اقداریات (Axiology) کن امور سے بحث کرتی ہے؟
 (a) علم (b) حقیقت (c) اقدار (d) ثقافت

- (9) بچے کی تعلیم کے لیے پہلا مدرسہ کون سا ہے؟
 (a) سماج (b) دوست احباب (c) خاندان (d) اسکول

(10) ہندوستانی آئین کے مطابق سیکولرزم کا مطلب کیا ہے؟

- (a) کسی مذہب کی عزت نہ کرنا
 (b) تمام مذاہب کی مساویانہ عزت کرنا
 (c) حکومت کا مذہبی تحریکات پر کنٹرول
 (d) تمام شخص مذہبی قوانین کا

خاتمہ (abolition, abrogation)

(11) تعلیم اقدار کہاں پائی جاتی ہے؟

- (a) صرف گھر میں (b) صرف سماج میں

(d) ان سبھی میں

(c) صرف مدرسہ میں

(12) "غیر اقداری تعلیم اتنی مفید ہے کہ وہ انسان کو ایک چالاک شیطان (clever devil) بنا دیتی ہے" یہ کس نے کہا؟

(b) گاندھی جی

(a) C.S Lewis

(d) ان میں سے کوئی نہیں

(c) ابولکلام آزاد

(13) "تعلیم کا حقیقی مقصد" ذہن سازی" ہے نہ کہ "کریئر سازی" کس نے کہا؟

(b) William Deresiewicz

(a) ٹیگور

(d) ان میں سے کوئی نہیں

(c) ذاکر حسین

(14) core human values _____ , _____ , _____ , _____ ہے۔

(15) UNESCO رپورٹ کے تحت تعلیم کے چار ستون (pillars) _____ , _____ , _____ اور _____ ہیں۔

(16) اقدار _____ لفظ سے اخذ کیا گیا ہے۔

(17) "تعلیم خوشحالی میں ایک زیور ہے اور مصیبت میں ایک پناہ گاہ" _____ نے کہا

(18) لفظ قدر (Value) کی ابتدا _____ زبان کے لفظ _____ سے ہوئی جس کا مطلب ہوتا ہے اہمیت

(19) اقدار کے تصور کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلا دوقنی (cognitive) مرحلہ، دوسرا تاثراتی (Affective) مرحلہ

، اور تیسرا _____ مرحلہ

(20) _____ نے اقدار کو Positive values اور Negative values میں تقسیم کیا

سفارش کردہ کتابیں (Suggested Books)*-Jamal Sajid (2012). Education in Emerging Indian society. Delhi,**-Shipra Mrunalini .T(2015) Philosophical Foundations of Education**.Hyderabad, Neel Kamal publications publishers**-Lachanna G et.al(2015)Foundations of Education,Hyderabad Neel*

kamal publishers

-Ghanta (2004) *Foundations of Educations , Hyderabad Neel Kamal*

-Vanaja M et.al(2011) *value oriented Education,Hyderabad :Neel Kamal*

-Value Education Google weblight .com

-Education _General Knowledge

-www.gktoday.in>blog>importance

-https://en.m.wikipedia.org/wiki/valuechildren,deccan Herald

-Brahma Kumar Nikung(2014)august 03,sunday value.education for

-Sanjna vij(2010)december 08,crisis of values _who is responsible..

اکائی 5 تدریس بہ حیثیت پیشہ

(Teaching As a Profession)

تعارف Introduction

5. معلم - پیشہ ورانہ استعداد اور پابندی عہد

(Teacher: Professional Competencies & Commitments)

5.2 معلم بہ حیثیت معمار قوم

(Teacher as a Nation Builder)

5.3 معلم بہ حیثیت خالق اور تسہیل کار علم

(Teacher as A Creater and Facilitator of knowledge)

5.4 معلم کی پیشہ ورانہ اخلاقیات

(Professional Ethics of Teacher)

5.5 معلم اور مستقبل کا سماج

(Teacher and The future Society)

Glossary فرہنگ

خلاصہ / یاد رکھنے کے نکات Let Us Sum Up/ Points to Remember

اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں Unit End Activities

اپنی معلومات کی جانچ Answers to Check Your Progress

سفارش کردہ کتابیں (Suggested Books)

تعارف : Introduction

بلاشبہ تدریس ایک مقدس پیشہ ہے۔ نئی نسل کو بنانا، سنوارنا اور انہیں مستقبل کے کامیاب اور موثر شہری کاروبار دینا اس پیشے کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ اپنا تعارف اس طرح کیا

"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"

معلم کا مقام و مرتبہ بے شک بہت بلند ہے اسی کے لحاظ سے اس کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی ہیں۔ حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ اور پرخطر ہوں سماج گروہ اور فرد کو اپنے مستقبل سے بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اور مستقبل کا دار و مدار بڑی حد تک بچوں اور نوجوانوں کی صحیح تعلیم و تربیت پر منحصر ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کی عظیم ذمہ داری بلاشبہ معلم بخوبی انجام دے سکتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کیسی قوم و ملک اور سماج کا مستقبل اس کے اساتذہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ معلم کا فریضہ صرف کتابی علم کو اپنے طلباء تک منتقل کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنے پیشہ وارانہ اخلاقیات کی روح اور حدود کو سمجھتے ہوئے اسے اپنے طلباء کے علم و ہنر اور تجربات کی تخلیق بھی کرنی ہوتی ہے۔ اور پھر اپنے پیشہ وارانہ پابندی عہد کے ذریعہ اس بات کو یقینی بنانا ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت معمار قوم ایک کامیاب اور درخشاں مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ اس اکائی میں ہم معلم کی پیشہ وارانہ استعداد

(professional competencies) پابندی عہد (Commitment) اس کا کردار بحیثیت معمار قوم و

بحیثیت خالق و تسہیل کار علم، پر غور کرتے ہوئے اسکی پیشہ وارانہ اخلاقیات کا مطالعہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ مستقبل کے سماج

کی تشکیل میں معلم کا غیر معمولی کردار ہے۔
معلم: پیشہ وارانہ استعداد اور پابندی عہد

Teacher: Professional Competencies and Commitments

پیشہ وارانہ استعداد

تدریس ایک اہم پیشہ ہے اس کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معلم کے پاس پیشہ وارانہ اہلیتیں (Professional Competencies) اور پابندی عہد (Commitment) ہوں۔ پیشہ وارانہ اہلیتوں کو ایک خاکے کی مدد سے اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں۔

(الف) نفس مضمون یا مواد مضمون پر عبور:

علم ایک اکائی ہے اور ہم اپنی سہولت کے لئے اسے مختلف مضامین میں تقسیم کرتے ہیں۔ دور حاضر میں ہر مضمون کے مواد میں بے تحاشہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ اور اس پر مختلف سائٹس تک طلبہ کو بھی دست رس حاصل ہے۔ ایسے میں معلم کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مواد مضمون پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے سبق کی تیاری میں صرف نصابی کتاب (Text Book) دستی کتاب (Hand Book) پر انحصار نہ کرتے ہوئے دیگر حوالہ جاتی کتب (Reference Book) رسالہ جات (Magazine) اور انٹرنیٹ جیسے جدید ذرائع سے بھی حسب ضرورت استفادہ کریں۔

(ب) تدریسی امدادی اشیاء (Teaching Aid)

معلم کو چاہیے شامل نصاب مواد کو موثر انداز میں طلبا تک پہنچانیا اور ان کے اکتساب کو موثر بنانے میں تدریسی

امدادی وسائل کا غیر معمولی کردار ہوتا ہے۔ نصابی کتاب میں تصاویر، خاکے جدول اور چارٹس کو شامل کرنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ بھی اس طرح کے وسائل کا بھرپور استعمال کرے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسے جدید وسائل کا استعمال کر کے اپنی تدریس کو دلچسپ، آسان اور موثر بنائے۔ تصورات کو واضح کرنے کے لئے معلم تختہ سیاہ پر اپنی فنکارانہ صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے تصاویر اور خاکے وغیرہ وغیرہ بنائے تو ان کا بھی اپنا اثر ہوتا ہے۔

تدریسی امدادی آلات کے اقسام

- یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ایسے تدریسی امدادی آلات قابل ترجیح ہیں جو سرگرمی پر مبنی ہوں۔
- تدریسی امدادی آلات کی پانچ خوبیاں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔
- 1) صحت یا درستگی (Accuracy) یعنی تصور کو اس کی صحت کے ساتھ واضح کرنا۔
 - 2) وضاحت (Clarity) تصور کو واضح طور پر بیان کرنا۔
 - 3) پائیداری (Durability) یعنی زیادہ عرصے تک استعمال کی جاسکے۔
 - 4) استعمالیت (Practicability) استعمال کرنے میں سہولت ہو۔
 - 5) سستی (Low Cost) تیاری اور حصولیابی میں کم خرچ ہو۔

ج) نصاب کے معاملہ کی استعداد

کمرہ جماعت میں نصاب کے معاملہ کی استعداد کی بنیاد پر معلم طلباء کے اکتساب میں مدد کرتا ہے۔ روایتی طرز تعلیم میں کمرے جماعت کا تعاون () معلم اور طلباء کے درمیان محدود سمجھا جاتا تھا۔ تجربات اور تحقیقات کی روشنی میں دور حاضر میں معلم کے لئے ضروری ہے قومی مقاصد، نصاب تعلیم، نصاب مضمون اور نصابی کتب کا بغور مطالعہ کر کے پڑھائے جانے والے اسباق

، اکائیوں اور ذیلی اکائیوں کی خوب اچھی طرح تیاری کرے اور پڑھائے جانے والے اصول و حقائق اور تصورات کا واضح ذہنی خاکہ بنائے۔

کمرہ جماعت کا تعامل کے مزید ابعاد (Dimensions) سامنے آئے ہیں لہذا انھیں خاکے کی مدد سے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

کمرہ جماعت کے تعاملات میں مے جمہوری اقدار کا خصوصی خیال رکھا جانا چاہئے اور ہر فرد کو یہ بات تسلیم کرنا چاہئے کہ جس طرح مجھے اظہار خیال کی آزادی ہے اسی طرح دیگر شرکاء کو بھی یہ شرف حاصل ہے اور ہم کہ ایک دوسرے کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاتے ہوئے خوشگوار اور پر امن ماحول مے صبر و تحمل اور رواداری کے ساتھ ان تعاملات کو آگے بڑھائیں اور ان سے سیکھیں اور ایسا کرتے ہوئے نظم و ضبط کو بھی بحال رکھیں۔

طلباء سے تعامل کو موثر بنانے کے لئے معلم کو مختلف طریقہ ہائے تدریس، طرز رسائی، تدریس کے فن اور اصول اور مہارتوں پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح طلباء کے آپسی تعامل (Interaction) کے دوران معلم کے ذہن میں یہ بات واضح رہے کہ طلباء ایک دوسرے سے بھی خوب سیکھ سکتے ہیں اور کمرہ جماعت میں بعض طلباء صاحب وسائل (Resource Students) بھی ہوتے ہیں۔ اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جانا چاہئے۔

طلباء کے درمیان تعاملات کی کامیابی کے لئے معلم کی حوصلہ افزائی غیر معمولی کردار ادا کرتی ہے۔ یہی بات طلباء اور

اکتسابی مواد کے درمیان تعامل کے لئے بھی صحیح ہے۔ اس تعامل کا با معنی ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ مواد، خود اکتسابی مواد ہو جو طلباء کو مختلف النوع، آسان اور دلچسپ تجربات کی فراہمی کا ذریعہ ہو۔ خود طلباء بھی اس قسم کا مواد تیار کر سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ان کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوگا بلکہ وہ پر مسرت انداز میں سیکھیں گے۔

طلباء کے اپنے آس کے ماحول سے تعامل کے لئے تعلیمی سیر، دورے، انٹرویو، مختلف البم اور collections کی

تیاری وغیرہ کی منظم منصوبہ بندی ضروری ہوتی ہے۔

اس بات کا خیال رہے کہ ان تمام تعاملات میں معلم کا کردار صرف روایتی اور رسمی قسم کا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسے غیر رسمی (informal) اور بے رسمی (non formal) کردار کو بھی بہ حسن و خوبی سمجھنا اور ادا کرنا ہے۔

معلم کی پیشہ وارانہ پابندی عہد۔ (Teacher's Professional Commitment)

تدریس کی درجہ بندی ایک پیشہ کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ یہ صرف زندگی گزارنے کے لئے درکار پیشہ کمانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی سماجی خدمت ہے جس کے ذریعہ معلم قہمی فروغ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ معلم مستقلاً اپنے پیشے کے تئیں پابند عہد رہے۔

شخصی پسند اور ناپسند سے اوپر اٹھ کر معلم کے لئے مطلوبہ علم اور مہارتوں کا حصول ضروری ہے۔

پیشہ وارانہ پابندی عہد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی گروہ کے افراد میں اپنے پیشہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کا احساس ہو۔ پابندی عہد (commitment) کے دو لازمی اجزاء (component) ہوتے ہیں۔

سب سے پہلا یہ کہ فرد کو متعلقہ پیشہ سے وابستگی پر فخر ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے پیشہ وارانہ فروغ کے لئے اس کے اندر گہری خواہش اور رغبت ہو۔

تدریس تو فی الواقع ایسا پیشہ ہے جس میں معلم کو ان بچوں کے بنانے اور سنوارنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، جنہیں سماج مکمل اعتماد کے ساتھ معلم کے سپرد کرتا ہے، اس اعتماد پر پورا اترنے کا تقاضہ یہی ہے کہ ایک پابند عہد معلم صرف اسکول کے

اوقات کے درمیان ہی مصروف کار نہیں ہوتا بلکہ ان اوقات کے بعد بھی اس کا ذہن طلبہ، ان کے فروغ اور اجتماعی اور انفرادی کارکردگی کو بہتر بنانے سے متعلق خیالات اور انکی تفکرات میں مصروف رہتا ہے۔ پابند عہد معلم نہ صرف طلبہ کی ہمہ جہت فروغ کا خواہاں ہوتا ہے، بلکہ وہ خود اپنے پیشہ وارانہ فروغ کے لئے بھی سخت محنت کرتا ہے، تاکہ اپنی خدمات بہتر سے بہتر طور پر انجام دے سکے۔

اساتذہ اپنے پیشہ کی عظمت کے عین مطابق پیشہ وارانہ اخلاقیات کا خیال رکھتے ہیں تخلی نرئی اور انکساری انکی وہ امتیازی اوصاف ہیں جنکے ساتھ وہ طلبہ، سرپرستوں اور سماج کے دیگر لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں انہی اوصاف کی بنا پر اساتذہ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان شخصی اوصاف اور پیشہ وارانہ استعداد کے حسین امتزاج سے معلم کی شخصیت تشکیل پاتی ہے جو اسے اپنے پیشے کے

تئیں پابندی عہد بناتی ہے۔

پابندی عہد (commitment) وابستگی کی وہ کیفیت ہے جو فاعل (معلم) اور اسکے میدان عمل کے درمیان رشتے کا تعارف کرواتی ہے۔ پابندی عہد ایک عمل ہے، اس عمل میں فاعل مختلف خیالات میں سے اس متبادل کا انتخاب کرتا ہے جو اس کی دانست میں اس کے پیشے کے فروغ کے لئے سب سے بہترین ہو۔

پابندی عہد کے محورات: (Areas of Commitment)

الف: طلبہ کے لئے پابندی عہد

بچوں کو اسے سے معلم کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کی ضروریات کو حساسیت کے ساتھ سمجھتا ہو، وہ ایسے معلم کی چاہت رکھتے ہیں۔ جو جلتوں، اکتسابی ضرورتوں، میلانوں، صلاحیتوں اور لیاقتوں کو سمجھ سکے۔ پیشہ تدریس کو اختیار کرنا گویا طلبہ کے فروغ اور ترقی کا عہد کرنا ہے۔

ب: سماج کے لئے پابندی عہد۔

اسکول اور سماج کے درمیان ایک علامتی رشتہ ہوتا ہے، اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ سماج کو تعلیم (جو تاجر جاری رہنے والا عمل ہے۔) کی اہمیت سے کما حقہ واقف کرائے اور افراد کو اس تناظر میں ترغیب دلائے اس لحاظ سے معلم اپنے سماج کا پابندی عہد ہوتا ہے۔

ج: پیشہ کے لئے پابندی عہد۔

سماج کے ذریعہ معلم کے کندھوں پر یہ ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ بچوں کے مستقبل کو تباہ نہ بنائے اور بہترین تعلیم و تربیت کے ذریعہ انہیں بنائے اور سنوارے۔ پابندی عہد اساتذہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے تجدد دانہ (Innovative) طریقہ تدریس کا استعمال کریں کہ طلباء کا اکتسابی عمل موثر ہو جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اساتذہ بذات خود اپنے پیشہ کے تئیں پابندی عہد کا مظاہرہ کریں اور طلبہ کے اجتماعی اور انفرادی اکتساب کو بہتر بنانے کی کوشش

کریں۔

د: پیشہ وارانہ اقدامات میں سر بلندی کے لئے پابندی عہد

ایسے اساتذہ جو اپنے پیشہ وارانہ اقدامات میں سر بلندی (Excellence) پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں اور جو اپنے آپکو بہتر انسان کے بطور ابھارنے پر توجہ دیتے ہیں بالآخر ان کے طلبہ ان کے نقشے قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کو انکے طلبہ اور سماج کی جانب سے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ سبھی کے لئے مینارہ نور بن جاتے ہیں۔

ذ: بنیادی اقدار کے لئے پابندی عہد

ہر سماج اپنے اساتذہ سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں، اپنی شخصی اور ذاتی زندگی میں اقدار پر مبنی طرز رسائی (Approach) اختیار کریں، تاکہ مستقبل کی نسلیں انھیں اپنے لئے مثالی شخصیات کے طور پر دیکھیں اور رہنمائی حاصل کریں۔

معلم بہ حیثیت معمار قوم: (Teacher as a nation Builder)

تدریس ہی وہ مقدس پیشہ ہے جو انسان سازی اور کردار سازی کے لئے وقف ہے۔ معلم وہ پیشہ ور ہے جو اپنے ذاتی حالات و تجربات چاہے وہ کتنے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہوں سے اوپر اٹھ کر طلبا کی شخصیت سازی کو یقینی بنائے۔ اخلاقیات، ایمانداری اور عدل وہ اوصاف ہیں جو طلبا معلم سے ہی سیکھتے ہیں۔ دراصل اسکول اور معلم ہی کردار سازی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

اساتذہ نے اپنی مستقل مزاجی، محبت اور قربانی کے ذریعے ہمارے عظیم رہنماؤں کو ایسا راستہ دکھایا جن پر چل کر انہوں نے اس ملک کی تعمیر کی۔ اسی طرح مستقبل میں بھی ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لئے اساتذہ کا غیر معمولی کردار رہے گا۔ ایک تعلیم یافتہ، روشن خیال، اور ترقی یافتہ سماج کے طور پر اپنے آپ کو ابھارنا ہے تو اساتذہ کی قدر کرنی ہوگی۔ کمرہ جماعت کے باہر بھی اساتذہ کا غیر معمولی کردار ہوتا ہے۔ جس کو سماجی کردار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے تحت انہیں اپنے طلبا کو سماجی مسائل کے تئیں حساس بناتے ہوئے سماج کی تشکیل و ترقی میں فعال کردار ادا کرنے کے لئے تیار کرنا ہوگا۔ تدریس کے ساتھ معلم کے دیگر کرداروں میں حوالہ جاتی یا توسیعی کردار (Reference Role) جاسوسی کردار (Detective

Role) اور سرپرستانہ کردار (Parental Role) نبھانا بھی شامل ہے۔

اکثر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ طلبا اپنے معلم کے آداب، انداز گفتگو، رسوم و رواج غرض ایک ایک ادا کو محسوس یا غیر محسوس

طریقے سے اپنی زندگی میں برتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ طلباء کے فکر و خیالات بھی معلم سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک مقبول معلم کی شخصیت طلباء کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ بچے اپنے زمانہ طالب علمی میں ہی غیر محسوس طریقے سے اپنی زندگی کا نصب العین، مقاصد اور مستقبل کے منصوبے وغیرہ کا تعین کرنے میں اپنے اساتذہ کے فکر و خیالات سے مستفید ہوتے ہیں اور اکثر ان موضوعات پر ان سے تبادلہ خیال کر کے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دیگر کسی پیشے سے متعلق لوگ بد عمل (Corrupt) ہو جائیں تو شاید ملک و سماج کے لئے اتنا نقصان دہ ثابت نہ ہوں جتنا کہ بد عملی کا شکار معلم۔ کیوں کی اس کی بد عملی کا راست اثر نئی نسل پر مرتب ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ بہت آگے تک جاری رہ سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر معلم ایماندار اور اپنے پیشے کے تئیں پابند عہد ہو تو معمار قوم بن جاتا ہے۔ اور اگر خدانہ خواستہ وہ بے ایمان بن جائے اور اس کے پاس پابندی عہد اور اخلاقیات نہ ہوں تو وہ مسما قوم بن کر قوم و ملک کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے ہر دور اور ہر سماج میں ایمان دار، پابند عہد اور باصلاحیت اساتذہ کی تیاری اور تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے جو بے خد ضروری بھی ہے۔

معلم بہ حیثیت خالق اور تسہیل کار علم (Teacher as a Creator and Facilitator of knowledge)

زمانہ ماضی میں معلم کی اہم ذمہ داریوں میں طلباء کو علم فراہم کرنے کا عمل شامل تھا۔ دور حاضر میں تعمیریت (Constructivism) کے نظریے کی مقبولیت نے مذکورہ تصور پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اب یہ بات فرسودہ ہو گئی ہے کہ معلم علم دیتا ہے اور طلباء علم حاصل کرتے ہیں اب نظریہ تعمیریت کے مطابق معلم طلباء کے حصول علم کے لئے خوشگوار ماحول تیار کرتا ہے۔ اور سیکھنے کے لئے درکار تمام ضروری مواد فراہم کر کے کمرہ جماعت میں ایسی سرگرمیوں کا انعقاد کرتا ہے کہ طلباء ان سے تعامل کر کے سیکھ جائیں۔ اس لحاظ سے معلم کی حیثیت روایتی پڑھانے والے کی نہ رہتے ہوئے تسہیل کار (Facilitator) کی بن گئی ہے۔ معلم کے ذریعے تیار کردہ سیکھنے کی صورت حال (Learning Situation) سے تعامل کر کے ہر طالب علم اپنی سابقہ معلومات کی بنا پر نئے علم کی تشکیل خود کرتا ہے۔ اور سب کرنے میں تب ہی کامیاب ہو پاتا ہے جب وہ از خود فعال کردار (Active Role) ادا کرے۔ ایک معلم اپنے کمرہ جماعت میں طلباء کے سامنے جن علمی سرگرمیوں کا انعقاد کرتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی تیاری کے لئے اسے نصابی کتب، حوالہ جاتی کتب، رسائل اور دیگر ذرائع جیسے سی ڈیز، ڈی وی دیز اور آن لائن ریسورسز سے بھرپور استفادہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ جو علمی نکات وہ ان ذرائع سے حاصل کرتا ہے انہیں وہ جوں کا توں اپنے طلباء کے سامنے نہیں کرتا بلکہ ان پر غور و خوض کر کے اپنے سابقہ تجربات اور طلباء کی اکتسابی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں ایک رخ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح وہ گویا علم کی تخلیق بھی کرتا ہے اسی لئے وہ

علم کا صرف منتقل کرنے والا (Transmitter) نہ ہوتے ہوئے خالق (Creator) بھی ہوتا ہے۔ اس مرحلے تک پہنچنے کے لئے معلم کو سخت محنت کرنی ہوتی ہے۔ اپنے مطالعہ و نظر اور مشاہدے میں وسعت پیدا کرنی ہوتی ہے۔ اپنے ذہن کو ہر طرح کے تعصبات سے پاک رکھتے ہوئے ایک مثبت (Positive)، تعمیری (Constructive) اور تخلیقی (Creative) انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

معلم کی پیشہ ورانہ اخلاقیات: (Professional Ethics of a Teacher)

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں (Higher Educational Institutes) بالخصوص جامعات (Universities) میں جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر ڈگری حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کو بالعموم ایک حلف دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ڈگری کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور اپنے قول و فعل سے اپنی ڈگری اور اپنے ادارے کی نیک نامی پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ حلف لینے کی اس رسم کی بعض پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے جیسے میڈیکل اور لا (Law) وغیرہ کالجوں میں ایک خاص اہمیت سمجھی جاتی ہے۔ اور اس موقع پر کامیاب ہونے والے طلباء سے اپنے پیشے اور بالخصوص اپنے ٹارگٹ گروپ جیسے مریض، موکلین (Clients) کے تئیں پابندی عہد (Commitment) کا ایک عہد لیا جاتا ہے۔

تدریس بھی ایک مقدس اور عظیم پیشہ ہے۔ نئی نسلوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعے انہیں مستقبل کے بہترین شہری کے طور پر تیار کرنے کی اہم ذمہ داری اس پیشے کو سونپی گئی ہے۔ اس لیے معلم کا اپنے پیشے اور طلباء کے تئیں پابند عہد ہونا اپنی معنویت رکھتا ہے۔ محض رسمی طور پر حلف لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ بہ حیثیت معلم اپنے پیشے کی اخلاقیات کو اپنے ضمیر کا جز بنانے کی ضرورت ہے۔ معلمین کو اپنے آپ سے یہ عہد کرنا ہوگا کہ۔۔۔

1. اپنے پیشے کے تئیں ہمیشہ دیانت دارانہ رویہ اختیار کریں گے اور کبھی بھی اپنے طلباء اور دیگر متعلقین کا کسی طرح سے استحصال نہیں کریں گے۔

2. سماج کا ارتقا اور فلاح و بہبود کے لئے بالعموم اور طلباء کی ہمہ جہت ترقی کے لئے بالخصوص اپنے آپ کو وقف کریں گے۔ اور اس بات کی مخلصانہ کوشش کریں گے کہ ذاتی مسائل، مختلف افراد و تنظیموں کی بے جا تنقید یا خوش آمد پرستانہ رویہ سے متاثر ہوئے بغیر تمام طلباء کے ساتھ مساویانہ طور پر منصفانہ رویہ کا مظاہرہ کریں گے اور ان کی ہمہ جہت ترقی کے اس عظیم مشن میں کبھی بھی اپنے ذاتی مفادات یا شخصی پسند و ناپسند کو حائل نہیں ہونے دیں گے۔ اور ایسا کرتے ہوئے ملک و سماج سے ذاتی ترقی اور اعزازات کی توقع بھی نہیں رکھیں گے۔

معلم اور مستقبل کا سماج : (Teacher and Future Society)

ہر ملک اور سماج کے اپنے اقدار اور اصول ہوتے ہیں۔ چند بنیادی باتوں کو چھوڑ کر وقت و حالات کے لحاظ سے اکثر چیزیں بدلتی رہتی ہیں۔ دورِ حاضر میں ایک Vision اور ایک Mission کے تحت بچوں کو زیور علم سے آراستہ کر کے ایک درخشاں مستقبل کے لئے تیار کرنے کی ذمہ داری اسکول اور معلم کو سونپی جاتی ہے۔ اس ضمن میں کوٹھاری ایجوکیشن کمیشن کی رپورٹ میں ایک بڑا معنی خیز جملہ ملتا ہے۔

"The Destiny of India is now being shaped in her class room"

"ہندوستان کی تقدیر اب اس کے کمرہ جماعت میں تشکیل دی جا رہی ہے"

ظاہر ہے کہ اس جملے میں بدی بنیادی اور اہم بات کی گئی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں غیر معمولی ترقی اور انٹرنیٹ اور اس پر موجود مواد کی مقدار اور معیار نے ہمارے تعلیمی نظام کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔ آج انتہائی کارآمد چیزیں بڑی آسانی کے ساتھ طلباء کو دستیاب ہیں۔ ان تمام چیزوں کے باوجود معلم کے کردار کی معنویت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کردار میں وقت کے ساتھ ساتھ وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ جدید وسائل کے مضرت رساں پہلوؤں سے گریز کرتے ہوئے ان کے مفید پہلوؤں سے خاطر خواہ استفادہ کروانا معلم کی ذمہ داریوں میں ایک نیا اضافہ ہے۔ سماجی مسائل جیسے بے ایمانی، رشوت خوری، عورتوں اور بچوں پر مظالم، جہیز کی رسم لعنت، عدم تحمل اور عدم رواداری جیسی چیزوں سے پاک سائنسی مزاج، سیکولر ازم اور انسانی اقدار پر مبنی سماج کی تشکیل جو ترقی کی نئی نئی منزلوں کی طرف بھی رواں دواں رہے وقت کی ضرورت ہے۔ اور مستقبل کے اس سماج کی تشکیل و تعمیر اسکول اور معلم کی ذمہ داری ہے۔ مستقبل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کی ایسی تعلیمی و تربیتی کا اہتمام کہ جس سے طلباء اپنی مستقبل کی زندگی میں کامیاب ہو سکیں ایک ایسا فریضہ ہے جس کو پورا کرنے کے لئے معلم کا وسیع النظر اور دور اندیش ہونا ضروری ہے۔

مستقبل کے سماج کی تشکیل و تعمیر کے لئے معلم میں درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے۔

1. تعلیم و تربیت کے ذریعہ بہترین سماج کی تعمیر و تشکیل میں یقین

2. اپنے پیشے، طلباء اور سماج اور شخص ارتقاء کے تئیں پابندی عہد

3. ایمانداری اور محنت کا جذبہ

4. طلباء کی ہمہ جہت ترقی کے لئے منظم منصوبہ بندی

5. جوش و خروش کے ساتھ اپنے منصوبہ پر عمل آوری

6. قائدانہ صلاحیت اور اچھی ترسیل کی مہارت

7. وسیع القلب اور وسیع النظری
8. سماجی مقاصد اور سماجی اقدار سے مکمل آگہی اور ان اقدار کو اپنے اور طلباء کی زندگی میں عملی طور پر برتنے پر زور
9. ماحولیات کے مسائل اور اقداری بحران سے کما حقہ واقفیت اور بہتری کے لیے لگن کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ
10. بلا لحاظ مذہب و ملت، علاقہ و ملک، زبان و ثقافت، رنگ و نسل اور امیر و غریب سب کو ساتھ لے کر بہترین سماج کی تعمیر و تشکیل کے لئے انتھک اور مسلسل کام کرنے کا جذبہ

فرہنگ: (Glossary)

- 1- معلم کی پیشہ ورانہ استعدادیں (Teacher Competencies)
- ایسی استعداد جو معلم کو پیشہ تدریس کے اہل بناتی ہیں جیسے نفس مضمون اور مواد مضمون پر عبور، تدریسی امدادی وسائل (Teaching Aids) کی تیاری اور موثر استعمال وغیرہ۔
- 2- معلم کی پابندی عہد (Teachers Commitment)
- اپنے پیشہ، طلباء اور سماج کی بہتری کے لئے معلم کا اپنے آپ سے کیا گیا عہد اور اس کی پابندی۔
- 3- معمار قوم (Nation Builder)
- ملک و قوم کی تعمیر و تشکیل میں معلم کے غیر معمولی کردار کے مد نظر اسے معمار قوم کہا جاتا ہے۔
- 4- خالق اور تسہیل کار علم (Creator and Facilitator)
- نظریہ تعمیریت (Constructivism) کے مطابق معلم کو علم فراہم کرنے والی شخصیت کے طور پر نہ دیکھتے ہوئے طلباء کے اکتساب (Learnig) کے لئے درکار خوشگوار ماحول و وسائل اور اکتسابی تجربات کا منظم انعقاد کرنا ہوتا ہے اسی لئے اسے تسہیل کار علم (Facilitator of Knowledge) کہتے ہیں۔ چونکہ معلم کتابی علم کو جوں کا توں طلباء کے سامنے پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ان نکات میں اپنے تجربات اور سابقہ علم کی آمیزش کرتے ہوئے طلباء کی ضروریات کے مطابق انہیں ترتیب دیتا ہے اس لئے وہ ایک خالق (Creator) کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔
- 5- تدریسی امدادی آلات (Teaching Aids)
- درسی کتاب (Text Book)، تختہ سیاہ (Black Board)، مختلف قسم کے چارٹس اور ماڈل وغیرہ اپنے مضمون کے مختلف تصورات کو واضح کرنے میں مدد کرتے ہیں اس لئے انہیں تدریسی امدادی وسائل کہا جاتا ہے۔
- 6- نصاب کا معاملہ (Curriculum Transaction)
- نصاب کے نکات کی منصوبہ بندی، پیش کشی اور اس کی تدریس تک کے عمل کو مجموعی طور پر نصاب کا معاملہ (Curriculum

(Transaction) کہا جاتا ہے۔

یاد رکھنے کے نکات (Point to Remember)

- 1- تدریس ایک مقدس پیشہ ہے۔ معلم صرف پیسہ کمانے کے لئے تدریس اختیار نہیں کرتا بلکہ بہترین تعلیم و تربیت کے ذریعہ ملک و سماج کے لئے اچھے شہریوں کی تیاری بھی اس کے مقاصد میں شامل ہوتی ہے۔
- 2- کامیاب اور موثر معلم کا پیشہ ورانہ استعداد کا اہل اور پابند عہد ہونا ضروری ہے۔
- 3- معلم کی پیشہ ورانہ استعداد میں مندرجہ ذیل نکات شامل ہیں۔

☆ نفس مضمون پر عبور (Command Over the Content Knowledge)

☆ تدریسی امدادی آلات کی تیاری اور موثر استعمال (Preparation of Teaching Aids and

effective Uses)

☆ نصاب کا معاملہ (Curriculum Transaction)

4- نفس مضمون اور مواد مضمون پر عبور حاصل کرنے کے لئے درسی کتاب کے بغور مطالعے کے ساتھ حوالہ جاتی کتابوں کا مطالعہ، متعلقہ مضامین کے رسائل و جرائد سے استفادہ، سی ڈیز اور وی ڈیز کے علاوہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسے جدید وسائل کا موثر استعمال ضروری ہے۔

5- تدریسی امدادی آلات کے استعمال سے معلم اپنی تدریس کو آسان، موثر اور دلچسپ بنا سکتے ہیں۔

6- تدریسی امدادی آلات کی تیاری کے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ آسان (simple)، دلچسپ

(Interesting)، اور موثر (Effective) ہو۔

7- تدریسی امدادی آلات عام طور پر چار قسم کے ہوتے ہیں

سمعی (audio)، بصری (Visual)، سمعی و بصری (Audio Visual)، طبع شدہ (Printed)

8- تعلیمی امدادی آلات کی پانچ خوبیاں ہوتی ہیں۔

☆ درستگی (Accuracy)

☆ وضاحت (Clarity)

☆ پائیداری (Durability)

☆ استعمالیت (Practicability)

☆ سستی (Lowcost)

اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں Unit End Activities

(الف) معروضی سوالات

1- تدریس ایک مقدس ----- ہے

(a) دھندا (b) پیشہ (c) دولت کمانے کا ذریعہ (d) غلامی

2- کسی ملک و سماج کے مستقبل کا دار و مدار اصلاً ----- پر ہوتا ہے۔

(a) قدرتی وسائل (b) مالی وسائل (c) بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت (d) سائنسی ترقی

3- پیشہ تدریس کا حق ادا کرنے کے لئے معلم کے پاس ----- اور ----- ضروری ہیں۔

(a) غیر معمولی ذہانت اور منظم منصوبہ بندی (b) پیشہ ورانہ اہلیتیں اور پابندی عہد

(c) افسران کی فرمانبرداری اور سماجی خدمت (d) سیاسی اثر و رسوخ اور سماجی حیثیت

4- معلم کی پیشہ ورانہ اہلیتوں میں نفس مضمون پر عبور، تدریسی امدادی آلات کی تیاری و استعمال اور ----- شامل ہیں۔

(a) سرپرستوں سے گہرے تعلقات (b) پیشہ ورانہ تنظیموں سے تعلق (c) پر مغز مضامین کی اشاعت (d) نصاب کا معاملہ

5- تدریسی امدادی آلات ----- قسم کے ہوتے ہیں۔

(a) ۴ (b) ۳ (c) ۵ (d) ۶

6- کمرہ جماعت کے تعاملات (Interaction) میں جمہوری اقدار کا خیال رکھنے کا مطلب ہے

(a) معلم صرف اپنی بات پیش کرے (b) طلبا آپس میں گفتگو کرتے رہیں

(c) با معنی پیش کشی کے لئے ہر ایک کو موقع ملے (d) طلبا نمائندوں کو موقع ملے

7- طلباء کے درمیان تعاملات کے لئے معلم کی حوصلہ افزائی اور۔۔۔۔۔ غیر معمولی کردار ادا کرتی ہیں۔

(a) رہنمائی (b) خاموشی (c) عدم موجودگی (d) نظر

8- اپنے پیشے کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کے احساس کو۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔

(a) پیشہ ورانہ استعداد (b) پیشہ ورانہ دلچسپی (c) پیشہ ورانہ مہارت (d) پیشہ ورانہ پابندی عہد

9- معلم کی پابندی عہد (Commitment) کا سب سے پہلا اور اہم ترین علاقہ۔۔۔۔۔ ہیں۔

(a) افراد خاندان (b) اسٹاف کے ارکان (c) طلباء (d) سرپرستان طلباء

10-۔۔۔۔۔ کو بچوں کے لئے بہترین مثالی شخصیت (Role model) بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(a) معلم (b) صدر مدرس (c) سیاسی رہنما (d) فلمی اداکار

(ب) مختصر جوابی سوالات

1- تدریس کو ایک پیشہ کیوں کہا جاتا ہے؟

2- معلم کی پیشہ ورانہ بلتیں (Professional Competencies) کون کون سی ہیں؟

3- معلم کو اپنے مضمون پر عبور حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

4- تدریسی امدادی آلات کی خوبیاں بیان کیجیے۔

5- تدریسی امدادی آلات کی قسمیں کون کون سی ہیں؟

(ج) طویل جوابی سوالات

1- معلم کو معمار قوم کیوں کہا جاتا ہے؟ مستقبل کے سماج کی تعمیر و تشکیل میں معلم کے کردار کی تفصیل سے وضاحت کیجیے۔

2- دور حاضر میں معلم کی عزت و احترام میں کمی کیوں محسوس کی جا رہی ہے؟ ملک و سماج میں معلم کے مقام میں بہتری لانے

کے لئے کیا کیا اقدامات کئے جانے چاہئے؟

3- معلم کا اپنے مضمون پر عبور حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟ اس سلسلے میں معلم کو کون روایتی اور جدید وسائل سے استفادہ کرنا

چاہیے؟

4- تدریسی امدادی آلات سے کیا مراد ہے؟ معلم کو ان آلات کا استعمال کیوں کرنا چاہئے؟ تدریسی امدادی آلات کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتائیے کہ ان کا موثر استعمال کس طرح کیا جاتا ہے؟

